تریاق
نگہت سیما

"میری سمجھ میں نہیں آتا اماں کہ یہ آپا روز روز کیوں جھگڑا کر کے آجاتی ہیں۔"

رشک نے بیگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کھانا گرم کرتی ہوئی آصفہ بیگم سے پوچھا۔

"آہستہ بول، وہ سن لے گی۔"

انہوں نے باہر جھانک کر برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی مہک کو دیکھا، جو جب سے آئی تھی یونہی تخت پر بیٹھی روئے چلی جا رہی تھی۔ اور یونیورسٹی سے آتے ہی رشک نے جو اسے یوں تخت پر گھٹنوں پر سر دھرے بیٹھے دیکھا تو سمجھ گئی تھی کہ وہ ضرور لڑ کر آئی ہے، سو وہ یوں ہی بیگ اٹھائے کچن میں چلی آئی تھی۔

"مگر اماں، یہ صحیح نہیں ہے۔ روز روز کا جھگڑ کر آنا، آپ انہیں سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔"

"سمجھاتی تو ہوں۔"

آصفہ بیگم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"پر وہ سمجھے تو۔"

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"پتا نہیں کچھ بتایا تو ہے نہیں جب سے آئی ہے۔

یوں ہی روئے چلی جا رہی ہے۔"

"آپ نے پوچھا تو ہوتا۔"

اس نے کاؤنٹر سے ٹیک لگاتے ہوئے آصفہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"پوچھا تو تھا پر اس کی تو ہمیشہ کی طرح ایک ہی رٹ ہے کہ واپس نہیں جاؤں گی۔"

"آپا ایسی کیوں ہیں اماں وہ کیوں نہیں سوچتیں کہ اس طرح وہ زندگی کو ہمارے لیے اور مشکل بنا دیں گی۔ ابھی ابھی تو ثنا، ندا ہیں نا سمجھ وہ کیا سیکھیں گی آپا کے اس رویے سے اور پھر لوگ کیا سوچیں گے۔ ہمیں انہیں بھی بیاہنا ہے، ثنا اور ندا کو۔ آپا کے یہ روز روز کے جھگڑے ان کے مستقبل پر اثر انداز ہوں گے۔"

"وہ تیری طرح نہیں سوچتی چندا! وہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہے۔ شاید میری بے جا محبتوں نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ عمار بہت نرم خو ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک کب کا گھر سے نکال چکا ہوتا۔"

"مگر عمار بھائی بھی کب تک۔ اماں پلیز آپ انہیں سمجھائیں۔ ابھی ایک سال بھی شادی کو نہیں ہوا اور پچاس دفعہ لڑ کر گھر آ چکی ہیں۔"

"تو بھی تو کچھ بولا کرنا۔ اسے سمجھایا کر، نہ برباد کرلے اپنا گھر۔"

"میں، اماں میں بھلا کیا کہوں ان سے۔"

"اچھا چل باہر چل کر بیٹھ بہن کے پاس، میں کھانا وہیں لے آتی ہوں؟"

"نہیں اماں، مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اس نے بیگ ٹیبل پر سے اٹھایا اور کچن سے باہر نکل آئی۔ مہک اسی طرح گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔

"آپا!"

اُس نے ہولے سے مہک کے کندھوں کو چھوا۔

"اب کیا ہوا ہے۔ اماں بتا رہی ہیں کہ آپ۔"

"ہاں میں واپس نہیں جاؤں گی۔ اماں نے تمہیں صحیح بتایا ہے۔ میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی۔"

"مگر آپا! ہوا کیا ہے۔ کیا کلثوم اور صالحہ نے کچھ کہا ہے۔"

"کلثوم اور صالحہ، اُن کی پروا کون کرتا ہے میری جوتی۔"

"امی جان نے۔"

"امی جان کو اپنے گھٹنوں کے درد سے فرصت کہاں ملتی ہے، جو وہ کچھ کہیں۔ ہر وقت گھٹنوں کا درد لیے پڑی رہتی ہیں۔"

"تو پھر عمار بھائی نے کچھ کہا ہے۔"

"ہاں تمہارے عمار بھائی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اماں نے اور ماموں جان نے کیا دیکھ کر عمار کا رشتہ پسند کیا تھا۔"

"عمار بھائی بہت اچھے ہیں مہک آپا! پڑھے لکھے ہیں، خوش شکل ہیں، مزاج کے بہت اچھے ہیں اور۔"

"لیکن اپنی بیوی کی ایک چھوٹی سے خواہش کو پورا نہیں کر سکتے۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے نیلم کا وہ چھوٹا سا سیٹ لے دیں وہی جو اُس روز ہم نے پٹیالہ جیولرز پر دیکھا تھا۔ زیادہ مہنگا بھی نہیں تھا۔ صرف تیرہ ہزار کا تو تھا۔ لیکن کبھی جواب ہی نہیں دیا۔ کل رات میں نے کہا ہماری شادی کی سالگرہ آنے والی ہے، مجھے وہی سیٹ گفٹ کر دیں۔ شادی کی پہلی سالگرہ پر خوبصورت سا گفٹ۔ مگر پتا ہے آگے سے کہنے لگے۔

"میں اتنا قیمتی تحفہ دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ سالگرہ تو دل کی خوشی ہے، میں نے تو سوچا تھا تمہارے لیے موتیے کے پھول لے کر آؤں گا اور تم اپنا وہی عروسی لباس پہن کر۔"

"آپا!" رشک نے تیزی سے بولتی ہوئی مہک کو ٹوک دیا۔

"ٹھیک تو کہتے ہیں عمار بھائی، چار ہزار تو اُن کی تنخواہ ہے۔"

"اور کلثوم، صالحہ، خالد، امی جان، تم، اتنی بچت کہاں ہوتی ہوگی، ان کے پاس کہ وہ تمہارے لیے تیرہ ہزار کا سیٹ خرید سکیں۔"

"تیرہ ہزار کا نہ سہی۔ ایک اور میں نے دیکھا تھا۔ چھ ہزار کا، وہی لے دیتے مگر توبہ! وہ مجھ پر کہاں پیسہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اُنہیں تو کلثوم اور صالحہ کی شادی کے لیے پیسہ جمع کرنا ہے۔ خالد کو تعلیم دلانی ہے۔ مجھ سے اُنہیں محبت نہیں ہے۔ میری تو زندگی تباہ کر دی ہے تم نے اماں نے اور ماموں جان نے، تم سب نے مل کر میرے ساتھ دشمنی کی ہے۔"

وہ زور زور سے رونے لگی تو آصفہ بیگم گھبرا کر کچن سے باہر آگئیں۔

رشک نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

یہ کوئی نئی بات تو نہ تھی، جب سے مہک کی شادی ہوئی تھی، وہ یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر عمار سے جھگڑا کر کے آجاتی تھی، پھر کبھی امی جان، کبھی صالحہ، کلثوم اور کبھی خود عمار آکر اُسے لے جاتا۔ یہ تو مہک کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے اتنے اچھے لوگ ملے تھے، عمار بے حد نفیس انسان تھے۔ صالحہ، کلثوم محبت کرنے والی لڑکیاں تھیں۔

امی جان بہت شفیق اور مہربان۔ مگر پتا نہیں کیا بات تھی مہک کسی کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہوئی تھی۔

صالحہ اور کلثوم اُسے مغرور لگتیں، امی جان ظالم اور سفاک۔ خالد بد تمیز اور گستاخ۔

اور عمار بے حس اور کنگال

وہ کسی سے محبت نہیں کر سکی تھی۔

اور شاید وہ کسی سے محبت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اُسے صرف اپنے آپ سے محبت تھی اور بس۔

پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ بابا اور اماں کی بہت لاڈلی تھی اور تھی بھی وہ بہت خوبصورت۔ خدا نے اُسے حسن کی دولت بہت فراخدلی سے دی تھی۔

لانبی لانبی آنکھیں، ان پر گھنیری پلکیں۔

بے حد لمبے سیاہ چمکیلے بال۔

دمکتا ہوا گلابی رنگ۔

گلاب کی کلیوں ایسے ہونٹ۔

اور اُسے اپنے حسن کا احساس بھی تھا۔

دن میں کئی کئی بار وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی تھی۔

"میری سہیلیاں کہتی ہیں رشک، تجھے تو کہیں اور پیدا ہونا چاہیے تھا کسی محل میں کسی بادشاہ کے گھر۔"

کبھی کبھی وہ موڈ میں ہوتی تو رشک سے کہتی۔

"مگر آپا! آج کل بادشاہ کہاں ہوتے ہیں۔"

ثنا اپنی قابلیت کا رعب جھاڑتی تو وہ اُسے ڈانٹ کر بھگا دیتی۔

"کیوں کوثی، بتاؤ مجھے کہیں اور پیدا ہونا چاہیے تھا۔ یہ گھر بھلا میرے شایانِ شان ہے۔"

"پتا نہیں۔"

وہ بے بسی سے اُسے دیکھتی۔

"جس نے جہاں پیدا ہونا ہوتا ہے وہ وہاں ہی پیدا ہوتا ہے۔"

"اور پھر کیا پتا آپا۔"

ندا کو بھی کبھی اُس کی یہ بات پسند نہ آتی تھی۔

"آپ کسی بادشاہ کے گھر پیدا ہوتیں تو وہ اماں اور ابا کی طرح آپ سے پیار نہ کرتے۔ اماں ابا کتنے اچھے ہیں، آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔"

"اور میں اماں ابا کو اور رشک آپی اور حسام کو چھوڑ کر کبھی کسی بادشاہ کے گھر نہ جاؤں۔"

ثنا پھر آموجود ہوتی۔

"اور آپا کو تو کوئی بادشاہ اپنی بیٹی بنالے تو وہ ابھی اٹھ کر چلی جائیں اور ہم سب کو بھول جائیں ہے نا۔"

"ہوں چلی تو جاؤں مگر تمہیں بھولوں گی نہیں۔"

وہ اُن کا دل رکھ لیتی، جبکہ رشک کو یقین تھا کہ اگر ایسا ہو جائے تو وہ کبھی بھول کر بھی کسی کو یاد نہیں کرے گی۔ اُسے تو یہ گھر پسند ہی نہیں تھا اور نہ ہی اس گھر کی کوئی چیز پسند تھی۔

ابا ہمیشہ اس کے لیے سب سے اچھی اور بہتر چیز لاتے تھے، اپنی حیثیت سے بڑھ کر مگر اُس کو کبھی پسند نہیں آتی تھی۔

"اونہہ! یہ بھی کوئی کپڑے ہیں۔ میری سہیلیوں کے کپڑے دیکھیں اور جوتے دیکھیں۔ پانچ پانچ سو کا ایک جوتوں کا جوڑا ہوتا ہے اور یہاں دو سو کا سوٹ پینتیس کا جوتا دلوا کر اماں سمجھتی ہیں، پتا نہیں کیا معرکہ مار لیا ہے۔"

"آپا!" رشک کا دل اُس کی باتوں پر دکھتا تھا۔

"ایسا تو نہ کہا کریں۔ اماں اور ابا کتنے شوق سے تمہارے لیے یہ سب لائے ہیں۔ وہ سنیں

گے تو اُن کا دل دکھے گا۔"

"تو جھوٹ کہہ رہی ہوں میں، وہ ناظمہ نے تو عید کی ساری شاپنگ لبرٹی سے کی ہے، ملی شوز سے جوتے لیے ہیں اور مجھے پتا ہے اماں گئی ہوں گی! اچھرہ اور۔"

"آپا پلیز۔"

وہ منت کرتی۔

"تم دیکھو تو ذرا۔ اماں تمہارے لیے تو جاپانی سوٹ لائی ہیں اور یہ تمہارا جوتا بھی پینتیس کا کب ہے ایک سو پچیس کا ہے۔"

"ہوں پتا ہے پیس خرید لیے ہوں گے۔"

"نہیں دیکھو تو آپا، سوٹ ہے پورا اور پھر یہ رنگ کتنا خوبصورت ہے۔ تمہارے اوپر کتنا سجے گا۔"

وہ ہولے ہولے اُس کا دل نرم کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

"اور پھر آپا ناظمہ کے ابو تو اتنے بڑے بزنس مین ہیں اور ہمارے ابو تو سترہ گریڈ کے آفیسر ہیں اور ہم ماشاء اللہ اتنے سارے بہن بھائی ہیں۔"

"فرح کے ابو بھی تو سترہ گریڈ کے آفیسر ہیں لیکن گاڑی میں آتی ہے اسکول۔ ابو چھپا چھپا کر جمع کرتے ہیں خرچ نہیں کرتے ہم پر۔"

"نہیں آپا۔" اُس کے دل میں جیسے برچھی سی لگتی۔

"ہمارے ابو جان نیک اور ایماندار ہیں اور ہم سے بہت محبت کرتے ہیں وہ ہم سے کچھ نہیں چھپاتے غلط گمان نہ کیا کرو اور پھر تم سے تو وہ بہت محبت کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ۔"

لیکن مہک کو یقین نہ آتا۔ اُس کے دل پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ پتا نہیں وہ اتنی بے حس کیوں تھی۔ ثنا اور ندا کی کوئی چیز پسند آتی تو مزے سے چھین لیتی۔ اُن کے ذرا ذرا سے منہ نکل آتے اور تو اور ابا کبھی حسام کے لیے کوئی کھلونا لاتے تو وہ بھی چھین کر خود کھیلنے لگتی۔

"اونہہ! ہمیں تو کبھی ایسا کھلونا لے کر دیا نہیں۔" وہ بس ایسی تھی۔ اب تو آصفہ بیگم بھی پریشان رہنے لگی تھیں۔

"یہ مہک کا مزاج ایسا کیوں ہے۔"

کبھی کبھی وہ سوچتیں۔

کیا کہیں اُن کی تربیت میں کوئی خامی رہ گئی تھی۔ مگر رشک بھی اُن کی بیٹی تھی۔ اُس سے بالکل مختلف، سنجیدہ، حساس اور ہر ایک کے لیے سوچنے والی۔

ماں باپ کے دکھ سکھ شیئر کرنے والی ذرا ان کے سر میں درد بھی ہوتا تو اُن کے پاس سے نہ ہٹتی تھی۔ جبکہ مہک نے کبھی پوچھا تک نہیں تھا۔ حالانکہ میٹرک کے بعد اُس نے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا تھا اور سارا دن گھر میں لیٹی رسالے پڑھا کرتی اور آصفہ بیگم اکیلی کام کرتی تھیں۔ البتہ رشک کالج سے آکر شام کا سارا کام خود کرتی تھی۔

"ارے تو تھکی ہوئی ہے نا۔"

وہ اُسے منع کرتی رہ جاتیں۔

"نہیں اماں بس آپ اب آرام کریں۔ بیٹیاں کس لیے ہوتی ہیں۔ اتنا سکھ بھی نہ ملے اُن کے دم سے تو کیا فائدہ اور پھر جب ابا اچانک بیمار پڑے تو رشک نے جس طرح سارے گھر کو سنبھالا، ہاسپٹل، گھر، کالج وہ ساری ذمہ داریاں نبھا رہی تھی۔ ملک صاحب ہاسپٹل سے گھر آگئے تو اُن کی دوائیں لانا، کالج سے آکر اُن کے پاس بیٹھنا۔ اماں کو تسلی دینا ندا، ثنا اور حسام کا خیال رکھنا۔ اُن کی فیسیں جمع کرانا۔ بازار سے ضروری شاپنگ کرنا۔

ابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا۔ سارے کام خود بخود ہی اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے۔ مہک کو ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ وہ بس اپنے رسالوں کی دنیا میں گم رہتی تھی۔ بیماری کے دنوں میں وہ ملک صاحب کے بہت قریب ہوگئی تھی۔ وہ بالکل دوستوں کی طرح اُس سے ہر بات پر ڈسکس کرتے، آفس کے معاملات میں بھی مشورہ لیتے حسام، ثنا، ندا کا خیال رکھنے کو کہتے۔

"اگر مجھے کچھ ہوگیا۔ میں نہ رہا تو بیٹا تم ان سب بہن بھائیوں کا خیال رکھنا۔ حسام کو اعلیٰ تعلیم دلوانا۔ میں نے اس کے لیے بڑے خواب دیکھے ہیں اور مجھے پتا ہے میں جانتا ہوں کہ مہک ان سب ذمہ داریوں کی اہل نہیں تھی نہ ہے۔ بیٹا وہ تمہاری بڑی بہن ہے۔ اگر کبھی زیادتی بھی کر جائے تو نظر انداز کر دینا میں جتنا ہوں، وہ بعض اوقات تم سب کی حق تلفی کر جاتی ہے۔ وہ ایسی ہی ہے، میں نے اپنے کم وسائل میں بھی اُس کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ پتا

نہیں کیوں مجھے لگتا ہے، جیسے میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گا۔"

"نہیں ابو پلیز آپ اس طرح نہیں کہیں۔"

وہ اُن کا ہاتھ تھام کر رونے لگتی۔

"نہیں بیٹا! تم آنسو نہ بہاؤ، تمہیں تو بہت بہادر بننا ہے۔ میری جان ان سب کو میرے بعد تم نے ہی سنبھالنا ہے۔ کسی کو دکھی نہ ہونے دینا۔ اپنی ماں کا بہت خیال رکھنا۔ میں اُسے کوئی بہت زیادہ سکھ نہیں دے سکا اور شاید تم لوگوں کو بھی تمہارے حسبِ منشا زندگی مہیا نہ کر سکا۔"

"نہیں ابو! آپ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے۔ ہم سب تو بہت خوش ہیں، بہت مطمئن ہیں۔"

"پر تیری آپا تو کبھی مطمئن نہیں رہی۔ میں اُس سے ہمیشہ شرمندہ رہا۔ بیٹا اُس کے خلافِ مرضی کبھی کچھ نہ کرنا وہ جو کہے ایسا ہی کرنا۔ اُس کا دل بہت چھوٹا ہے۔ اُس میں ذرا بھی برداشت نہیں ہے۔ تو اپنا دل بڑا کرنا۔"

ملک صاحب وقتاً فوقتاً اُسے آنے والے لمحوں کے لیے تیار کرتے رہتے تھے۔ مگر اُسے یقین تھا انہیں کچھ نہیں ہوگا ابھی وہ بہت سارے سال زندہ رہیں گے۔ اُس نے کئی لوگوں کو دیکھا تھا دل کے مریضوں کو جنہیں دس دس، بارہ بارہ سال یہ تکلیف تھی اور وہ زندہ تھے۔ لیکن ملک صاحب تو دوسرے اٹیک میں ہی دنیا سے منہ موڑ گئے۔ اب جبکہ بظاہر وہ بالکل صحت مند لگتے تھے اور وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن تھی کہ ایک رات اچانک انہیں شدید درد اٹھا وہ فوراً ہی انہیں ایمرجنسی میں لے گئی تھی۔ مگر ساری کوششیں بیکار گئیں۔

اُسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیے چھ ماہ ہی تو ہوئے تھے۔ اس نے سوچا وہ پڑھائی چھوڑ کر نوکری کر لے۔ مگر آصفہ بیگم نے منع کر دیا۔

"نہیں چندہ، یہ ڈیڑھ سال کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائے گا۔ تو اپنی تعلیم مکمل کر لے یہ تیرے ابا کی خواہش تھی۔"

یوں اُس نے کچھ ٹیوشنز وغیرہ کر لی تھیں۔ ملک صاحب کے واجبات وغیرہ کے سلسلے میں دلدار ماموں نے بہت مدد کی تھی۔ دلدار ماموں آصفہ بیگم کے چچازاد اور دودھ شریک

بھائی تھے۔ اتفاق سے ملک صاحب اور آصفہ بیگم دونوں ہی اکلوتے تھے۔ قریبی رشتہ داروں میں دلدار ماموں کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور وہ حقیقی معنوں میں ہمدرد تھے۔ دس پندرہ دن بعد ضرور چکر لگاتے۔ رشک کا حوصلہ بڑھاتے آصفہ بیگم سے اُن کے مسائل پوچھتے۔

حسام کو وقت دیتے۔ مہک کے لیے رشتہ بھی وہی لائے تھے۔

"عمار بہت اچھا لڑکا ہے سمجھدار اور بااخلاق خاندان بھی بہت اچھا ہے۔ ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ عمار کے والد میرے دوست تھے۔ اُن کی وفات کے بعد عمار نے گھر کو جس طرح سنبھالا اور اپنی پڑھائی جاری رکھی، قابلِ تعریف ہے۔ میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں بلا تامل اُسے اپنی فرزندی میں لے لیتا۔"

آصفہ بیگم کو بھی وہ سب بہت پسند آئے تھے اور عمار تو تھا ہی قابلِ تعریف رشک کو بھی اچھا لگا۔ پھر بھی مہک کے مزاج کے پیشِ نظر اس نے آصفہ بیگم سے کہا کہ وہ مہک کی مرضی پوچھ لیں۔ مہک نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ عمار اس کے خوابوں کے شہزادے کی طرح ہی تو تھا۔ یوں مہک رخصت ہو کر عمار کے گھر چلی گئی تھی۔

عمار کی دو چھوٹی بہنیں تھیں۔

کلثوم اور صالحہ دونوں کالج میں پڑھتی تھیں۔

ایک بھائی تھا خالد جو اسکول میں تھا۔

ایک اور بھائی تھا عمار سے چھوٹا لیکن جسے بچپن میں ہی اس کے تایا نے گود لے لیا تھا۔ اس لیے رشک نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عمار کی شادی پر بھی نہیں۔ عمار سے ہی پتا چلا تھا کہ تایا چند سال پیشتر کسی بات پر خفا ہو گئے تھے۔ اُس کے بعد انہوں نے کوئی تعلق ہی نہیں رکھا۔

اور عمار کی والدہ تھیں۔

بہت نرم خو اور سادہ مزاج۔

سب لوگ ہی بہت محبت کرنے والے اور پیارے تھے۔ رشک کو تو خالد بالکل حسام کی طرح اور کلثوم اور صالحہ، ثنا اور ندا کی طرح لگی تھیں۔ لیکن پتا نہیں کیا بات تھی، مہک ذرا بھی خوش نہیں تھی۔

کلثوم اور صالحہ سے وہ ٹھیک طرح سے بات ہی نہ کرتی تھی۔

خالد اُس کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا اور وہ اکثر لڑ جھگڑ کر گھر آجاتی تھی اور رشک حیران ہو کر سوچا کرتی اتنے پیارے پیارے لوگوں سے کوئی کیسے نفرت کر سکتا ہے، اور یہ مہک کا دل اتنا پتھر کیوں ہے اور خالد تو اتنا پیارا بچہ ہے کہ اس پر خود بخود پیار آتا تھا۔ کلثوم اور صالحہ اتنی خاموش طبع اور دھیمے مزاج کی تھیں کہ ان سے تو لڑائی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پتا نہیں مہک کیوں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی تھی۔

"رشک بیٹا! کیا ہوا۔"

آصفہ بیگم نے اسے یوں سر ہاتھوں میں تھامے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں اماں! یوں ہی بس تھک گئی ہوں۔"

"صبح خالی پیٹ چلی جاتی ہے۔ تھوڑا سا کچھ کھا لے۔"

"آپا نے کھا لیا؟" اس نے بدستور روتی ہوئی مہک کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔"

"اچھا آپا! اب رونا دھونا چھوڑیں اور کھانا کھا لیں۔"

"نہیں۔" اس نے ناک اور آنکھیں پونچھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"پلیز آپا"

"میری کسی کو پروا نہیں ہے ابا ہوتے تو کاہے کو بھلا میرے ساتھ یہ ظلم ہوتا۔ وہ اتنے کنگال آدمی سے مجھے کیوں بیاہتے اور وہ ابھی آئے گا عمار کا بچہ تو اماں مجھے اس کے ساتھ بھیج دیں گی۔ مگر میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"اماں تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں ہرگز نہیں بھیجیں گی، بس اب اٹھو شاباش منہ ہاتھ دھو کے کھانا کھا لو، اماں کتنی پریشان ہو رہی ہیں۔"

"پکی بات ہے" وہ رشک کو دیکھنے لگی۔

"اماں مجھے زبردستی تو نہیں بھیجیں گی۔"

"نہیں۔" رشک افسردگی سے مسکرائی۔

"بس اب اٹھ بھی جاؤ۔"

"اچھا!" وہ منہ ہاتھ دھونے کے لیے باتھ روم چلی گئی تو آصفہ بیگم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ایسے وعدے کیوں کرتی ہے بیٹی، عمار لاکھوں میں ایک ہے۔ آئے گا لینے تو میں خود بھیج دوں گی اسے، بلکہ خود چھوڑ آؤں گی۔"

"نہیں اماں! ابو نے کہا تھا کہ کبھی اس کی خلاف مرضی کوئی بات نہ کرنا۔ ابا ہوتے تو بھلا آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتے بس مجھے ابا کا خیال آجاتا ہے۔"

وہ بیگ کندھے پر لٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا اماں میں ذرا ماموں کے ہاں جا رہی ہوں۔ راحیل نے ایک دو ٹیوشنز دلانے کا کہا تھا۔"

"ابھی تو تھکی ہوئی آئی ہے"

"شام کو پھر ٹیوشنز کے لئے پڑھانے جانا ہو گا۔ اگر دیر ہو گئی تو میں وہاں سے ہی ٹیوشن کے لئے چلی جاؤں گی۔ اور ابھی آپ آپا کے کچھ مت کہئے عمار بھائی آجائیں تو انہیں سمجھا کر بھیج دیجئے گا کہ ایک دو روز میں آجائیں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔ حالانکہ اس پتا تھا کہ راحیل آفس سے نہیں آیا ہو گا۔ اور نہ ہی دلدار ماموں گھر پر ہوں گے۔ شاید شکیل اور عقیل کالج سے آگئے ہوں۔ اس نے سوچا ان سے گپ شپ لگائے گی تو شاید ذہن پر دھرا یہ بوجھ کم ہو جائے گا۔ آج وہ یونیورسٹی سے جلدی چلی آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ اماں کے ساتھ بازار جا کر ندا، ثنا اور حسام کے لئے گرمیوں کے کچھ کپڑے خریدے گی کل شام اسے منیر احمد نے ٹیوشن فیس دی تھی۔ مگر مہک کی اس بے وقت آمد نے اس کا دل برا کر دیا تھا۔

کیا مہک کبھی خوش رہ سکے گی۔

کیا وہ کبھی عمار کو قبول کر لے گی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اسے عمار پر ترس آتا تھا۔

مہک اس کے ہرگز قابل نہ تھی۔

اتنے نفیس شخص کے لئے تو کوئی اتنی ہی نفیس لڑکی ہونی چاہئے تھی مگر جب قسمت

نے دونوں کو ایک کر دیا تھا تو۔

مہک خوبصورت تھی، دلکش تھی۔

کوئی بھی مرد اس کی ہمراہی پر فخر کر سکتا تھا۔

اگر۔ اگر وہ تھوڑا سا اپنا مزاج بدل لیتی۔

میں اسے سمجھاؤں گی۔

اس نے تقریباً دوڑ کر چلتی ہوئی بس کا ڈنڈا پکڑا۔ اگر یہ بس نکل جاتی تو پھر دوسری بس تو بہت دیر سے آتی۔

"آپ پلیز ادھر بیٹھ جائیں۔"

کسی نے قریب سے کہا۔

"شکریہ!"

اُس نے اجنبی شخص کی طرف دیکھے بغیر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پورے آدھے گھنٹے کا سفر تھا اور وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔

"دنیا میں ابھی اچھے لوگ ہیں اور ہم یونہی مایوس ہوتے رہتے ہیں کہ دنیا اچھے لوگوں سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔" بیگ کندھے سے اتار کر گود میں رکھتے ہوئے اس نے یونہی سر اٹھا کر سرسری نظر سے اس اچھے آدمی کو دیکھا تو ذرا سا چونکی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔

یہ صورت اتنی اجنبی تو نہیں لگ رہی تھی، شاید پہلے بھی کہیں دیکھا تھا اسے، مگر کہاں۔ اُسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

شاید یونیورسٹی میں کہیں دیکھا ہو۔

اور مہک آپا۔

اُس کا دھیان پھر مہک کی طرف چلا گیا۔

پتا نہیں عمار بھائی کیا سوچتے ہوں گے۔

اور امی جان کیا کہتی ہوں گی۔

کس قدر احمقانہ ضد ہے۔ نیلم کا سیٹ اور عمار بھائی بے چارے کہاں سے لائیں گے۔

پھولوں سے زیادہ خوبصورت تحفہ بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ مگر آپا سمجھیں تو۔

"یا اللہ! میرا دل اور میرا دماغ آپا کو دے دے۔"

اُس نے بے آواز دعا کی اور آنکھیں بند کر کے سیٹ سے سر ٹیک لیا۔

"آپ کا اسٹاپ آ گیا ہے خاتون۔"

کیسی خوبصورت آواز تھی۔ میٹھی میٹھی سی مگر بے حد شفیق، بے حد مہربان سی۔

وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"شکریہ!" بس سے اتر کر ایک بار پھر اس نے اجنبی کو دیکھا۔

"کہاں دیکھا تھا بھلا اسے؟"

اجنبی کی نظریں ملیں تو اس نے جلدی سے منہ موڑ لیا اور تیز قدموں سے چلنے لگی۔

اس اسٹاپ پر اترنے والی وہ اکیلی تھی۔ اجنبی کی منزل شاید آگے کہیں تھی۔

"پتا نہیں کون تھا۔ کیا نام تھا۔"

وہ غیر ارادی طور پر اُسی کے متعلق سوچے چلی گئی۔

پتا نہیں کیا بات تھی سوچیں کہیں کسی ایک مرکز پر مرتکز ہی نہیں ہوتی تھیں۔ سوچنے کے لیے اس کے پاس اتنی بہت ساری باتیں تھیں۔ مگر وہ کچھ سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔

آج صبح سے سید صاحب کے لیکچر کے دوران بھی وہ یونہی خالی الذہن سی بیٹھی رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ اس لیے تو جب انہوں نے اس کی رائے پوچھی تو وہ یونہی ان کا منہ دیکھتی رہی۔

"کیا بات ہے؟ آپ کہاں تھیں؟"

"یہاں ہی سر۔"

اُس نے گھبرا کر سب کی طرف دیکھا۔

فرح، نجم، کوثر، کاشف، سمیرا سب مسکرا رہے تھے۔

"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟"

کال بیل پر انگلی رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"ابھی تو ابو کو اس دنیا سے گئے صرف آٹھ ماہ ہوئے ہیں اور میں ابھی سے تھکنے لگی ہوں

کیا؟ ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ چند ٹیوشنز پندرہ سولہ سو روپے بھلا ان سے ہوتا ہی کیا ہے۔ جانے اماں کیسے سارے خرچ پورے کرتی ہیں۔"

"آہا! آج تو رشک ماہ صاحبہ تشریف لائی ہیں۔"

دروازے پر عقیل کھڑا تھا۔

"گھر کا رستہ مل گیا تھا۔"

عقیل کے پیچھے سے شکیل نے سر نکالا۔

"ہاں مل گیا تھا، مگر تمہیں تو کبھی نہیں ملتا۔"

اس نے بیگ کھینچ کر شکیل کو مارا جسے شکیل نے کیچ کرتے ہوئے زور سے چیخ کر آواز دی۔

"لیجئے آپ کی لاڈلی آگئی ہیں۔"

"کون رشک آئی ہے۔"

ممانی جان آنکھیں ملتے ہوئے کمرے سے نکل آئیں۔

"السلام علیکم ممانی جان۔"

اُس نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے گلے سے لگا کر اُس کی پیشانی چومی۔

"بڑے دنوں بعد آئی ہو۔"

"بس وقت ہی نہیں ملتا۔"

"بڑی آدمی ہو گئی ہیں۔" عقیل نے لقمہ دیا۔

"بڑے آدمی میری طرح بسوں میں لٹک کر نہیں آتے۔"

"آج پھر لٹک کر آئی ہیں حسبِ معمول۔"

شکیل ہنسا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ہر وقت خواب کیوں دیکھتی رہتی ہیں۔ بس اسٹاپ پر کھڑی ہیں اور دماغ جانے کہاں ہے۔ آنکھیں آسمان پر لگی ہوئی ہیں اور بس جب پاس آکر گزر جاتی ہے تو پھر بھاگتی ہیں اس کے پیچھے۔"

"تم تو ہر وقت میرے ساتھ ہوتے ہو نا۔"

وہ وہیں برآمدے میں بچھی چارپائی پر دھپ سے گر پڑی جیسے بہت تھکی ہوئی ہو۔

"یونیورسٹی سے آئی ہو۔" ممانی جان نے پوچھا۔

"نہیں گھر سے آئی ہوں۔"

"آپا کیسی ہیں اور بچے۔"

"سب ٹھیک ہیں۔"

وہ ایک دم مطمئن سی نظر آنے لگی تھی۔ پتا نہیں کیا تھا۔ اس گھر کی فضا میں یہاں آکر تھوڑی دیر کو وہ ساری پریشانیاں بھول جاتی تھی۔

"حسام کو لے آتیں۔ بہت دنوں سے نہیں دیکھا۔"

"خود تو لٹک کر آئی ہیں۔ اسے کہاں لٹکاتیں۔"

شکیل کو اُسے تنگ کرنے میں مزا آتا تھا۔

"آج لٹک کر نہیں آئی۔" وہ مسکرائی۔

"واقعی۔" شکیل نے آنکھیں پھاڑیں۔

"یقین نہیں آرہا۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔"

"کیا آپ نے آج اسٹاپ پر کھڑے ہو کر کوئی خواب نہیں دیکھا۔ یااللہ! یہ آج میں کیا سن رہا ہوں یعنی محترمہ رشک ماہ صاحب آج صحیح وقت پر بس میں سوار ہوئیں اور سیٹ پر بیٹھ کر آئی ہیں۔ انقلاب۔"

"کیا آپ بس کے رینگنے سے پہلے ہی سوار ہو گئی تھیں۔"

"نہیں تو بس تو چل پڑی تھی۔"

اس نے پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر پیچھے کیا۔

"پھر کیا آج بس میں رش نہیں تھا۔"

"تھا تو بس ایک بھلے آدمی نے سیٹ دے دی۔"

وہ ہنسی۔

"سب تمہاری طرح بداخلاق تو نہیں ہوتے۔"

"ہاں کچھ آپ کی طرح بااخلاق بھی ہوتے ہیں۔"

شکیل نے چڑ کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ آخر دیر کیوں کر دیتی ہیں۔"

"پتا نہیں کیوں۔"

اُس نے معصومیت سے کہا اور پھر مڑ کر ممانی جان کی طرف دیکھنے لگی۔

"آج کیا پکا تھا۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"ارے آتے ہی کیوں نہ کہا۔ میں ابھی لاتی ہوں گرم کر کے۔ کریلے گوشت پکایا ہے۔ راحیل کو بہت پسند ہے۔ ابھی آتا ہی ہوگا۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ بیٹھیں میں خود گرم کر کے روٹی ڈال لیتی ہوں۔"

"نہ نہ بچی تم بیٹھو باتیں کرو بھائیوں سے۔ راحیل کے لیے بھی توڈالنی تھی۔"

"ہاں جناب رشکِ ماہ صاحبہ اور کیا حال چال ہیں یہ چہرے پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں کہیں۔ آنٹی نے مارا تو نہیں۔" شکیل نے پوچھا۔

"بارہ تو ہمیشہ ہی بجے رہتے ہیں۔"

عقیل نے جواب دیا۔

"تمہاری شکلیں دیکھ کر۔"

"کیوں ہماری شکلوں کو کیا ہے۔ کیا چندے آفتاب چندے مہتاب صورتیں ہیں کہ اگر کوئی پری دیکھ لے تو اغوا کر کے ہی لے جائے۔"

"تو کیا تمہارے کالج میں کوئی پریاں نہیں۔"

"نہیں۔" عقیل نے برا سا منہ بنایا۔

"کوایجوکیشن نہیں ہے وہاں؟"

"چلو خیر اِدھر اُدھر راستے میں تو نظر آتی ہوں گی۔"

"دیوں کی قید میں ہوتی ہیں۔"

"ویری سیڈ۔"

اُس نے دیوار سے ٹیک لگائی اور انہیں دیکھنے لگی۔ دونوں جڑواں تھے۔ بی۔ ایس۔ سی کر رہے تھے اور دونوں ہی اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ بالکل دوستوں کی طرح انہوں نے اسے ابو کی موت کے بعد کمپنی دی تھی۔ کتنی کتنی دیر تک اس کے پاس بیٹھ کر اپنی دلچسپ باتوں سے اس کا دل بہلاتے تھے۔ وہ اکثر سوچتی اگر اس کے کوئی بھائی ہوتے تو ایسے ہی ہوتے۔

یوں ہی ہمدرد اور نرم خو۔

خوش مزاج اور ہنس مکھ۔

"نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا۔" شکیل نے شوخی سے اسے دیکھا۔

"بہنوں کی نظر بھائیوں کو نہیں لگتی۔"

اس نے آنکھوں میں نمی سی اُتر آئی تو وہ سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

اگر جو یہ سب نہ ہوتے۔ دلدار ماموں ممانی، شکیل عقیل اور پھر سب سے بڑھ کر راحیل۔

تو وہ ابو کے بعد کیسے جی پاتی۔

اُسے تو یوں لگتا تھا جیسے اُس کا سارا حوصلہ ساری ہمت بس ابو کے دم سے ہی تھی۔ وہ جو بھاگ بھاگ کر سارے کام کرتی تھی۔ تو ابو نے جانے اسے کتنا بہادر سمجھ لیا تھا کہ وہ ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال کر چلے گئے تھے۔

میں اتنی بہادر نہیں ہوں راحیل۔

بہت کمزور ہوں۔

میں کیسے سب کا خیال رکھوں گی۔

کیسے سب کو خوش رکھوں گی۔

وہ کتنی ہی دیر تک راحیل کا ہاتھ تھامے روتی رہی تھی اور راحیل اسے دلاسا دیتا رہا تھا۔

"کیوں گھبراتی ہو کوشی ہم سب جو ہیں تمہارے ساتھ تم اکیلی تو نہیں کسی بھی لمحے کسی مشکل میں مجھے آواز دے لینا تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔ اپنے ہم قدم۔"

راحیل بہت اچھا تھا، بہت مہربان۔

بچپن ہی سے اس کی اور راحیل کی بہت دوستی تھی۔ مہک تو ہمیشہ راحیل سے لڑتی رہتی تھی۔ اس کے کھلونے چھین لیتی اس کی نظر بچا کر اس کے کھلونے توڑ دیتی تھی اور اس کی جھوٹی شکایت لگا کر ماموں سے اسے ڈانٹ پڑواتی۔ مگر وہ جب بھی اس کے گھر جاتی، راحیل مہک سے چھپ کر اسے چاکلیٹ دیتا، اپنے نئے کھلونے اور کتابیں دکھاتا۔ یوں بچپن کی یہ دوستی بڑھتے بڑھتے ایک گہری محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ جس سے وہ خود بھی بے خبر تھے۔ بس اسے اتنا پتا تھا کہ جب بھی پریشان ہوتی تھی راحیل کے پاس بھاگی آتی تھی۔ اور وہ مہربان دوست کی طرح اس کی پریشانیاں شیئر کرتا۔

"گئیں" شکیل نے اسے سوچوں میں ڈوبے دیکھ کر کہا۔

"کہاں؟" عقیل نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔

"دوسری دنیا میں۔"

"کیا دوسری دنیا اس دنیا سے زیادہ خوبصورت ہے رشک ماہ صاحبہ۔" عقیل نے پوچھا۔

"نہیں مجھے کیا پتا۔" وہ جھینپ گئی۔

"اور یہ جو آپ بیٹھے بیٹھے چلی جاتی ہیں وہاں تو میں نے سمجھا، وہ بہت خوب صورت جگہ ہو گی۔"

"رشک......!"

"بڑی ہوں تم سے لیکن کبھی جو تم نے باجی یا آپا کہہ کر پکارا ہو۔" اس نے شکیل کو بات مکمل نہ کرنے دی۔

"آپا تو بس مہک آپا ہی ہیں۔ آپ تو آپا لگتی ہی نہیں۔"

"ہاں مہک!"

اس کا دھیان پھر مہک کی طرف چلا گیا۔

اور اگر مہک واپس نہ گئی تو ضدی بھی تو بہت ہے پھر۔ پھر کیا ہو گا کیا عمار بھائی آپا کو......

نہیں میرے خدا نہیں۔ کچھ کرنا ہی ہو گا۔ راحیل بھی تو ابھی تک نہیں آیا۔

"رشک بیٹی!" ممانی جان نے آواز دی۔

"بیٹی! ادھر آجاؤ کچن میں۔"

"جی!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بات کیا ہے خاتون؟" شکیل نے اس کا آنچل پکڑ کر کہا۔

"صاف صاف بتا دیں ٹیوشن ختم ہو گئی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"پھر کیا ہے۔ یہ بار بار آپ مراقبے میں چلی جاتی ہیں۔ آنکھیں نم ہو رہی ہیں۔ دن کے تین بجے پہنچ رہی ہیں اور کھانا کھایا ہی نہیں اور......"

"کچھ بھی نہیں۔"

"چھوڑو یار، ہمیں کچھ سمجھیں تو بتائیں نا۔"

عقیل نے شکیل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"ہم ہی پاگل ہیں بس۔"

"نہیں...... نہیں تو قسم سے ایسے ہی ادھر تو...... نہیں بھاگی چلی آتی۔ تم سب کو اپنا سمجھتی ہوں اس لیے نا۔"

"صرف زبانی زبانی۔" شکیل نے بدستور روٹھنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"وہ......وہ اصل میں بات تو کوئی نہیں ہے بس ایسے ہی وہ مہک آپا ہیں نا وہ پھر عمار بھائی سے ناراض ہو کر چلی آئی ہیں۔"

"تو......؟ شکیل نے بھنویں اچکائیں۔

"دو چار روز میں غصہ اتر جائے گا تو چلی جائیں گی۔"

"نہیں۔ وہ کہتی ہیں اب ہرگز نہیں جائیں گی اور میں نے وعدہ بھی کر لیا ہے کہ ان کو اماں زبردستی نہیں بھیجیں گی، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں عمار بھائی انہیں......"

اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اسی وقت راحیل گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا اور برآمدے میں کھڑی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے روتی ہوئی رشک کو دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"کیا ہوا رشک؟ گھر میں سب خیریت تو ہے نا۔"

اس نے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹا کر راحیل کو دیکھا۔

"ہاں!"

"پھر یہ رونا کس سلسلے میں جارہا ہے؟"

"یوں ہی" اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے۔

"پتا نہیں کیوں وہ اتنی کمزور ہو جاتی تھی۔ ذرا سی ہمدردی پا کر بکھرنے لگتی تھی۔

"مہک آپا عمار بھائی سے لڑ کر واپس آگئی ہیں۔ شکیل نے بتایا۔

"اوہ" راحیل نے ایک گہرا سانس لیا اور چارپائی پر بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا۔

"کوئی نئی بات تو نہیں ہے نارشک! ویسے ہی گھبرا جاتی ہو"

"ہاں نئی بات تو نہیں تھی۔"

اس نے سوچا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"آج دیر نہیں کر دی تم نے؟"

"ہاں آفس سے تو جلدی اٹھ آیا تھا پھر تمہارے کام کے سلسلے میں چلا گیا تھا۔"

"کیا ہوا۔" وہ اس کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"رشک!" ممانی جان نے پھر آواز دی۔

"امی، بھائی جان بھی آگئے ہیں شکیل نے بتایا۔

"دونوں کے لیے کھانا یہاں ہی لے آئیں۔"

اور کھانا کھاتے ہوئے اس نے راحیل کو پوری تفصیل بتا دی۔

"اب تم ہی بتاؤ راحیل، عمار بھائی بے چارے تیرہ ہزار کا سیٹ کہاں سے خرید کر دیں۔ جبکہ ان کے کندھوں پر اتنی ذمے داریاں ہیں۔ آپ کو تو چاہیے کہ ان کے مسائل شیئر کریں۔ ان کے لیے زندگی کو آسان بنائیں مشکل نہیں۔"

"وہ تمہاری طرح نہیں سوچتی رشک تم......"

راحیل نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے بہت غور سے دیکھا۔

دلکش براؤن آنکھیں۔

براؤن بال، جو بے ترتیبی سے کٹے ہوئے تھے۔

دمکتا ہوا گلابی رنگ۔

چھوٹے چھوٹے ہموار دانت۔

اور بے حد خوبصورت ہونٹ۔

وہ کسی طرح بھی مہک سے کم خوب صورت نہ تھی۔

"تم بہت اچھی ہو اور وہ شخص بہت خوش نصیب ہوگا جس کی تم رفیق بنو گی۔"

"مگر مجھے تو شادی ہی نہیں کرنا۔"

اس نے گلاس راحیل کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں جانتے کیا میرے کندھوں پر کتنی ذمے داریاں ہیں۔"

ذمے داریاں ہمیشہ تو نہیں ہوں گی۔

"ذمے داریاں نبھاتے نبھاتے بوڑھی ہو جاؤں گی۔"

"کیا خبر کوئی تمہارا انتظار کرے۔"

"کون؟"

اس نے گلاس میز پر رکھا۔

"مثلاً میں"

"تم"

"ہاں میں۔"

"دیکھا جائے گا۔"

اس نے کندھے اچکائے۔

"اب مجھے بتاؤ میری ٹیوشن کا کیا کیا؟"

"میرا ایک بہت اچھا دوست ہے اس نے ٹیوشن سینٹر کھول رکھا ہے۔ شام کے لیے اسے سائنس ٹیچر چاہیے۔ دو ہزار تنخواہ دے گا تین سے پانچ بجے تک پڑھانا ہوگا۔ نویں، دسویں کے لڑکے لڑکیوں کو سائنس کے مضامین پڑھانے ہوں گے اور پھر وہ سینٹر تمہارے گھر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں پڑھا دوں گی۔ تم مجھے کل شام لے چلنا۔"

"تم تین بجے تک یونیورسٹی سے آ تو جاتی ہو نا۔"

"تقریباً کبھی کبھی دیر ہو جاتی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں آفس سے سیدھا تمہارے گھر آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو نا، ابھی تو میں آیا ہوں۔"

"مگر مجھے ٹیوشن پڑھانے جانا ہے بٹ صاحب کے بچوں کو۔ ساڑھے چار تو بج گئے ہیں اور پانچ سے چھ بجے تک ادھر پڑھاتی ہوں۔"

"اچھا چلو، میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔"

راحیل بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ ممانی سے اجازت لے کر اور شکیل اور عقیل کو خدا حافظ کہہ کر راحیل کے ساتھ باہر چلی آئی۔

"راحیل......!"

بائیک پر اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔

"اگر میں تھک گئی تو...... تو کیا ہوگا۔ راحیل حسام کیسے انجینئر بنے گا ثنا اور ندا......"

"تم نہیں تھکو گی کوشی، میں جو تمہارے ہوں۔"

"مگر پتا نہیں کیوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں بالکل اکیلی رہ جاؤں گی۔ بالکل تنہا...... اور...... اور پھر تھک جاؤں گی اور میرا عہد جو میں نے ابو سے کیا تھا...... راحیل میں تھکنے لگوں تو تم حوصلہ دینا۔ ہمت ہار کر بیٹھ جاؤں تو ہاتھ پکڑ کر اٹھا لینا۔"

"کیا ہو گیا ہے آج تمہیں کوشی؟"

"راحیل نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

"تم ایسی کم ہمتی کی باتیں تو نہیں کرتیں تھیں۔"

"ہاں جب تمہارے گھر آتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میں نے ڈھیروں گلوکوز پی لیا ہو۔ بہت سی انرجی پیدا ہو گی ہو مجھ میں، لیکن جب میں اکیلی ہوتی ہوں نا تو پتا نہیں کیا چیز مجھے اندر سے کمزور کرنے لگتی ہے۔ میرے لاشعور میں کوئی خوف سا چھپ کر بیٹھ گیا ہے اور مجھے خود پتا نہیں یہ خوف کیسا ہے۔ شاید میری چھٹی حس ہے جو مجھ سے کہتی رہتی ہے کہ کچھ ہوگا۔

آپ ضرور کچھ کریں گی اور زندگی کو مشکل کر دیں گی اپنے لیے بھی اور ہم سب کے لیے بھی۔ اور میں آپا کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گی بس دیکھتی رہ جاؤں گی۔"

"تم زیادہ سوچا نہ کرو کوشی! لوگ تم سے زیادہ مشکل زندگی گزارتے ہیں تمہارا اپنا گھر ہے پھپھو جان ہیں اور پھر سب ٹھیک ہی چل رہا ہے ورنہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل اکیلے رہ جاتے ہیں پھر بھی حوصلہ نہیں ہارتے۔"

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے راحیل! مجھے تو دوسروں کا غم کھائے جاتا ہے میں آپا کے لیے سوچتی ہوں عمار بھائی کے لیے فکر مند رہتی ہوں۔ حسام کا سوچتی ہوں۔ ندا اور ثنا کے لیے......"

"مت سوچا کرو کچھ اپنی کچھ سوچیں مجھے دے دو ورشک۔"

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، تم نہ ہوتے تو میں تو بہت جلد تھک جاتی۔"

"میں کیا کرتا ہوں۔ میں نے کون سا تمہارا بوجھ بانٹا ہے۔"

"نہیں تم سب میرے لیے بہت بڑا سہارا ہو، آسرا ہو۔"

"اچھا اب اچھی اچھی باتیں کرو پیاری پیاری سی۔"

"لیکن یہ تم جا کہاں رہے ہو؟"

"پولکا پارلر جائیں گے اور وہاں تمہیں تمہاری پسندیدہ آئس کریم کھلاؤں گا۔ چاکلیٹ فلیور؟"

"اور تم کھانا وہی اپنی، سویٹ ڈریمز......!'

"اوہ نو۔" وہ ہنس دیا۔

"پچھلی بار کا تجربہ یاد ہے میں بھی چاکلیٹ کھاؤں گا۔"

"مگر راحیل......!" وہ پریشان ہو گئی۔

"مجھے تو ٹیوشن پڑھانے جانا تھا۔"

"رہ جاتی ہو نا۔ آج نہیں جاؤ گی تو کیا قیامت آ جائے گی۔"

"مگر وہ مسز بٹ۔"

"یار انہیں فون کر دو کسی پی سی او سے کہ مجبوری آن پڑی ہے۔"

"کیا مجبوری؟"

"یہی آئس کریم کھانے کی۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

"اچھا۔" وہ ہنس دی۔

"یہ تو بہت سخت مجبوری ہے۔"

اور پھر راحیل کے ساتھ وہ گھر آئی تو بہت خوش تھی۔ اور بہت حد تک اس کے ذہن کا بوجھ اتر گیا تھا۔

ثنا، ندا اور حسام اسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئے۔

"کالج سے آکر نہ دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے صدیاں ہو گئیں ہوں آپ سے ملے ہوئے۔"

ثنا نے اس کے ہاتھوں پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"مکھن کم لگایا کرو ثنی۔"

اس نے پیار سے اس کے سرخ سرخ گالوں کو تھپکا۔

"ہاں ویسے بھی مکھن مہنگا ہے" ندا نے لقمہ دیا۔

"اور حسام صاحب آپ کا کیا حال ہے؟"

اس نے حسام کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"مجھے یہ ٹیسٹ دکھانا تھا آپ کو۔"

اس نے جیب سے ٹیسٹ نکالا۔

"بیس میں سے بیس نمبر لیے ہیں"

"ویری گڈ، میرا بھائی بہت لائق ہے۔"

"نقل کی ہو گی۔"

"آپی دیکھیں ندا کو۔" حسام نے شکایت کی۔

"جھوٹ بولتی ہے، میں نقل نہیں کرتا۔"

"بالکل، یہ خود نقل کرتی ہو گی نا اس لیے۔"

ثنا نے اس کی سائیڈ لی تو حسام خوش ہو گیا اور ٹی وی لاؤنج کی طرف بھاگ گیا۔

"آپا جھگڑا کر کے آئی ہیں کیا؟"

ثنا نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

اس نے ثنا کی طرف دیکھا۔

"عمار بھائی آئے تھے ابھی تھوڑی دیر پہلے، مگر آپا نہیں گئیں ان کے ساتھ وہ بہت غصے میں گئے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ پریشان ہو گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے کتنے خوشگوار موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"آپا کہاں ہیں؟"

"آپ کے کمرے میں ہی ہیں۔ رسالہ پڑھ رہی ہیں۔"

"اور اماں؟"

"اماں کچن میں ہیں رات کے لیے مٹر چاول بنانے گئی ہیں۔"

"اچھا۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ میرا بیگ رکھ آؤ میرے کمرے میں، میں ذرا اماں کا ہاتھ بٹا دوں۔"

"اماں بیٹھیں آپ، میں چاول پکا لوں گی۔"

اس نے کندھے سے پکڑ کر انہیں کاؤنٹر کے پاس سے ہٹایا تو اس نے دیکھا ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے روتی رہی ہوں۔

"اماں آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا میں آپا کو سمجھا دوں گی۔ ابھی غصہ ہے، ایک دو روز میں اتر جائے گا" "تو نہیں جانتی رشک اسے یہ غصہ اترنے والا نہیں۔ عمار آیا تھا۔ یہ ذرا سامنے ہو گیا تھا اس کا۔ ایک دم سے ہی بے عزتی کر دی اس کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ نیلم کا سیٹ لے لو تو پھر آجانا لینے ورنہ قدم نہ دھرنا۔"

"ہوں۔" اس نے ان کی بات پر تبصرہ کیے بغیر چاول ان کے ہاتھ سے لیے اور بھگونے لگی۔

"آپا!"

رات کو جب فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تو اس نے بہت نرمی سے سمجھایا۔

"آپا! عمار بھائی بہت اچھے ہیں اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہیں بھی چاہیے کہ ان سے محبت کرو۔ ان کے پرابلمز کو سمجھو۔"

"کیا وہ تمہیں ملا تھا؟"

مہک نے بھنویں اچکا کر اُسے دیکھا۔

"نہیں، اماں نے بتایا ہے کہ وہ آئے تھے اور تم......"

"ہاں، میں نہیں گئی اور تم اس کی وکالت مت کرو۔"

"ان کے پاس گنجائش ہوتی تو نیلم کا سیٹ تم سے زیادہ قیمتی نہیں تھا ان کے لیے۔"

"تجھے نہیں پتا، اس کے پاس بہت گنجائش ہے۔ گھُنّا ہے وہ۔ ابھی پچھلے دنوں اس کے بھائی کا خط آیا تھا نا کراچی سے......"

رشک نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ارے وہی بھائی جسے تایا نے گود لے لیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ تایا بہت بیمار ہیں۔ کینسر ہو گیا ہے شاید، تو پورے دس ہزار روپے بھجوائے اسے اور میرے لیے نہیں ہیں۔"

"بیماری پر تایا کی مدد کرنا تو احسن کام ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارا خاوند اتنا ہمدرد ہے، اتنے بڑے دل والا ہے ورنہ آج کل تو کوئی کسی سے ہمدردی نہیں کرتا۔"

"ہوں، ایسی ہمدردی کس کام کی، گھر کو تکلیف دے کر دوسروں کو سکھ پہنچانا اور دوسرے بھی وہ جو پچھلے چار سالوں سے ناراض تھے"

"تمہیں کیا تکلیف ہے آپا؟"

رشک نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"سب تم سے محبت کرتے ہیں اچھا کھاتی ہو اچھا پہنتی ہو،"

"محبت کو میں چاٹوں گی کیا؟ پتا نہیں کیا کیا سوچا تھا۔ شادی کے بعد یہ کروں گی وہ کروں گی۔ ساری حسرتیں دل میں رہ گئیں۔"

"آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا آپا! ہمیشہ یوں نہیں رہے گا۔ صالحہ، کلثوم کی شادیاں ہو جائیں گی اور وہ ترقی کرے گا۔ اس کا مستقبل بہت روشن ہے آپا! پھر سب کچھ تمہارا

ہی ہو گا نا۔"

"روشن مستقبل کی آس میں حال کی پروانہ کروں۔ واہ اچھا سبق دے رہی ہو۔ نہ بابا آج اگر میں نے عمار کے ساتھ یہ رویہ نہ رکھا تو وہ کل سب کچھ ماں، بہنوں کو ہی دے دے گا۔"

"ماں بہنوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔"

"صاف صاف کہو رشک کیا کہنا چاہتی ہو۔ یہ لیکچر مت دو مجھے۔"

مہک نے بیزاری سے کہا۔

"آپا گھر اتنی آسانی سے نہیں بنا کرتے، انہیں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر......"

"تم چاہتی ہو نا کہ میں واپس چلی جاؤں۔"

مہک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مگر کوشی بیگم! میں تمہارے اوپر بوجھ تو نہیں ہوں۔ تم کیا کر رہی ہو۔ ابھی تو خود پڑھ رہی ہو اور ابھی تو یہ گھر ابا کے پیسوں سے ہی چل رہا ہے۔ ہاں جب خود کماؤ گی تو پھر تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔"

آپا! رشک نے تڑپ کر اسے دیکھا اور ہونٹ کاٹنے لگی۔

کاش میں اس گھر کے لیے کچھ کر سکتی اور تمہارے لیے بھی۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا آپا، میں تو......"

"مجھے پتا ہے تم کیا چاہتی ہو لیکن مجھے عمار کے ساتھ ہرگز نہیں جانا۔"

اس نے قطعی انداز میں کہا اور چادر لپیٹ کر منہ موڑ لیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان تھا۔

اور آپ کیسے مطمئن ہیں عمار بھائی کو خفا کر کے، انہیں دکھ پہنچا کر بھی اور وہ کتنی بے چین اور مضطرب ہے۔

رات بھر اسے ٹھیک طرح سے نیند نہ آسکی۔

صبح نماز پڑھ کر وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں آئی تو آصفہ بیگم وہاں پہلے سے موجود تھیں۔

"تم سوئیں نہیں رات؟"

انھوں نے اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔

"نیند نہیں آئی۔" اس نے چائے کے لیے پانی چولھے پر رکھا۔

"آپ چائے پئیں گی؟"

"میں چائے بنانے ہی آئی تھی۔"

"آپ بھی نہیں سوئیں۔"

"مجھے بھی نیند نہیں آئی، بس مہک ہی کا سوچتی رہی کہ کیا بنے گا اس کا۔"

"اماں آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیسے فکر نہ کروں۔ یہ لڑکی پتا نہیں کیا کرے گی۔ کیا بنے گا اس کا۔"

"اماں!" رشک نے کچھ سوچتے ہوئے آصفہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"اگر ہم...... میرا مطلب ہے اماں، اگر آپ آپا کو سیٹ لے دیں۔"

"میں کہاں سے لے دوں، میرے پاس تو وہی دس ہزار کے سیونگ سرٹیفکیٹ ہیں حسام کے، تیرے ابا کو ملنے والا سارا پیسہ تو اس کی شادی میں خرچ ہو گیا۔ تیس پینتیس ہزار بچا تھا۔ وہ میں نے دلدار بھائی کو دے دیا۔ انھوں نے کاروبار میں لگا لیا ہے۔ اور ہزار روپے خرچ دیتے ہیں ہر مہینے۔ یہ بھی ان کی بڑائی ہے ورنہ......یا پھر تیرے ابا کی پینشن اور تیرے ٹیوشن کے پیسے۔ مشکل ہی سے کھینچ تان کر مہینہ پورا ہوتا ہے۔"

"ہوں۔"

رشک نے گہری سانس لیتے ہوئے چائے کی پیالی ان کے سامنے رکھی۔

"اور تو اس طرح کی عادت نہ ڈال اسے۔ پچھلے مہینے تو نے اسے آرگنزا کا سوٹ لے دیا۔ بچوں کے کپڑے لینے تھے نہ لے سکے۔ اس طرح تو وہ ہر مہینے کوئی نہ کوئی فرمائش لے کر آ جائے گی۔ بس تو اسے سمجھا کہ عمار کے ساتھ چلی جائے۔"

"سمجھایا تھا اماں مگر......"

اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

کئی دن گزر گئے۔ مہک اپنی بات پر اڑی رہی۔ سب نے اسے سمجھایا تھا لیکن اس کی ایک ہی ضد تھی کہ یہ اس کا اور عمار کا معاملہ ہے۔ دوسرے لوگ دخل اندازی نہ کریں۔ اس روز

وہ یونیورسٹی سے نکلی تو راحیل بائیک لیے اس کا منتظر تھا۔

"تم یہاں، خیریت؟"

"ہاں سوچا آج تمھیں پک کر لوں۔"

"آفس نہیں گئے تھے؟"

"گیا تھا مگر جلدی اٹھ آیا۔ چلو گھر چلیں، اکٹھے کھانا کھائیں گے اور باتیں کریں گے اور پھر شام کو میں تمھیں تمھارے ٹیوشن سینٹر پر چھوڑ دوں گا۔"

"مگر اماں کو فکر ہو گی۔"

"میں نے انھیں بتا دیا تھا۔"

"اچھا تو پھر چلو۔"

"تم پریشان ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"میرے ساتھ بھی جھوٹ۔"

"نہیں بھلا میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گی۔ کوئی نئی بات نہیں ہے مہک کے لیے پریشان ہونا۔"

"ہاں کچھ۔"

پتا ہے، کل عمار آیا تھا ابو کے پاس۔"

اس نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بتایا۔

"بہت پریشان لگ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا اگر اس کے پاس رقم ہوتی تو وہ مہک کی ضد پوری کر دیتا لیکن اس کے تایا کو بلڈ کینسر ہو گیا ہے۔ بہت مہنگا علاج ہے اور عمار نے بھی اپنی جمع شدہ ساری رقم ان کے حوالے کر دی ہے۔ کہہ رہا تھا تایا نے برے وقت میں ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ اس کے بھائی کو گود لے لیا تھا۔ اور اسے اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اپنا کوئی بیٹا نہیں ان کا۔"

وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

"تم مہک کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو کہ بیکار کی ضد نہ کرے"

گھر کے پاس پہنچ کر راحیل نے کہا۔

"سمجھایا تھا مگر......" وہ اداسی سے بولی۔

"ابو شاید آج جائیں ادھر۔"

راحیل نے کال بیل بجائی۔

"وہ ماموں کی بات نہیں مانیں گی۔"

رشک مہک کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

ہمیشہ کی طرح ممانی، شکیل، عقیل سب ہی اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔

اور یہاں اس گھر میں اس کے لیے کتنی محبت اور سکون ہے۔

ممانی کچن میں تھیں، وہ بھی ان کے پاس کچن ہی میں چلی گئی۔ اور جب راحیل اسے واپس چھوڑنے جارہا تھا تو اس نے آہستگی سے راحیل سے پوچھا۔

"تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟"

"کتنے؟"

"سات ہزار۔"

"کیا کرنے ہیں۔"

"تمہیں اس سے کیا۔ اگر ہیں اور ادھار دے سکتے ہو تو بتادو۔ نہیں تو یہ مت پوچھو۔"

"مجھے پتا ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہیں کس چیز کے لیے ضرورت ہے مگر کوشی یہ صحیح نہیں ہے۔ اسے معلوم ہونے دو کہ غلط ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔

"کوشی!" راحیل نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"میں سمجھتی تھی کہ تم میرے اچھے دوست ہو اور تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ جب ضرورت پڑے تو بلا لینا مگر...... سوری میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔"

تم اب غلط سمجھ رہی ہو کوشی میں......"

"پلیز جب تم رقم نہیں دے سکتے تو بحث مت کرو۔"

سارا راستہ دونوں خاموش رہے۔ ٹیوشن سینٹر کے پاس راحیل نے اسے اتار دیا۔

"رشک تمہاری سوچ غلط ہے اس طرح کب تک تم اس کی غلطیوں کو نبھاتی رہو گی۔"

"یہ میرا پرابلم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے تم سے تو میں نے ادھار مانگا تھا۔ لوٹا دیتی۔"

"یہ بات نہیں ہے کہ میں......"

مگر وہ اس کی بات سنے بغیر گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

شام کو جب وہ گھر واپس آئی تو بے حد تھکی ہوئی اور افسردہ تھی۔

مہک برآمدے میں تخت پر لیٹی اونچی آواز میں گانے سن رہی تھی سب کو بے سکون اور پریشان کر کے وہ خود کتنی مطمئن اور خوش تھی جیسے کچھ نہ ہوا ہو۔ اور کچھ لوگ ہمیشہ کتنے مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں مہک آپا کی طرح۔

وہ تھکے تھکے سے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں آگئی اور یونہی جوتوں سمیت بیڈ پر گر گئی۔ اور راحیل سے اسے اتنی امیدیں تھیں۔

وہ اسے اپنا دوست سمجھتی تھی۔

اور پتا نہیں کیوں اسے یقین تھا کہ زندگی میں جب کوئی مشکل لمحہ آیا تو راحیل کے سہارے وہ اس مشکل سے گزر جائے گی۔

عجیب سا یقین عجیب سا بھروسا تھا اسے راحیل پر۔ مگر راحیل تو اتنی چھوٹی سی آزمائش پر پورا نہیں اتر سکا تھا۔ کیا تھا...... کیا تھا اگر وہ بنا پوچھے۔ بغیر کوئی بات کیے خاموشی سے اسے سات ہزار روپے دے دیتا۔ اس کا مان بڑھ جاتا۔ دوست تو وہ ہوتا ہے نا جو بغیر ملامت کیے' بغیر نصیحت کا ایک لفظ کہے ہاتھ تھام لیتا ہے۔

اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

دل چاہا بہت سارا رو لے۔

یہ دنیا ایسی ہی جگہ ہے یہاں کوئی کسی کا اپنا نہیں۔ سب اپنے لیے جیتے ہیں اپنے لیے مرتے ہیں اور ہم یونہی دوسروں پر بھروسہ کر لیتے ہیں اور سوچتے ہیں جب ہم گرنے لگیں گے تو کوئی ہاتھ ہمیں تھام لے گا۔

اور راحیل۔

پتا نہیں کب، پتا نہیں کیسے وہ کتنی آہستگی سے اس کے دل میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ اپنا لگنے لگا تھا۔ ذرا سی کوئی پریشانی ہوتی تو وہ اس کی طرف بھاگ چلی جاتی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی۔

بھروسہ ٹوٹ جائے تو کیا ہوتا ہے۔

شیشے ٹوٹتے ہیں تو کرچیاں کس طرح ہاتھوں میں چبھتی ہیں۔ اس اذیت کو وہ محسوس کر رہی تھی اور برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپی!" ثنا نے آہستگی سے اندر آکر اسے پکارا۔

"آپ سو رہی ہیں؟"

"نہیں تو" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے چندا۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

"آپی! وہ راحیل بھائی آئے تھے اور یہ دے گئے تھے۔"

"کیا ہے؟" اس نے بے دھیانی سے لفافہ ثنا کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"پتا نہیں۔" ثنا نے کہا۔

"راحیل بھائی نے کہا تھا آپ کو دے دوں۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اچھا!"

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔ یونہی ذرا تھک گئی تھی ایک کپ چائے تو پلا دو۔"

"اچھا۔" وہ باہر چلی گئی تو اس نے لفافہ کھولا۔ سات ہزار روپے تھے اور ایک ننھے سے کاغذ پر لکھا تھا۔

"دوستوں سے بدگمان نہیں ہوتے کوشی اور تمہارے لیے تو ایک نقد جاں ہے، سو وہ بھی حاضر ہے۔"

وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"تم کتنے اچھے ہو راحیل اور میں کتنی خوش ہوں کہ تم نے میرا مان نہیں توڑا۔ میرا بھروسہ قائم رہا۔" لفافہ بیگ میں رکھ کر وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔

صبح وہ یونیورسٹی نہیں گئی بلکہ صرافہ بازار سے نیلم کا چھوٹا سا سیٹ خرید کر عمار کے آفس چلی گئی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم...... رشک...... تم یہاں۔"

"ہاں عمار بھائی! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

"یہاں آفس میں۔"

"اگر تھوڑا سا وقت ہو تو پلیز۔"

"اچھا!" وہ حیران حیران سا اسے اپنے ساتھ لیے ہوئے ایک طرف بیٹھ گیا۔

"میں جانتی ہوں عمار بھائی کہ مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ مگر میں مہک آپا کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔"

"مگر میں کیا کر سکتا ہوں رشک۔" عمار نے افسردگی سے کہا۔

"تمہاری آپا کسی طرح بھی میرے مسائل کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ میں تو چند ہی ماہ میں تنگ آگیا ہوں رشک۔ سوچتا ہوں زندگی کا اتنا طویل سفر کیسے اس کی ہمراہی میں طے کروں گا۔ میں تو ہانپنے لگا ہوں۔"

رشک نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں ملال کے گہرے رنگ تھے اور چہرے پر تھکن۔ رشک کا دل ایک دم ہی اس کے لیے دکھی ہو گیا۔

"اب یہ کوئی بات تھی۔"

ایک نظر رشک کے چہرے پر ڈال کر عمار نے بات جاری رکھی۔

"خواہ مخواہ کی ضد۔ اب آپ ہی بتائیں رشک! میں کہاں سے کیسے اس کی یہ خواہش پوری کروں؟"

"میں جانتی ہوں عمار بھائی آپ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ مگر آپا کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔ وہ بچپن سے ہی ایسی ہیں۔ تھوڑی سی ضدی۔ دراصل وہ ابو اور امی کی شادی کے چھ سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔ اس لیے اماں اور ابا نے ان کے...... بہت لاڈ اٹھائے۔ ان کی ہر خواہش پوری کی ہے۔"

"مگر اب اسے ایڈجسٹ کرنا چاہیے۔ آج اگر میں کسی سے ادھار لے کر اس کی یہ ضد

پوری بھی کر دوں تو آئندہ کیسے پوری کروں گا۔"

"وہ آہستہ آہستہ سمجھ جائیں گی۔ عمار بھائی آپ کی محبت اور توجہ انہیں بدل دے گی۔"

اس نے نرمی سے کہا۔

"میں تو اب بھی اسے ساتھ لانے کے لیے تیار ہوں۔ تم کہتی ہو تو ابھی چلتا ہوں، مگر وہ نہیں آئے گی، مجھے علم ہے۔ میں نے اسے بارہا محبت سے، پیار سے سمجھایا ہے کہ مہک! وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہے گا۔ یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا۔ پھر میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔ مگر وہ کوئی بات سنتی ہی نہیں اور دلائل سے تو بچے بھی قائل ہو جاتے ہیں مگر وہ قائل نہیں ہوتی، سنتی ہی نہیں۔"

"عمار بھائی! یہ نیلم کا سیٹ ہے۔"

اس نے بیگ سے ڈبہ نکال کر میز پر رکھا۔ "یہ آپ آپا کو دے دیں اور انہیں منا کر گھر لے آئیں۔"

"نہیں......"

عمار کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا اور نہ مجھے ایسی کوئی بات پسند ہے"

"پلیز عمار بھائی!"

رشک کی پلکیں لرزنے لگیں اور آواز بھرا گئی۔

"آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں آپ سے اور آپا سے محبت کرتی ہوں۔ میں انہیں آباد اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں آپ میرے خلوص کو سمجھیں۔ میرا مقصد آپ کی توہین کرنا نہیں ہے ۔ پلیز عمار بھائی!" آنسو اس کی پلکوں تک آ گئے۔ عمار بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"رشک! میں تمہارے جذبے کو سمجھ رہا ہوں لیکن تم خود سوچو۔"

"عمار بھائی پلیز چھوٹی بہن سمجھ کر ہی سہی میری بات مان لیں۔"

"دیکھو رشک۔" عمار نے اسے سمجھایا۔

"تمہارے حالات سے میں بے خبر نہیں ہوں۔ اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ سیٹ خریدنے کے لیے تم نے پیسے کہاں سے لیے ہوں گے لیکن اتنا مجھے پتا ہے کہ یہ سیٹ آسانی

سے نہیں خریدا گیا ہو گا۔ پتا نہیں کیسے......"

"مگر وہ تو میرا مسئلہ ہے نا عمار بھائی۔"

رشک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں، وہ تمہارا مسئلہ ہے مگر ابھی تم نے خود کو میری بہن کہا ہے اور بہنوں کے مسائل سے بھائی بے خبر نہیں ہوتے۔ میں جانتا ہوں یہ مہک سے تمہاری محبت کی انتہا ہے۔ مگر مہک! آج اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ کل اس نے ڈائمنڈ کا سیٹ مانگ لیا تو وہ کہاں سے لا کر دوں گا۔ دیکھو رشک! یہ سیٹ واپس کر دو اور مہک کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ آج، کل کسی دن اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔"

"اور اسے اپنی غلطی کا احساس کبھی نہیں ہوتا عمار بھائی۔"

رشک نے دل گرفتگی سے سوچا۔

"اور نہ اب ہو گا۔"

"کہاں سے لیا تھا یہ سیٹ۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ واپس کر دیتے ہیں اور ...."

"نہیں عمار بھائی! اس بار میری بات مان لیں۔ پھر ایسا ہوا تو......"

عمار لمحہ بھر یونہی اسے دیکھتا رہا۔

"تم کیا چیز ہو رشک! اپنی بہن سے بالکل مختلف، نرم دل اور حساس، وہ تمہاری جیسی کیوں نہیں ہے۔"

"تو عمار بھائی۔!"

اس نے پر یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ شام کو آئیں گے نا آپا کو لینے ؟"

"ہاں!"

عمار نے سیٹ اٹھا لیا اور بے بسی سے اسے دیکھا۔

"میرا دل آمادہ نہیں ہو رہا رشک! لیکن تمہارے لیے تمہاری خاطر، مگر یہ ادھار ہو گا۔ زندگی میں جب سہولت ہوئی تمہارا ادھار اتار دوں گا۔"

"تھینک یو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو عمار بھائی آپ بہت اچھے ہیں۔"

"جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں، انہیں سب ہی اچھے لگتے ہیں۔"

عمار اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میں تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ آؤں۔"

اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رشک نے بڑا سکون اور طمانیت محسوس کی اور اسے یوں لگا جیسے ابا کی روح اس کے آس پاس ہی کہیں موجود ہو اور مسکرا رہی ہو۔

"میں پوری کوشش کروں گی ابو کہ آپا کی ہر خواہش پوری ہو اور ثنا، ندا اور حسام کو کوئی تکلیف نہ ہو، کوئی رنج نہ ہو۔"

اس نے دل ہی دل میں اپنا عہد دہرایا اور عمار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆☆☆

کامو کے ناول "اجنبی" کی کہانی کی ابتدا اس جملے سے ہوتی ہے۔ "میری ماں شاید آج مر گئی ہے" اور "اجنبی" کا ہیرو بہ ظاہر بے حس لیکن حقیقت پسند ہے۔ زندگی کا بڑے سے بڑا دکھ بھی اسے پریشان نہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔ حتیٰ کہ قتل کی سزا پانے کے بعد بھی۔

مدثر حسن نے کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر جیسے اپنے آپ سے کہا اور پھر دونوں بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹتے ہوئے باری باری کاشف، وحید اور ذیشان کی طرف دیکھا۔

"لیکن یہ حقیقت پسندی تو نہیں یہ تو سفاکی ہے۔"

کاشف نے تبصرہ کیا۔

"کیا اجنبی کا ہیرو اپنی ماں کی موت پر بھی دکھی نہیں ہوتا؟"

"نہیں۔"

"یار! یہ بات ذہن تسلیم نہیں کرتا۔ یہ لکھنے والے اتنا جھوٹ کیوں بولتے ہیں۔ دنیا میں بھلا کوئی اتنا بے حس بھی ہو گا۔" ذیشان نے پوچھا۔

"نہیں لکھنے والے جھوٹ نہیں بولتے۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔"

مدثر نے ذیشان کی طرف دیکھا اور زمین پر پڑی اپنی فائل اٹھائی۔ وحید جو اس ساری گفتگو کے دوران خاموش بیٹھا مدثر کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے مدثر کے ہاتھ سے فائل تھام لی۔

"یار! اب سیدھے سیدھے بتا دو، بات کیا ہے۔ کون تمہیں "اجنبی" کا ہیرو لگ رہا ہے۔"

"کوئی نہیں۔" مدثر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو اٹھو سب۔ عارف صاحب کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

"مدثر!" وحید نے اسے گھورا۔

"کیا میں تمہیں نہیں جانتا، تمہاری عادت کو؟"

"کچھ نہیں یار، یونہی "اجنبی" پڑھی تو خیال آ گیا۔"

اور تب ہی وحید کی نظر لائبریری سے باہر آتے ہوئے کامل پر پڑی اور اسے یوں لگا جیسے ابھی ابھی کامل اس کے پاس آئے گا اور کہے گا۔

"یار! آج شاید میری ماں مر گئی ہے۔"

اور پھر سر جھکائے عارف صاحب کی کلاس لینے چل دے گا اور عارف صاحب کا لیکچر اتنے انہماک سے سنے گا کہ اس کے چہرے سے کسی کو معلوم نہیں ہو گا کہ ابھی ابھی وہ کیا خبر سنا کر گیا ہے۔

اور مدثر کی بات کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوتا ہے چاہے بہ ظاہر اس کی بات کتنی ہی بے موقع اور بے معنی کیوں نہ لگتی ہو۔

"اور یہ اپنا کامل رضا بٹ، کیا اجنبی کے ہیرو کی طرح نہیں لگتا؟"

وحید نے کھڑے ہوتے ہوئے مدثر کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"شاید۔"

مدثر نے کندھے اچکائے اور فائل لے کر آگے آگے چل پڑا۔ وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ راستے میں فزکس لیب کے پاس اس نے کامل کو پروفیسر امتیاز کے ساتھ باتیں

کرتے دیکھا تو وہیں رک گیا۔

"کامی یار! وہ تمہاری امی تو ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں!" پروفیسر امتیاز کو خدا حافظ کہتے ہوئے کامل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"امی تو بالکل ٹھیک ہیں۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ...... سوری! بھئی پتا نہیں، میں کیا پوچھنے والا تھا۔"

وحید پر گھبراہٹ کا دورہ پڑ گیا۔

"بابا کا پوچھنا ہوگا۔"

کامل نے نرمی سے کہا۔

"بابا ویسے ہی ہیں۔ بیمار اور کمزور۔"

"ہاں بابا کا ہی پوچھ رہا تھا۔"

وحید نے جلدی سے کہا۔ حالانکہ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ کامل کے بابا بیمار ہیں۔

"ہاں" بابا کا مرض ٹھیک ہونے والا نہیں ہے۔"

کامل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"HE IS ON DEATH POINT."

کامل بات مکمل کر کے مڑا اور فزکس لیب میں چلا گیا۔ مدثر جو اسے کامل کے پاس رکتے دیکھ چکا تھا مڑا اور اسے تقریباً بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ساتھ لے گیا۔

"تم بھی احمق اعظم ہو۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ کامل کی امی......"

"تم ہی تو کہہ رہے تھے۔"

وحید ذرا سا نادم ہوا۔

"میں کامو کے ناول کی بات کر رہا تھا۔"

"میں سمجھا تم......"

"تم ہمیشہ غلط سمجھتے ہو۔"

"لیکن اس کے بابا بیمار ہیں **"HE IS ON DEATH POINT"**

"مجھے پتا ہے۔"

مدثر نے آہستگی سے کہا۔

"تم جانتے ہو، لیکن تم نے کبھی ذکر تو نہیں کیا۔ انہیں کیا ہے؟"

"بلڈ کینسر!"

"اوہ!" وحید کو بے حد دکھ ہوا۔ کامل کو ابھی ان کے ڈپارٹمنٹ میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ وہ کراچی سے مائیگریشن کروا کے آیا تھا مگر وہ ان کے کافی قریب ہو گیا تھا اس میں کوئی بات تھی جو اٹریکٹ کرتی تھی...... بظاہر سنجیدہ اور کم گو سا تھا۔ مدثر کے ڈیڈی اس کے بابا کے دوست تھے۔ کراچی کے حالات کے پیشِ نظر مدثر کے ڈیڈی کے ہی اصرار پر وہ لوگ لاہور منتقل ہوئے تھے۔ اور کچھ عرصہ مدثر کے ہاں ہی مقیم رہے تھے۔ وحید کی پہلی ملاقات وہاں ہی ہوئی تھی اور پہلی ملاقات میں ہی اس نے کامل کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ بھی اس کی طرح کشمیری تھا سرخ و سپید رنگت، بڑی بڑی اداس اور خاموش آنکھیں۔

پھر آہستہ آہستہ وہ ان کے گروپ میں شامل ہو گیا۔ مدثر، وحید، ذیشان اور کاشف چاروں گہرے دوست تھے۔ ذیشان اور کاشف دونوں کزن تھے ور ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ مدثر اور وحید بچپن سے اکٹھے تھے انہوں نے ایک ہی کالج اور ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا۔ جبکہ ذیشان اور کاشف سے کالج میں دوستی ہوئی تھی۔ وہ دونوں انقلابی خیالات رکھتے تھے۔ دنیا کو اور معاشرتی نظام کو بدلنے کی باتیں کرتے تھے۔ سارے جہاں کا درد ان کے جگر میں تھا۔ ہر وقت ہر ایک کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ حقیقتاً اس ملک اور قوم کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اب کامل بھی ان کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا اور وہ سب غیر محسوس طریقے پر کامل کی باتوں کا اثر قبول کرنے لگے تھے۔

کامل فطرتاً کم گو تھا۔ کم بولتا تھا۔ مگر اس کی بات میں بڑا وزن ہوتا۔ مختصر مگر پر اثر بات۔ پروفیسرز بھی اسے پسند کرتے تھے۔

"کم آن یار! عارف صاحب کلاس میں آچکے ہیں۔"

مدثر نے اسے خاموش کھڑے دیکھ کر کہا تو وہ چونک کر دروازے کی طرف بڑھا۔ عارف صاحب نے لیکچر شروع کر دیا تھا اس لیے قدرے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"سوری سر!"

ان کا موڈ دیکھ کر وحید نے فوراً معذرت کی اور جلدی سے پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔

مگر عارف صاحب کے لیکچر کے دوران بھی اس کا دھیان کامل کی طرف ہی رہا جو آج کلاس میں بھی نہیں آیا تھا۔ کئی دنوں سے وہ خاصا مصروف نظر آتا تھا اور کم ہی لیکچر اٹینڈ کرتا تھا۔ عارف صاحب کی کلاس لے کر وہ باہر نکلے تو کامل انہیں باہر ہی مل گیا۔

"کیا بات ہے یار! آج کل کلاسز نہیں اٹینڈ کر رہے؟"

کاشف نے پوچھا۔

"دراصل ان دنوں میں کچھ مصروف رہا تھا۔ میں نے دراصل ایک تنظیم جوائن کر لی ہے۔"

"کیسی تنظیم؟" ذیشان نے اشتیاق سے پوچھا۔

"پروفیسر امتیاز نے یہ تنظیم بنائی ہے۔"

"کوئی دیس سدھار قسم کی تنظیم ہو گی۔"

کاشف نے رائے دی۔

"یار! یہ تنظیمیں یوں ہی ہوتی ہیں۔ حقیقت میں اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ خالی خولی باتوں اور نعروں کے سوا۔ دو چار جلوس نکلوائیں گی توڑ پھوڑ کریں گی ایک دو گرفتاریاں ہوں گی اور ایک دو بے گناہ طالب علم مارے جائیں اور......"

"نہیں!" کامل نے سنجیدگی سے کہا۔

"پروفیسر امتیاز نے یہ تنظیم اس طرح کے مقاصد کے لیے نہیں بنائی۔"

"پھر؟" کاشف نے بھنویں اچکائیں۔

"یار! یہ تنظیم کشمیریوں کے لیے ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کشمیریوں پر زندگی کس قدر تنگ ہو گئی ہے۔"

"تو تم لوگ کیا کرو گے کیا جہاد کرنے جاؤ گے؟"

کاشف نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں ایسا کوئی لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا گیا مگر کچھ نہ کچھ تو کریں گے ہی اور کچھ نہیں تو مل بیٹھ کر دعا ہی کر لیں گے۔"

"تم کہاں جا رہے ہو مدثر۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ مدثر کی طرف مڑا۔

"اگر گھر جا رہے ہو تو راستے میں مجھے پروفیسر امتیاز کے گھر ڈراپ کر دینا۔"

"ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں" کاشف نے کہا۔

"ضرور۔" اور پھر وہ سب مدثر کی سوزوکی میں بیٹھ کر پروفیسر امتیاز کے گھر پہنچ گئے۔

پروفیسر امتیاز نے بڑی خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا کامل۔"

"جی سر! مجھے کچھ دیر ہو گئی۔"

"راحیل کب سے تمہارا منتظر ہے۔ دراصل وہ کشمیریوں کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے ایک پروگرام ترتیب دے چکا ہے۔ اور اس کے لیے تمہاری رائے چاہتا ہے۔"

"ہاں کچھ تو کرنا چاہیے ہیں۔ کچھ تو کریں گے ہی یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے تو کچھ نہیں ہو گا۔"

کامل نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ اور مڑ کر ان تینوں کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ بیٹھو گے یا......"

"کچھ دیر بیٹھیں گے اور پھر مجھے کچھ کام ہے۔"

مدثر نے جواب دیا۔

"ہاں، ہاں چلے جانا۔"

پروفیسر امتیاز خواجہ نے سب کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"چائے بن رہی ہے پی کر جانا اور تم سب کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ یوں جیسے اکیلے چلنے والے مسافر کو بہت سارے ساتھی مل گئے ہوں کم آن۔"

اور وہ پانچوں ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ وہاں کچھ اور لوگ

بھی تھے۔ پروفیسر امتیاز نے سب سے ان کا تعارف ہونہار طالب علم کی حیثیت سے کروایا کامل، راحیل نام کے شخص کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"یہ راحیل ہے۔"

اس نے تعارف کرایا۔

"میرا دوست اور پڑوسی۔ پچھلے سال ہی ایم۔بی۔اے کیا ہے۔ اور ایک چھوٹی سے فرم کا مینیجر ہے۔"

"اور یہ چاروں میرے ہم جماعت اور ساتھی۔"

اس نے چاروں سے باری باری ہاتھ ملایا اور پھر وہ اور کامل ایک کونے میں بیٹھ کر ہولے ہولے باتیں کرنے لگے اور وہ چاروں پروفیسر امتیاز کے گرد بیٹھے ان کی باتیں سننے لگے۔ وہ دھیمے مگر پرسوز لہجے میں کشمیر میں ہونے والے مظالم کا ذکر کر رہے تھے۔ بہت دیر بعد جب وہ اٹھے تو کامل ابھی تک راحیل کے ساتھ مصروف تھا۔

"کامل، تم چلوگے ہمارے ساتھ؟ مدثر نے پوچھا۔

"نہیں' میں ذرا راحیل کے ساتھ جارہا ہوں۔"

"اچھا، پھر کل ملاقات ہوگی انشاءاللہ۔"

مدثر وغیرہ کے جانے کے بعد وہ دونوں بھی پروفیسر امتیاز سے اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں کامی؟"

راحیل نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔"

راحیل نے اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"باہر لے جانے کو نہیں کہتے؟"

"کہتے ہیں مگر اتنا پیسہ نہیں ہے میرے پاس۔ کراچی والا گھر بھی فروخت نہیں ہو رہا۔ بہت کم قیمت لگ رہی ہے۔ جتنا خرچ ہوا تھا اس سے آدھی رقم بھی نہیں ملتی۔ آج سے کئی سال پہلے بابا نے تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا۔ لیکن اب۔ میں تو کم قیمت میں بھی

فروخت کر دیتا لیکن بابا نہیں مانتے۔ انہوں نے بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ بہت خوبصورت اور آرٹسٹک ہے ہمارا گھر۔"

راحیل نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور پھر ہاسپٹل تک خاموشی ہی رہی اور جب وہ دونوں سر جھکائے ہاسپٹل میں داخل ہو رہے تھے تو کامل نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"میں بابا کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں راحیل! حالانکہ میں جانتا ہوں اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ موت بڑی تیزی کے ساتھ اپنے خونی پنجے پھیلائے بابا کی طرف بڑھ رہی ہے۔ آج کل یا پرسوں کسی بھی دن میں یہاں آؤں گا تو بابا نہیں ہوں گے۔ اس زہر کا کوئی تریاق نہیں ہے راحیل۔" اس کی آواز میں سوز تھا۔ لیکن چہرا بالکل سپاٹ اور بے تاثر تھا۔ آنکھیں جیسے دور کہیں دیکھ رہی تھیں۔ راحیل نے لحہ بھر اسے دیکھا اور پھر ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"خدا کی رحمت بے پایاں ہے کامی! مایوسی کفر ہے۔"

"میں مایوس نہیں ہوں راحیل! بس منتظر ہوں کہ کب......اور زندگی کے حقائق سے نظریں نہیں چرائی جاسکتیں۔ سامنے کی چیز سے آنکھیں کیسے بند کی جاسکتی ہیں۔"

اور لمبے سے کوریڈور میں چلتے ہوئے راحیل کی نگاہ اچانک رشک پر پڑی جو بیگ کندھے پر لٹکائے ارد گرد سے بالکل بے خبر سوچوں میں کھوئی ہولے ہولے سر جھکائے ادھر ہی آ رہی تھی۔

"کوشی!" راحیل نے بے اختیار آواز دی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر راحیل کو د ر اس کی آنکھوں میں جیسے جگنو سے اتر آئے اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آکر معدوم ئی۔

"ارے تم راحیل یہاں کیسے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو۔"

"میں صالحہ کی مزاج پرسی کے لیے آئی تھی۔ مہک آپا کی نند یہاں ایڈمٹ ہے۔ اسے ہارٹ کی تکلیف ہے۔ مگر آج ہی وہ ڈسچارج ہو گئی۔ میں یونیورسٹی سے آئی تھی، اب واپس جا رہی ہوں۔"

"مگر وہ تو بہت چھوٹی سی ہے۔ شاید فرسٹ ایر کی طالبہ ہے۔"

"ہاں، بچپن ہی سے اس کے دل میں سوراخ تھا۔ کبھی کبھی اسے تکلیف ہو جاتی ہے۔"

رشک نے تفصیل سے بتایا۔ ابھی تک اس کا دھیان کامل کی طرف نہیں گیا تھا۔ جو بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

راحیل کو اچانک خیال آیا۔

"یہ کامل ہے میرا دوست اور کامی یہ میری کزن ہے رشکِ ماہ۔"

"رشکِ ماہ" کامل نے زیرِ لب دہرایا۔ اس کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوندرہی تھیں

رشک نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور چونک پڑی۔

یہ تو وہی تھا وہی بس والا اجنبی جو جانا پہچانا لگتا تھا۔ جسے دیکھ کر اپنائیت کا سا احساس ہو

"یہ۔" رشک نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"تم جانتی ہو اسے۔ یہ تمہاری یونیورسٹی میں ہی پڑھتا ہے چند ماہ ہی ہوئے ہیں ا
کراچی سے آئے فزکس ڈپارٹمنٹ میں ہے۔"

"شاید کہیں دیکھا ہو۔ وہاں یونیورسٹی میں۔"

رشک نے کہا۔

"مگر یاد نہیں۔"

"مگر میں نے تو تمہیں بہت بار دیکھا ہے پیاری لڑکی۔"

کامل نے دل ہی دل میں سوچا اور مسکرایا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی رشکِ ماہ۔ آپ کو میں نے کئی بار دیکھا ہے۔"

"شکریہ!" رشک نے کہا۔

"دیکھا ہو گا تم نے۔" راحیل نے خوش دلی سے کہا۔

"مگر یہ جو کوشی ہے نا۔ اسے اردگرد کی کوئی خبر نہیں ہوتی بقول شکیل کے، یہ ہر وقت دوسری دنیا میں رہتی ہے۔ ابھی دیکھا نہیں، تھا تم نے۔ اگر میں اسے آواز نہ دیتا تو یہ پاس سے ہمیں دیکھے بنا گزر جاتی۔"

"بعض لوگوں کے اندر کی دنیا اتنی خوب صورت ہوتی ہے کہ وہ اس سے باہر نکلنا پسند

ہی نہیں کرتے۔"

کامل نے رشک کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میرے اندر کی دنیا تو خوبصورت نہیں ہے۔ وہ تو......"

رشک کے لبوں سے بے اختیار نکلا، مگر پھر جیسے اسے احساس ہو گیا کہ وہ ایک اجنبی کے سامنے کھڑی ہے۔ سو اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور راحیل کی طرف دیکھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو تم نے بتایا نہیں۔"

"میں کامل کے ساتھ آیا ہوں اس کے بابا یہاں ایڈمٹ ہیں۔ تم کہاں جاؤ گی اب۔"

"گھر ہی جاؤں گی۔"

"تو پھر اکٹھے چلتے ہیں۔ آؤ تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں۔"

راحیل نے اصرار کیا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ یوں بھی کتنے سارے دن ہو گئے تھے راحیل سے ملے ہوئے۔ اس سے باتیں کیے ہوئے اور وہ اتنے سارے دن راحیل سے نہیں ملتی تھی تو اداسی خود بخود اس کے اندر اتر آتی تھی۔ آج صبح بھی وہ سوچ رہی تھی کہ اگر جلدی فارغ ہو گئی تو راحیل سے ملنے جائے گی۔

"بابا! یہ راحیل کی کزن ہے۔"

کامل تعارف کروا رہا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ کامل کے بابا تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور وہ راحیل کے ساتھ ان کے بیڈ کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے جلدی سے سلام کیا۔

"جیتی رہو بیٹا، بیٹھو۔"

وہ ایک طرف پڑے بنچ پر بیٹھ گئی۔ کامل ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر کچھ دیر تک راحیل بابا کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ کبھی کبھی بابا اس سے بھی کوئی بات پوچھ لیتے تھے۔ وہ اسے بالکل اپنے ابا کی طرح لگے۔ مہربان اور شفیق سے اور جب وہ جانے کے لیے اٹھے تو انہوں نے بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ کامل ان کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ خاموشی سے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر رشک کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں بڑی مقناطیسیت تھی۔ رشک کی نگاہیں جھک جاتی تھیں۔

"کامل کے بابا کو بلڈ کینسر ہے۔"

چلتے چلتے راحیل نے بتایا تو اس کا دل بے حد دکھا۔ تبھی وہ اتنا سنجیدہ اور خاموش لگتا ہے اور اس کی آنکھوں کی سیاہیوں میں اداسیاں سی گھلی دکھائی دیتی ہیں۔

"ہاں، اب بتاؤ کیسی ہو۔"

راحیل نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جیسی نظر آ رہی ہوں ویسی ہی ہوں۔"

"اندر کا موسم کیسا ہے؟"

"گزارا ہو رہا ہے۔"

"مہک ٹھیک ہے نا۔"

"ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ مہک کوئی نہ کوئی بہانہ جھگڑا کرنے کا ڈھونڈ ہی لیتی ہے۔ اگرچہ وہ روٹھ کر تو گھر نہیں آئی تھی۔ لیکن عمار ملا تھا اسے، دل گرفتہ اور پریشان سا۔ مہک اس کے لیے زندگی کو مشکل بنا رہی تھی۔ اور جانے اس کا انجام کیا ہوگا اور اس نے ابا سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ مہک کی خوشی کا خیال رکھے گی۔ مگر وہ خوش نہیں تھی اور اس نے اپنے ساتھ عمار کو بھی ناخوش کر رکھا تھا۔

عمار جیسے شخص کی رفاقت پا کر بھی ناخوش رہا جا سکتا ہے۔

وہ حیران ہو کر سوچتی اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ کیا بات ہے جس نے مہک کو ناخوش کر رکھا ہے۔

"جناب مس رشکِ ماہ صاحبہ! بندہ آپ کے حکم کا منتظر ہے، کہاں چلیں۔"

"گھر اور کہاں۔"

"کس کے گھر؟"

"تمہارے گھر۔" اس نے شانِ بے نیازی سے کہا۔

"وہ گھر تمہارا بھی تو ہو سکتا ہے۔"

راحیل شوخ ہو رہا تھا۔

"مگر ابھی تو وہ صرف تمہارا ہے۔"

"ہم بھی تو تمہارے ہی ہیں۔ دل تمہارا ہم تمہارے، پھر گھر بھی تمہارا ہوا نا۔"

"کیا کوئی اردو فلم دیکھی ہے؟"

وہ جھینپ گئی اور رخسار خون کی حدت سے سرخ ہو گئے۔

راحیل دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت پیاری ہو رشک۔"

"اچھا اب رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کبھی کبھی زندگی میں رومینٹک بھی تو ہونا چاہیے۔"

"مگر میری زندگی میں ابھی اس کی گنجائش نہیں ہے۔"

"تب ہی تو کہتے کہتے خاموش ہو جاتا ہوں۔ ورنہ دل چاہتا ہے کہ کسی دن تمہیں سامنے بٹھا کر تمہاری ان آنکھوں کی، ان ہونٹوں کی، ان بالوں کی......"

"اچھا اچھا، بس کوئی اور بات کرو۔"

رشک نے سے ٹوک دیا۔

"ایک تو تم اچھے بھلے موڈ کو غارت کر دیتی ہو۔ کتنا دل چاہ رہا ہے کہ آج ذرا حالِ دل کہہ دوں۔"

"راحیل! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

رشک نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"محبت ہو گئی ہے تم سے۔"

"پہلے تو...... تم نے کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کیں۔"

"پہلے ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ خیال تھا کہ تم سب جانتی ہو تمہیں پتا ہے کہ میں تمہارا اسیر ہوں۔"

"تو اب کس نے مشورہ دیا ہے کہ حالِ دل کہو۔"

"اسی بے چارے دل نے۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کیونکہ تم تو اتنی مصروف ہو چکی ہو کہ تمہیں......"

"فضول باتیں نہیں کرو راحیل، میرے خیال میں ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں اور تم بھی جانتے ہو۔"

"کیا؟" راحیل کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"میں کیا جانتا ہوں؟"

"یہی کہ میں...... میں بھی تمہیں......"

"تم بھی مجھے کیا......"

"فار گاڈ سیک راحیل......"

وہ اُچک کر بائیک پر بیٹھ گئی۔

"اب چلو۔ پھر مجھے ٹیوشن پڑھانے بھی جانا ہے۔"

"جو حکم ملکۂ عالیہ!"

"پلیز راحیل! اب سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"چلو ہو گیا سنجیدہ، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں لیکن تم اتنے بہت سارے دنوں سے کہاں تھے؟ میں نہیں آسکی تو تم بھی نہیں آئے۔"

"تم نے میری کمی محسوس کی تھی؟"

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔

"تم بہت سارے دن نہ ملو تو یوں لگتا ہے جیسے زندگی میں کہیں کوئی کمی سی ہو گئی ہے۔ کچھ کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"اسے پتا ہے، کیا کہتے ہیں۔"

راحیل نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"محبت!"

"تمہیں محبت ہو گئی ہے مجھ سے؟"

"آج نہیں ہوئی ہمیشہ سے ہے؟"

اس نے چڑ کر کہا۔

"اب چلو بھی یا یہاں ہاسپٹل کے باہر ہی کھڑے کھڑے شام کر دو گے۔"

"چلئے جناب۔"

راحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور بائیک اسٹارٹ کر دی

حسبِ معمول سب ہی اسے دیکھ کر خوش ہوئے تھے عقیل اور شکیل، ممانی جان اور دلدار ماموں اور ہمیشہ کی طرح وہاں اس نے بہت اچھا وقت گزارا اور کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول گئی۔

مہک آپا، عمار بھائی، ثنا اور ندا۔ حسام اور اماں۔

کسی کا اسے خیال نہ رہا اور کاش زندگی اسی طرح گزر جائے یوں ہی ہلکے پھلکے انداز میں ۔ عقیل اور شکیل کی شرارتوں میں ۔ ماموں اور ممانی کی شفقتوں تلے اور راحیل کی محبتوں تلے۔

مگر شاید ایسا نہ ہو۔ شاید اس طرح نہ ہو جس طرح اس نے سوچا تھا۔

اور ایسا کبھی ہوتا نہیں ہے کہ ویسا ہی ہو جیسا انسان سوچتا ہے۔

کبھی کبھی اس کے دل میں خوف کا ایک کانٹا سا چبھتا تھا اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ اور راحیل ساتھ چلتے چلتے ایک دم جدا ہو گئے ہوں اور پھر...... اس کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ سانس رکنے لگتی تھی۔

اگر ایسا ہو گیا کہ ساتھ چلتے چلتے وہ اور راحیل جدا ہو گئے تو کیا وہ جی پائے گی۔ جی سکے گی۔ شاید نہیں یا شاید ہاں۔

اور راحیل کہتا تھا۔

"خواہ مخواہ فضول باتیں مت سوچا کرو، ہم دونوں کبھی جدا نہیں ہوا گے ہمیشہ ساتھ ساتھ چلیں گے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اور تم دیکھنا کوشی ہمارے راستے میں پھول ہی پھول ہوں گے۔"

"مگر تب تک...... تب تک پتا نہیں کیا ہو۔"

"کچھ نہیں ہو گا بابا۔"

"کہیں تم بدل تو نہیں جاؤ گے راحیل۔"

"کیا تم بدل جاؤ گی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر میرے لیے ایسا غلط گمان کیوں کرتی ہو۔"

"پتا نہیں کیوں کبھی کبھی بس یونہی خیال آجاتا ہے۔"

"زیادہ سوچا مت کرو ڈیئر، کیونکہ بقول شکیل زیادہ سوچنے سے بدہضمی ہو جاتی ہے۔"

شام کو جب وہ راحیل کے ساتھ واپس آئی تو مہک کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ارے آپا تم۔"

"ہاں میں۔ اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ کیا یہ میرا گھر نہیں ہے۔ کیا میں یہاں نہیں آسکتی۔"

"یہ تمہارا ابھی گھر ہے آپا، میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ وہ صالحہ جو بیمار ہے تو......"

مہک نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"ہوتی رہے۔ مجھے کوئی اس کی پٹی سے لگ کر نہیں بیٹھنا۔ تین چار دن کے لیے آئی ہوں۔ عمار خود چھوڑ کر گیا ہے۔"

"اوہ شکر ہے۔"

اس نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔ ورنہ مہک کو دیکھ کر وہ ڈر سی گئی تھی کہ کہیں پھر تو لڑائی نہیں کر لی۔

"بیٹا تم نے بتایا نہیں کہ اب صالحہ کی طبیعت کیسی ہے؟"

آصفہ بیگم نے پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہو گی۔"

مہک نے کندھے اچکائے اور راحیل کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔

"تم وہاں کیوں کھڑے ہو اندر آجاؤ نا۔"

"بس رشک کو چھوڑنے آیا تھا، جا رہا ہوں۔"

"کیوں رشک کے علاوہ اور کسی سے رشتے داری نہیں ہے تمہاری۔" مہک نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

راحیل نے کان کھجائے اور پھر رشک کی طرف دیکھتا ہوا اندر چلا آیا۔

"ہاں بیٹا! کیسے ہو تم، بہت دنوں سے آئے نہیں، حسام بھی تمہیں یاد کر رہا تھا۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"ذرا مارکیٹ تک گیا ہے۔"

"چائے پیو گے راحیل؟"

رشک ابھی تک کھڑی تھی۔

"اب بیٹھ ہی گیا ہوں تو پی ہی لیتا ہوں۔"

"تم بیٹھو کوشی! ابھی تھکی ہوئی آئی ہو۔ ثنا بنا لے گی"

"نہیں اماں آج ادھر چلی گئی تھی۔ ٹیوشن پڑھانے نہیں گئی۔"

"تم کبھی ادھر چلی جاتی ہو کبھی ادھر چلی جاتی ہو۔ معلوم نہیں لوگ تمہیں ٹیوشن فیس کیسے دے دیتے ہیں۔"

مہک نے طنز کیا۔

"نہیں تو آپا روز جاتی ہوں۔ آج یوں بھی صرف ٹیوشن سینٹر ہی جانا تھا۔ مسز بٹ تو گاؤں گئی ہوئی ہیں۔"

رشک نے مہک کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"میں تو ہاسپٹل گئی تھی۔ صالحہ کو دیکھنے، وہاں راحیل مل گیا۔ تو اس کے ساتھ ہی گھر چلی گئی۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ صالحہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔"

"وہ عمار بھائی دو تین روز ہوئے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا۔"

"یہ عمار اکثر تمہیں کہاں مل جاتا ہے۔"

"اسٹاپ پر بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ دراصل ان کا آفس اسٹاپ کے قریب ہی ہے۔ بعض اوقات اتفاق ہو جاتا ہے۔"

رشک نے تفصیل سے بتایا اور پلٹی۔

"آپا تم بیٹھو، میں جا رہی ہوں چائے بنانے۔"

ثنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ وہیں دروازے کے پاس پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ مہک بالکل اس کے سامنے بیٹھی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے گھبرا کر رشک راحیل کی طرف دیکھنے لگی۔

"راحیل تمہارا یہ دوست......"

"دیکھنے میں بے حس اور کرخت لگتا ہے۔"

"یہی کہنے لگی تھیں نا تم اکثر لوگ اس کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں ہے بس وہ زندگی کی حقیقتوں کو قبول کر لیتا ہے۔ دکھوں اور غموں کو زندگی کا ایک حصہ سمجھ کر تسلیم کرتا ہے۔"

"نہیں راحیل میں یہ نہیں کہہ رہی تھی۔ بلکہ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ تمہارے اس دوست کے بابا کا علاج ملک سے باہر تو ہو سکتا ہے نا۔ تو یہ انہیں باہر کیوں نہیں لے جاتا۔"

"کوشش تو کر رہا ہے وہ۔ شاید جلدی کچھ سبب بن جائے تھوڑا پرابلم ہے اسے پیسے کا۔"

"یہ اتنی مہنگی بیماریاں غریب لوگوں کو کیوں ہوتی ہیں راحیل بھائی۔" ندا نے پوچھا۔

"ہاں واقعی بھئی یہ تو سوچنے والی بات ہے گڑیا۔" راحیل نے ندا کی طرف دیکھا۔

"جی راحیل بھائی وہ......"

"ندا نے کچھ کہنا چاہا تو مہک نے اسے ٹوک دیا۔

"ندا! تم جاؤ دیکھو ثنی نے چائے بنالی ہے تو لے لو۔"

اور راحیل تم کبھی ہماری طرف بھی چکر لگاؤ نا، عمار بھی پوچھ رہا تھا ایک دن تمہارا۔"

"اچھا آؤں گا کسی دن۔ دراصل وقت نہیں ملتا۔"

"رشک کے لیے تو وقت مل جاتا ہے تمہیں۔"

"وہ......" راحیل سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو وہ رشک کی طرف دیکھنے لگا جو نگاہیں جھکائے نہ جانے زمین پر کیا تلاش کر رہی تھی۔

"یہ مہک کو کیا ہوا ہے، یہ آج کس طرح کی باتیں کر رہی ہے پہلے تو کبھی اس نے اس

طرح کی باتیں نہیں کیں اور پھر راحیل۔ راحیل سے تو کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی ہمیشہ بچپن سے ہی وہ راحیل سے خار کھاتی تھی اور آج۔" اس نے سر اٹھا کر مہک کی طرف دیکھا۔ وہ راحیل ہی کو دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ ثنا کی طرف دیکھنے لگی جو ٹرے اٹھائے اندر آ رہی تھی۔

"آپی! آپ چائے بنالیں۔"

ثنا نے ٹرے میز پر رکھی۔

"میں ذرا کچن میں اماں کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری کروں گی، راحیل بھائی!"

بات کرتے کرتے اس نے راحیل کی طرف دیکھا۔

"اماں کہہ رہی ہیں آپ کھانا کھا کر جائیں۔"

"نہیں...... نہیں ثنی گڑیا اماں سے کہو، مجھے دیر ہو جائے گی ضروری کام سے جانا ہے

"کیا حرج ہے راحیل۔"

مہک کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ رشک نے گھبرا کر باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور پھر چائے بنانے لگی۔

☆☆☆☆☆

"کامل...... کامل یار تم کہاں تھے۔ اتنے دنوں سے ہم سب تمہارے لیے پریشان ہو رہے تھے۔"

دور سے آتے ہوئے کامل کو دیکھ کر وحید نے بے قراری سے پوچھا۔

"تمہارے بابا کیسے ہیں۔ ہمیں تمہارا گھر بھی معلوم نہیں تھا اور مدثر بھی نہیں آ رہا تھا۔"

"بابا پتا نہیں کیسے۔ میں انہیں بہت بیمار چھوڑ کر گیا تھا۔"

"تم کہاں چلے گئے تھے اور تمہیں بابا کی خبر کیوں نہیں ہے۔ بابا کے پاس کون ہے ؟"

"بابا کی پاس اماں اور خدیجہ ہیں۔ مدثر سے بھی میں نے کہا تھا کہ وہ بابا کی خبر لیتا رہے۔"

اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور وہیں پڑے سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔

"لیکن تم کہاں چلے گئے تھے، بتاتے کیوں نہیں ہو۔"

"میں پروفیسر امتیاز کے ساتھ گیا ہوا تھا ہم نے کچھ فنڈ اکٹھا کیا تھا کشمیری مجاہدوں کے لیے بس اسی سلسلے میں ہم گئے ہوئے تھے اور مدثر کب سے نہیں آرہا؟"

"چھ سات دن سے۔" وحید نے بتایا۔

"اور تم گھر جانے کے بجائے سیدھے یونیورسٹی آگئے ہو۔"

"ہاں!"

اس نے ایک گہری سانس لی۔

"دراصل میں پروفیسر امتیاز کے ساتھ ہی چلا آیا اور میں نے یہ بھی سوچا کہ مدثر مل جائے گا یہاں یونیورسٹی میں اس سے بابا کا حال پوچھ کر جاؤں گا، مگر مدثر......

مدثر کیوں نہیں آرہا؟"

"پتا نہیں۔" وحید نے الجھے الجھے انداز میں اسے دیکھا۔"

"ہم دوبار اس کے گھر گئے ہیں مگر وہ نہیں ملا۔ وہ۔"

"اوہ نہیں۔"

اس نے بے چینی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"تمہیں نہیں جانا چاہیے تھا کامل۔ تم۔ تمہیں پتا ہے تمہارے بابا۔"

"ہاں مجھے پتا ہے۔"

"پھر...... پھر بھی تم چلے گئے؟"

"جانا ضروری تھا۔"

"مگر۔"

"حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہونی کو کون روک سکتا ہے۔"

"تو پھر تم یہاں کیوں آگئے ہو۔ گھر کیوں نہیں گئے۔ ہاسپٹل کیوں نہیں گئے اندر سے تم ڈرتے تھے کہ تمہیں کوئی بڑی خبر سننے کو نہ ملے۔ تم یہاں بھاگے چلے آئے کہ مدثر سے تصدیق کر لو۔ تم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ حقیقت کا سامنا کرتے۔ تم "اجنبی" کے ہیرو نہیں ہو کامل تم......"

"ہاں، مجھے سیدھا گھر ہی جانا چاہیے تھا۔ تم صحیح کہتے ہو۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔

"حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ میرے یہاں آنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔ وہی رہے گی۔ بابا اگر چلے گئے ہیں تو وہ پلٹ تو نہیں آئیں گے۔"

"اچھا میں چلتا ہوں۔"

وہ وحید کو وہاں حیران کھڑا چھوڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پلٹ گیا یونیورسٹی سے باہر نکلتے ہی اسے رشک مل گئی۔ وہ ذرا سی دیر کو ٹھٹک کر رک گیا۔

"آپ!" رشک نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

"آپ کہاں تھے؟"

"کیوں آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔"

"اور آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں کہیں گیا ہوا تھا۔"

"میں اور راحیل کل شام ہاسپٹل گئے تھے آپ کے بابا کو دیکھنے، آپ کے بابا کی طبیعت کل شام اچانک بہت خراب ہو گئی تھی۔ آپ کی سسٹر نے راحیل کو بتایا تھا تو ہم انہیں دیکھنے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد ان کی طبیعت سنبھلی تو ہم آگئے۔"

"اوہ!"

اس کی سیاہ آنکھوں میں ڈولتی بے چینیوں کو جیسے سکون سا آگیا۔

"تو بابا زندہ ہیں۔"

اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ تو رشک نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں، بابا کی طبیعت اب کافی بہتر ہے۔ صبح راحیل آئے تھے انہوں نے بتایا تھا۔ دراصل آج ویگنوں اور بسوں کی ہڑتال ہے تو راحیل نے کہا تھا کہ وہ مجھے یونیورسٹی چھوڑتے جائیں گے۔"

"اوہ تو پھر آپ گھر کیسے جائیں گی۔ کیا راحیل لینے آئیں گے؟"

"نہیں، اس وقت تو وہ آفس میں ہوں گے۔ دراصل آج حسام کی طبیعت خراب تھی اس لیے میں نے احمد صاحب اور مدنی صاحب کی کلاس چھوڑ دی ہے۔"

"حسام!" کامل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا چھوٹا بھائی ہے" رشک نے اسے بتایا۔

"اوہ۔" اس نے قریب سے جاتے ہوئے رکشہ کو روکنے کے لیے ہاتھ ہلایا مگر وہ زن سے نکل گیا۔

"آج تو ان کا مزاج ہی نہیں ملتا۔"

اس نے مایوسی سے جاتے ہوئے رکشہ کو دیکھا۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اسے یہاں کھڑے ہوئے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ احمد صاحب کی کلاس ہی اٹینڈ کر لیتی۔

"آپ۔"

"جی!" رشک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" کامل نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں، آپ کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔"

"ہاں شاید، مگر پھر سوچا کہیں آپ مائنڈ نہ کر لیں۔"

"نہیں۔ نہیں پوچھیں۔"

"آپ شاید اپنے گھر میں سب سے بڑی ہیں جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی آپ کسی کسی کی فکر میں تھیں۔"

"ہوں...... نہیں تو میری آپا ہیں مجھ سے بڑی، ان کی شادی ہو چکی ہے۔ دو بہنیں ا ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے۔"

"اور آپ کے والد؟"

"ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"اور گھر کے اخراجات؟"

"بس گزارا ہو جاتا ہے۔ کچھ روپیہ بزنس میں لگا رکھا ہے۔ وہاں سے ملتا ہے کچھ ا تھوڑا بہت میں ٹیوشن کر لیتی ہوں۔"

"خوب، مجھے ایسے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو زندگی کی تلخ حقیقتوں کے سامنے ہتھیا نہیں ڈالتے اور ہمت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تم بہادر لڑکی ہو۔"

"اور کسی کو کیا پتا میں کتنی بہادر ہوں۔"

اس نے سوچا" میں تو...... میں تو ذرا سی بات پر ہمت ہار دیتی ہوں پھر پتا نہیں کیسے۔ پتا نہیں کیسے۔ اور میری سب سے بڑی کمزوری تو مہک آپا ہیں۔ اور اگر وہ میرا ساتھ دیتیں تو تم دیکھتے کامل رضا بٹ، ہم دونوں مل کر کتنی بڑی طاقت بنتے۔ تب میں شاید بہت بہادر ہوتی۔ بہت باہمت۔ اب تو ہر وقت کوئی انجانا سا خوف اندر سے مجھے جکڑے رکھتا ہے کہ جانے کب کیا ہو۔" اور ابھی کل...... ہی کی تو بات تھی جب وہ یونیورسٹی سے سیدھی مہک کی طرف چلی گئی تھی۔ اماں دو دن سے کہہ رہی تھیں کہ واپسی پر ذرا مہک کی خبر لیتی آنا کہیں بیمار نہ ہو۔ دو ہفتے ہو گئے نہیں آئی ورنہ ہفتے میں دو چکر تو ضرور لگاتی تھی مہک اپنے کمرے میں تھی۔

اور وہ سب لوگ صالحہ، کلثوم اور اماں جان کتنے خلوص سے ملی تھیں۔

"آپا کہاں ہیں۔"

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"کمرے میں ہو گی۔"

اماں جان نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"جی ہاں، بالکل ٹھیک ہیں البتہ دوسروں کی طبیعت پریشان کرنے میں انہیں مہارت حاصل ہے۔"

خالد نے جو نہ جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا...... تلخی سے کہا۔

"خالد!"

اماں جان نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔ تو اس نے آنکھیں جھکا لیں۔

"سوری۔"

بھیگتی مسوں والا یہ لڑکا نگاہیں جھکائے سوری کہتا ہوا اسے بالکل اپنے حسام کی طرح لگا۔

"چلو جاؤ تم، بڑوں کی باتوں میں دخل نہیں دیتے اور بیٹا تم پریشان نہ ہو تمہیں پتا تو ہے مہک کی طبیعت کا ضد کرتی ہے خواہ مخواہ اور پھر خود ہی ٹھیک بھی ہو جاتی ہے۔ جاؤ تم بہن سے

ملو۔"

رشک کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

یہ سب لوگ...... یہ سب لوگ کس قدر محبت کرنے والے، کتنے اچھے اور پیارے تھے اور آپا ان کو خفا کر دیتی تھیں ان سے ناراض رہتی تھیں اور پتا نہیں اب کیا ہوا تھا کیا ہو گیا تھا۔

اس نے پریشانی سے دائیں کندھے پر پڑے بیگ کو اتار کر بائیں کندھے میں ڈال لیا اور اضطراب سے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے کاٹنے لگی۔

"وہ دراصل آپا کا مزاج کچھ ایسا ہی ہے انہیں جلدی غصہ آجاتا ہے۔ لیکن وہ دل کی بری نہیں ہیں وہ آپ سب سے محبت کرتی ہیں۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے مہک کسی سے محبت نہیں کرتی تھی وہ کسی سے محبت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ سوائے اپنے آپ کے پھر بھی وہ ان کا دفاع کر رہی تھی۔

"محبت" خالد جاتے جاتے پلٹ پڑا۔ اس کی آنکھوں میں دل کو چیر لینے والی طنزیہ سی کیفیت تھی۔

"ہوں" وہ ہولے سے ہنسا۔

"آپ کی بہن کسی سے محبت نہیں کر سکتیں آپ...... آپ اپنی بہن کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں وہ ہر وقت خنجر بکف......"

"خالد!" اماں جان کی آواز بہت اونچی تھی۔

"نہیں پلیز، اماں جان اسے کچھ مت کہیں۔ وہی صحیح کہہ رہا ہے۔ یہ زہر جو اس کے اندر بھرا ہوا ہے یہ زہر اسے نکال دینے دیں۔"

اس نے کہنا چاہا تھا لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ اس چھوٹے سے بچے کے سامنے سر جھکائے نادم کھڑی تھی جو شاید نویں میں پڑھتا تھا یا دسویں میں، لیکن جس کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے مچل رہے تھے۔ ہزاروں شکائتیں تڑپ رہی تھیں۔ پتا نہیں کہاں کہاں وہ ہرٹ ہوا تھا۔ کہاں کہاں مہک نے اسے ضرب لگائی تھی وہ خود بھی تو ہرٹ ہوئی تھی۔ آپا کی ضرب ہی اتنی شدید ہوتی تھی کہ آدمی تڑپ بھی نہ سکے اور وہ تو اس کی بہن تھی برداشت کر لیتی تھی۔ لیکن یہ...... یہ تو اس کا کوئی نہیں تھا۔ کوئی خونی رشتہ نہیں۔ کب تک وہ

انہیں برداشت کریں گے کبھی تو...... کبھی تو پیمانہ چھلکے گا نا اور پھر۔ خدا نہ کرے ایسا کوئی وقت آئے۔ اس سے پہلے...... اس سے پہلے مجھے اس دنیا سے اٹھا لینا۔ نہیں مگر وہ مر گئی تو پھر سب کا کیا ہوگا۔ ندا اور ثنا کا حسام کا اور اماں کا۔ وہ سب تو بہت کمزور ہیں اور اماں کا تو بالکل حوصلہ ہی نہیں ہے اور حسام، اسے تو ابھی پڑھنا ہے۔ بابا کے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈ کر لانا ہے۔

"بیٹا...... رشک بیٹا! اس کی باتوں کا برا نہ منانا بچہ ہے نا۔"

اماں جان شرمندگی سے اس سے معذرت کر رہی تھیں۔

"نہیں...... نہیں اماں جان۔"

وہ ان کے ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

"مجھے شرمندہ نہ کریں۔ کیا کہا خالد نے کچھ بھی تو نہیں۔ شاید صحیح ہی کہا ہو۔ مہک آپا شاید ایسی ہی ہیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گی۔ وہ آپ لوگوں کی قدر کریں۔ آپ سے محبت کریں۔ آپ بھی پلیز ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا کریں۔"

"آپ۔ آپ مہک بھابی سے کتنی مختلف ہیں۔ کس قدر۔" صالحہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"عمار بھائی صحیح کہتے ہیں۔ آپ ان سے مختلف ہیں۔ کاش مہک بھابی کے بجائے......"

"صالحہ!"

اماں جان نے اسے ٹوک دیا۔

"جاؤ بہن کے لئے شربت لے کر آؤ۔ گرمی میں آئی ہے اور بیٹا تم جاؤ اندر مہک کے پاس۔"

"جی!" وہ سر جھکائے ہولے ہولے قدم اٹھاتی مہک کے کمرے میں آگئی۔ مہک بستر پر اوندھی لیٹی کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

"آپا" اس نے آہستگی سے پکارا۔

"تم۔" مہک سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تو یہ اتنی دیر سے تم سے مذاکرات ہو رہے تھے۔ میں نے سمجھا جانے کون خاص مہمان آیا ہوا ہے۔"

تو آپا اسے دیکھ چکی تھیں اور اب کتنی انجان بن رہی تھیں

"کیسی ہو۔ اماں کو تمہاری بہت فکر تھی۔ بہت دنوں سے تم نے چکر بھی تو نہیں لگایا۔"

"کیا فائدہ چکر لگانے کا۔"

اس نے روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔

"آپا وہاں سب تمہیں یاد کرتے ہیں۔ اماں کو تمہارا انتظار رہتا ہے۔"

"خاک انتظار رہتا ہے۔ جب جاؤ ایک ہی بات نصیحتوں کا پٹارا کھول کر بیٹھ جاتی ہیں۔"

"آپا تم ناحق ناراض رہتی ہو۔ اماں جو کچھ کہتی ہیں تمہارے بھلے کو ہی کہتی ہیں۔"

"میرے بھلے کو۔" وہ تلخی سے ہنسی۔

"میرے بھلے کا خیال ہوتا تو میری زندگی برباد نہ کرتیں اور مجھے اس جیسے کنگال شخص کے حوالے نہ کرتیں۔"

"آپا پلیز آہستہ بولیں، کسی نے سن لیا تو کیا کہیں گے۔"

"میں کوئی ان سے ڈرتی ہوں۔ سنتے ہیں تو سنیں۔ کیسے کیسے ارمان تھے سب خاک میں مل گئے۔"

"پلیز آپا۔" وہ گھبرا گئی۔

"آپ یونہی گھبرا رہی ہیں۔"

صالحہ شربت کا جگ ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی۔

"ہم ایسی باتیں سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔"

وہ پانی پانی ہو گئی۔

"سچ بات کڑوی لگتی ہے۔"

مہک نے عجب سے انداز میں کہا اور صالحہ کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"جانتی ہوں اچھی طرح سے، یہ غربت صرف میرے لیے ہے جہاں پیسہ خرچ کرنا ہے وہاں تو ایک کی جگہ دس ہی خرچ کرتے ہیں۔"

"بھابی۔" صالحہ نے شربت گلاس میں ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ عمار بھائی تایا ابا کا حال پوچھنا چھوڑ دیں تو یہ ناممکن ہے۔ تایا ابا

کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ اگرچہ کچھ تلخی ہو گئی تھی لیکن وہ ہمارے تایا ابا ہیں اور اب جبکہ وہ اس شہر میں ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ہم ان کی خبر گیری نہ کریں عمار بھائی نے کیا بھی کیا ہے اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ چھوٹے بھائی یہاں نہیں تھے تو اس روز وہ تایا ابا کے انجکشنز اور دوائیں خرید کر لے گئے تب سے آپ نے موڈ خراب کیا ہوا ہے۔"

وہ ساکت بیٹھی گلاس کو گھور رہی تھی۔

کاش آپا کا دل تھوڑا بڑا ہوتا۔ کاش!

"ہاں، میں نے کہا تھا، آج باہر کھانا کھاتے ہیں چائنیز میں تو پیسے نہیں تھے۔ اور تایا ابا کی دوا کے لیے چار سو روپے جب سے نکل آئے ہیں۔ سب سمجھتی ہوں یہ سب تم لوگوں کی ہی سازش ہے۔"

"بھابی!" صالحہ کا چہرا سرخ ہو گیا۔

"عمار بھائی جو کچھ کرتے ہیں اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔"

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ "اچھا میں چلتی ہیں۔"

"ارے ارے آپ بیٹھیں نا پلیز! یہ شربت تو پئیں۔"

"نہیں بس اب جاؤں گی۔"

"پلیز!" صالحہ نے ندامت سے اسے دیکھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہو کر جا رہی ہیں۔"

"نہیں۔" اس نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے اماں انتظار کر رہی ہوں گی پھر مجھے ٹیوشن پڑھانے بھی جانا ہوتا ہے نا۔ میں یونہی کھڑے کھڑے آپا کی خیریت پوچھنے آگئی تھی۔"

"کہہ دینا اماں سے۔"

مہک نے آواز میں رقت پیدا کر لی۔

"ابھی زندہ ہوں، جس جہنم میں جھونکا ہے۔"

"آپا!" رشک نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"کیا ہے تمہیں، ٹھیک ٹھاک تو ہو۔ خوش رہا کرو۔ اتنے اچھے ہیں سب۔"

مہک نے ناراضگی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ لمحہ بھر وہ یونہی اسے دیکھتی رہی، پھر صالحہ کے پیچھے ہی باہر نکل آئی۔

"ارے!" اس نے چونک کر کہا۔

ایک اور رکشہ اس کے پاس سے زن سے نکل گیا۔ کامل جو نہایت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہولے سے مسکرایا

"آپ کو پتا ہے ابھی دو بالکل خالی رکشے یہاں سے گزرے ہیں۔ مگر آپ پتا نہیں کہاں تھیں۔"

"ہاں۔" وہ نادم ہو گئی۔

"بس میں۔ وہ شکیل ہی صحیح کہتا ہے میں ہمیشہ پیچھے رہ جاتی ہوں اور گاڑی آگے نکل جاتی ہے۔"

"یوں سڑک پر کھڑے کھڑے خواب دیکھنا تو اچھا نہیں ہوتا نا۔"

"خواب۔" اس نے سوالیہ نظروں سے کامل کو دیکھا۔

"نہیں خواب تو میں نہیں دیکھتی...... خواب تو آسودہ لوگ دیکھتے ہیں، میں تو کچھ اور سوچتی ہوں۔"

"نہیں خواب تو نا آسودہ لوگ بھی دیکھتے ہیں۔ اچھی زندگی کے خواب۔"

"ہاں شاید، مگر میرے پاس تو خواب دیکھنے کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔"

"ارے وہ ٹیکسی آ رہی ہے۔" کامل نے اشارے سے اسے روکا۔

"آپ آئیں پلیز۔"

"میں۔"

"ہاں آپ کو ڈراپ کر کے اسی ٹیکسی پر میں ہاسپٹل چلا جاؤں گا۔"

"ابھی کوئی رکشہ۔"

"پلیز مجھ پر اعتبار کریں۔ آج سواری مشکل سے ہی ملے گی اور راحیل اگر آپ کو لینے آیا بھی تو دیر سے آئے گا۔"

"ہاں۔"

"کس طرف جائیں گی آپ۔"

"گلبرک۔ فردوس مارکیٹ کے پاس اتار دیجئے گا۔"

"پھر بھی آپ تکلف کر رہی تھیں۔ جبکہ آپ کو پتا ہے بابا بھی سروس ہاسپٹل میں ہیں۔"

وہ خاموشی سے ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

فردوس مارکیٹ میں وہ کامل کا شکریہ ادا کر کے اتر گئی اور کامل نے ٹیکسی واپس موڑ لی۔

☆☆☆☆☆

آج چھٹی تھی رشک صبح سے ہی کچن میں مصروف تھی۔ چھٹی والے دن وہ اماں کو کچن میں نہ جانے دیتی تھی۔ اور حسام کی پسند کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور بناتی، حسام کو میٹھا بہت پسند تھا اور میٹھا بناتے ہوئے اسے ابا بہت یاد آتے تھے انہیں بھی میٹھا بہت پسند تھا۔ اور وہ بہت شوق سے کھاتے تھے۔

"آہاہا! آج تو کچن سے بڑی خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں۔" سنک میں برتن رکھتے ہوئے رشک نے مڑ کر دیکھا تو بے اختیار خوشی سے بولی۔

"ارے تم شکیل، کب آئے؟"

"جناب ابھی حاضر ہوئے ہیں۔"

"اور وہ تمہارا ہمزاد۔"

"بندہ بھی حاضر ہے۔" عقیل نے شکیل کے کندھے پر سے جھانکا۔

"یہ آج صبح ہی صبح کیسے دھاوا بول دیا۔"

"راحیل بھائی بھی آئے ہیں۔"

"سچ۔" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اماں بھی ہیں۔" عقیل نے مزید بتایا۔

"سچ، اور ماموں جان۔"

"ابو نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"وہ کسی کام سے اسلام آباد گئے ہیں ہم نے سوچا آج اپنی پیاری پیاری بہن کے ہاتھوں

کے پکے ہوئے کھانے کھائیں گے۔ سوہم نے راحیل بھائی کی منت سماجت کی اور۔"

"آپ کو پتا ہے آج کل راحیل بھائی ایک عدد گاڑی کے مالک بن چکے ہیں۔" عقیل نے شکیل کی بات کاٹ دی۔

"نہیں تو۔"

اس نے پوچھا۔

"راحیل نے گاڑی خریدی ہے۔"

"نہیں کمپنی کی طرف سے ملی ہے۔"

"اچھا!"

"راحیل بھائی نے آپ کو بتایا نہیں۔"

"نہیں، بہت دنوں سے ملے ہیں نہیں۔"

"وہ آپ سے خفا ہیں۔" شکیل نے بتایا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا

"پتا نہیں۔ یہ تو ان سے پوچھیے گا۔"

"مگر میں نے تو کچھ نہیں کیا۔"

"خفا ہونے کے لیے کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے۔"

"ہاں، بغیر وجہ کے تو کوئی خفا نہیں ہوتا۔" رشک پریشان ہو گئی تھی۔

"آپا!" ثنا نے باہر سے پکارا۔

"ممانی جان اور راحیل بھائی آئے ہیں۔"

"آرہی ہوں۔" اس نے چولہے کی آنچ دھیمی کی اور ہاتھ صاف کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

شکیل اور عقیل بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

"بھائی آپ سے سخت خفا ہیں منا لیجئے گا۔"

شکیل نے ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

"نہیں، وہ مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے۔"

اس نے بڑے یقین سے کہا اور ڈرائینگ روم میں داخل ہو گئی۔ ممانی جان نے کھڑے ہو کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"میری بیٹی کیسی ہے۔ بھئی اتنے دنوں سے تم نے چکر ہی نہیں لگایا تھا تو ہم نے سوچا خود ہی مل آئیں۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ سچ میں آپ کو بہت یاد کر رہی تھی۔ پوچھ لیں ندا سے آج میرا پروگرام تھا۔ شام کو آنے کا۔"

اس نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے راحیل کی طرف دیکھا جو نہایت انہماک سے کوئی پرانا میگزین دیکھ رہا تھا اور اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

"تو جناب واقعی ناراض ہیں۔" وہ زیرِ لب مسکرائی۔

"مگر کیوں۔؟"

"یہ راحیل کی کسی سے لڑائی ہوئی ہے کیا۔"

اس نے آہستگی سے پوچھا مگر ممانی جان نے سن لیا۔

"ارے نہیں بیٹا! اس نے بھلا کس سے لڑنا ہے دراصل اس کا پروگرام کہیں اور جانے کا تھا۔ شکیل اور عقیل زبردستی لے آئے۔"

"ہاں ظاہر ہے، ہم ٹھہرے غریب، مسکین لوگ اور یہ ہوئے گاڑیوں والے، ہمارا گھر بھلا ان کے شایانِ شان کہاں ہے۔"

"نہیں بیٹا! اسے کسی دوست کے ہاں جانا تھا۔"

"چھوڑیئے ممانی جان! اصل بات تو یہ ہے کہ جناب مغرور ہو گئے ہیں۔ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگے ہیں۔"

"فضول باتوں کے سوا تمہیں کچھ اور بھی آتا ہے؟"

راحیل نے چڑ کر میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پیلے رنگ کے لان کے سوٹ میں نکھرے نکھرے چہرے اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ چپکے چپکے مسکراتی ہوئی وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔

"یہ رشک روز بروز کتنی دلکش اور خوبصورت ہوتی جا رہی ہے۔"

اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

"اور میں اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتا۔" وہ جو گھر سے اس سے ناراض رہنے کا پروگرام بنا کر آیا تھا۔ وہ سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا۔

"کیسی ہو؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" نچلے ہونٹ کا کونا دبا کر وہ شرارت سے مسکرائی۔

اماں، ممانی جان کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آؤ بہن ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں بچے اپنی باتیں کریں۔"

"ناراض ہیں؟"

رشک اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"ہاں بہت زیادہ۔" راحیل نے روٹھے انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"اس دن پورا ایک گھنٹہ تمہارا انتظار کیا۔"

"مگر مجھے کیا پتا تھا کہ تم لینے آؤ گے اور پھر حسام کی طبیعت خراب تھی اس لیے میں جلدی چلی آئی تھی۔"

"تمہیں پتا ہونا چاہیے تھا نا۔ جب میں تمہیں چھوڑنے گیا تھا اور مجھے پتا تھا کہ اسٹرائیک ہے تو ظاہر ہے میں تمہیں لینے بھی جاتا۔"

"سوری راحیل، تم بہت اچھے ہو اور میرا بہت خیال رکھتے ہو۔"

"تو تمہیں بھی میرا خیال رکھنا چاہیے نا۔"

"رکھتی تو ہوں۔"

"کیسے رکھتی ہو؟" راحیل کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔

"بس اکثر تمہیں سوچتی رہتی ہوں۔"

"کیا سوچتی ہو؟"

"کیوں بتاؤں۔"

"اچھا نہ بتاؤ یہ بتاؤ اس روز پھر پیدل مارچ کی تھی کیا؟"

"نہیں تو ٹیکسی میں آئی تھی۔"

"تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کوشی کہ تم ٹیکسی میں اکیلے مت آیا کرو۔"

"نہیں اکیلی تو نہیں تھی۔ کامل مجھے ڈراپ کر گیا تھا۔"

"اوہ اچھا۔ بہر حال احتیاط کیا کرو پھر۔ کامل اچھا لڑکا ہے لیکن کسی اجنبی کا کیا بھروسا۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم آئندہ خیال رکھوں گی اور تمہیں پھر کیسے پتا چلا تھا کہ میں جا چکی ہوں۔"

"وحید نے بتایا تھا۔"

"اگر صلح ہو گئی ہو تو ہم بھی اس گفتگو میں شریک ہو جائیں۔" شکیل نے پوچھا۔

"ہم ناراض تھے ہی نہیں۔" رشک ہنسی۔

"کوشی تمہیں پتا ہے تم ہنستے ہوئے بہت پیاری لگتی ہو۔ ہمیشہ ہنستی رہا کرو۔"

راحیل نے مدھم آواز میں کہا۔

"بڑے بھائی یہ سرگوشیاں کیوں ہو رہی ہیں اگر حکم ہو تو ہم منظر سے آؤٹ ہو جائیں

شکیل نے شوخی سے انہیں دیکھا۔

"جی نہیں۔" وہ سرخ پڑ گئی۔

"تم بہت فضول باتیں کرنے لگے ہو شکیل۔"

راحیل نے اسے تنبیہہ کی۔

"نہیں۔ کیوں عقیل کیا یہ فضول بات تھی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ عقیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"بلکہ آپ کے بھلے کی بات تھی۔"

"تو پھر جاؤ یہاں سر پر کیوں کھڑے ہو۔"

راحیل مسکرایا۔

"کیا؟" عقیل نے آنکھیں پھاڑیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"یعنی" شکیل نے بھی وضاحت چاہی۔

"یعنی یہ۔"

شکیل اور عقیل دونوں کو کندھوں سے پکڑتے ہوئے راحیل نے ان کا رخ دروازے کی طرف کر دیا۔

"آپ خاموشی سے دیکھ رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ کتنی زیادتی ہو رہی ہے۔"

"تم نے خود ہی تو آفر کی تھی۔"

راحیل کی شرارت سمجھتے ہوئے رشک بھی مسکرائی۔

"مگر وہ تو۔"

شکیل نے منہ بسورا۔ تب ہی دروازہ کھلا اور لان کے گلابی رنگ کے سوٹ میں بے حد فریش اور خوش خوش مہک اندر داخل ہوئی۔

"ارے آپ مہک آپا۔"

رشک خوشی سے کھڑی ہو گئی۔ لیکن مہک نے سرسری سا اسے دیکھا اور پھر شکیل سے پوچھا۔

"ماموں جان نے نئی گاڑی لی ہے کیا؟"

"نہیں تو۔"

"تو پھر یہ سفید نسان جو گیٹ کے پاس۔"

"وہ تو راحیل بھائی کی گاڑی ہے۔"

عقیل نے بتایا اور واپس آ کر راحیل کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اوہ راحیل! یہ گاڑی تمہاری ہے۔ مبارک ہو بے حد۔"

"شکریہ۔" راحیل نے آہستگی سے کہا۔ رشک حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی وہ راحیل کے لئے اتنی مخلص تو کبھی نہیں رہی تھی کہ اس طرح خوشی کا اظہار کرتی۔

"سب ٹھیک تو ہے نا آپا؟"

اس نے قریب آتی مہک سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے سب۔" مہک کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"پتا نہیں تمہیں میرے گھر میں داخل ہوتے ہی سب غلط ہونے کا گمان کیوں ہونے لگتا ہے۔"

"نہیں، نہیں تو۔"

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ایک دم ہی حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔

"عمار بھائی بھی آئے ہیں؟"

"نہیں انہیں اپنے بیمار تایا کی تیمارداری سے فرصت ملے تو تب نا۔ گیٹ تک چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

"آپ نے انہیں اندر آنے کے لیے کہا ہوتا۔"

"مجھے اگر معلوم ہوتا کہ تم اس سے ملنے کو بے چین ہو تو کہہ بھی دیتی۔"

"آپا۔" رشک ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

"میں تو۔"

"میں تو کیا۔ مجھے پتا ہے تمہیں بہت ہمدردی ہے عمار سے، میں تو سوچتی ہوں آخر...... امی جان نے میرے بجائے تمہیں۔"

اور وہ اس کی پوری بات سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔ آنکھیں برسنے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔

"یہ خدا جانے آپا کو کیا ہو گیا ہے۔"

اس نے کچن کا دروازہ بند کرتے ہوئے کواڑ سے ٹیک لگا کر آنسو بہاتے ہوئے سوچا۔

"کیا ہوا آپا؟" ثنا نے کھیر پیالوں میں ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تو قریب چلی آئی۔

"کیا راحیل بھائی نے کچھ کہہ دیا۔"

"نہیں۔" اس نے سر ہلایا اور جلدی سے آنکھیں صاف کر لیں۔ چوٹ کچھ اس طرح لگی تھی کہ اسے کچن میں کام کرتی ثنا اور ندا کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔

"ابھی ابھی مہک آپا کی سواری آئی تھی۔ انہوں نے ہی کوئی تیر چلایا ہو گا۔"

ندا بھی جو سلاد بنا رہی تھی۔ اس کے قریب چلی آئی۔

"بجو! آپ کو پتا تو ہے ان کی عادات کا آپ انہیں کچھ مت کہا کریں۔ جو چاہے کرتی رہیں۔ بہت ہو گا نا تو روٹھ کر گھر آ جائیں گی تو آ جائیں، جہاں اتنے افراد کھا رہے ہیں وہ بھی کھالیں گی بس اور آپ مت سوچا کریں ان کے متعلق۔"

"اچھا۔" اس نے مسکرا کر ندا کے رخسار تھپتھپائے۔

یہ کیا ہو گیا تھا اسے، ان چھوٹی بچیوں کے سامنے حوصلہ کھو رہی تھی۔ لیکن آپا کا رویہ۔

اس نے سر جھٹک کر دونوں کی طرف دیکھا۔

"اور کیا کیا کام رہ گیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ سالن آپ بنا گئی تھیں، تقریباً کھیر تیار ہے، سلاد ندا نے تیار کر لیا ہے۔ اور روٹیاں بازار سے آ جائیں گی۔"

"تو پھر میرے کرنے کے لیے کوئی کام نہیں۔"

"نہیں آپ راحیل بھائی کو جا کر کمپنی دیں۔ پتا ہے کتنے دنوں بعد آئے ہیں۔"

ثنا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"مہک آپا ہیں وہاں۔"

وہ کاؤنٹر پر پڑے برتن سمیٹنے لگی۔

"مگر مہک آپا میں اور آپ میں بہت فرق ہے۔"

"کیا؟" اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔

"مہک آپا، مہک آپا ہیں اور آپ، آپ ہیں۔"

"اچھا!" وہ ہنس دی۔

"چلو یہ کھیر رکھ آؤ فرج میں۔"

اور گرم مصالحے کا ڈبا کیبنٹ میں رکھتے ہوئے اس کا ذہن پھر بھٹک گیا۔

یہ مہک آپا اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہیں۔ اتنی تکلیف دہ اور اذیت ناک اور تکلیف دہ باتیں تو وہ ہمیشہ سے ہی کرتی ہیں۔ مگر، مگر یہ عمار بھائی اوہ نہیں، کیا وہ سمجھتی ہیں کہ میں اور عمار بھائی۔

اس کا رنگ یکدم زرد پڑ گیا اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ کاؤنٹر کا کنارا پکڑتے ہوئے یکدم

بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" ندا نے گھبرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں بس یوں ہی چکر آ گیا تھا۔"

"آپ پتا نہیں ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہیں۔"

ندا نے جلدی سے گلوکوز گھولتے ہوئے کہا۔

"ایک تو اتنی محنت خود پڑھنا پھر پڑھانا اوپر سے یہ سوچوں کے پہاڑ آپ کو پیس ڈالیں گے۔ مت سوچا کریں کسی کے لیے بھی کچھ، ہم سب تو ایک گھر کی چھت تلے ہیں۔ ہماری ماں ہیں ماموں ہیں۔ ہم سب اتنے سارے ہیں۔ ایک دوسرے کو سہارا دینے والے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہنسنے اور رونے والے، وہ بھی تو ہوتے ہیں جو بالکل اکیلے ہوتے ہیں، جن کا کوئی نہیں ہوتا۔ لوگ یتیم خانوں میں بھی تو پل جاتے ہیں۔ ہم بھی پل جائیں گے اور آپ دیکھیے گا ہم سب۔"

"ندا!"

رشک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"تم مجھے کیا سمجھا رہی ہو گڑیا اور یہ باتیں۔"

"میں آپ کو یہ سمجھا رہی ہوں کہ آپ پریشان نہ ہوا کریں اور یہ لیں گلوکوز۔"

"اچھا نہیں ہوتی پریشان۔"

اس نے آہستگی سے اس کا رخسار تھپتھپایا اور گلاس لے لیا۔

☆☆☆☆☆

کہیں سے تریاق ڈھونڈ لاؤ۔

مگر کہاں سے؟

نہ کوئی حاتم نہ خضر ہم میں۔

کدھر ہے راہِ نجات؟

رشک بہت دیر سے یونہی چپ بیٹھی فائل پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

"کیا تم احسان صاحب کا پریڈ اٹینڈ نہیں کرو گی۔"

"نہیں۔"

اس نے آہستگی سے کہا اور فائل بند کر کے گھاس کے تنکے نوچنے لگی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہوں۔"

اس نے سمیرا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اچھا پھر میں تو چلتی ہوں۔"

"اور ہاں۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"تمہیں خبر ہے، کامل کے بابا فوت ہو گئے ہیں۔ کل ہم سب لوگ ادھر گئے تھے۔"

کامل کے بابا فوت ہو گئے! اچھا۔ انہیں مرنا ہی تھا۔ اس زہر کا کوئی تریاق نہیں ہے۔ اس نے سوچا۔

"تم جاؤ گی نا اس کے گھر۔"

"ہاں۔"

"تو ایسا کرنا تم اور حصہ چلی جانا اور بھی کل نہیں آئی تھی۔"

"اچھا۔"

وہ بدستور گھاس کے تنکے نوچ رہی تھی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ کامل کے بابا کے لیے دکھی ہونا چاہ رہی تھی لیکن اس کا اپنا غم بہت گہرا اور شدید تھا اور اس وقت وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی کسی کے متعلق بھی نہیں۔ ہاں کامل کے بابا اچھے آدمی تھے۔ بالکل ابا کی طرح شفیق اور مہربان سے اور کامل بھی اچھا ہے سنجیدہ اور کم گو سا۔ پتا نہیں اس نے اس دکھ کو کیسے برداشت کیا ہوگا۔ شاید کر ہی لیا ہو، وہ تو پہلے سے ہی ذہنی طور پر تیار تھا اس حادثے کے لیے۔ ہاں خدیجہ۔ خدیجہ نے ضرور اس حادثے کو شدت سے محسوس کیا ہوگا۔ پرسوں شام ہی تو اسے ملی تھی اور کامل نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

"یہ خدیجہ ہے اور خدو! یہ راحیل، کامل کی کزن ہے رشک ماہ۔" وہ خدیجہ کو ولدار ماموں کے ہاں چھوڑنے آیا تھا شکیل اور عقیل کی بی۔ ایس۔ سی۔ میں کامیابی پر ممانی نے ایک چھوٹی سی تقریب کر ڈالی تھی اور کامل کو اپنے بابا کو چیک اپ کے لیے ہاسپٹل لے کر جانا تھا۔

ندا، حسام سب ہی چہک رہے تھے۔ خوش ہو رہے تھے لیکن وہ ایک طرف چپ بیٹھی تھی۔ مہک گھر پر تھی اور مہک کی وجہ سے اماں بھی نہیں آئی تھیں۔ مہک کا موڈ بہت خراب تھا اور وہ عمار سے لڑ جھگڑ کر اور اپنا بہت سارا سامان اٹھا کر گھر آ چکی تھی اور اس نے عمار سے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا اور یہ بات عمار نے اسے پرسوں بس اسٹاپ پر بتائی تھی۔ "اور مجھے اس کا مطالبہ منظور ہے۔"

"نہیں، پلیز عمار بھائی آپ ابھی کچھ مت کیجیے گا۔ وہ تو بس جذباتی ہیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گی۔ ان سے بات کروں گی، پلیز عمار بھائی ابھی کچھ نہیں۔"

اور مہک نے تو اس کی بات تک سننے سے انکار کر دیا تھا اور وہ محض عقیل، شکیل کی خوشی کے لیے چلی آئی تھی۔ ورنہ اس کا دل ذرا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ راحیل گھر پر نہیں تھا۔ آج صبح اچانک ہی اسے کمپنی کے کام کے لیے کراچی جانا پڑ گیا تھا اور اس کے دل پر اتنا بوجھ تھا۔ وہ یونہی چپ سی بیٹھی تھی...... خدیجہ بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔ وہ اپنے بابا کے متعلق کتنی پرامید تھی اور کتنی خوش۔

"بابا اب ٹھیک ہو جائیں گے۔"

اس نے کوئی تین بار کہا تھا۔

"اور پتا ہے۔ اب تو اس کے سر پر بال بھی اگ آئے ہیں اور چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔ ڈاکٹرز کہتے تھے۔ تیسری ٹریٹمنٹ بہت کم لوگ برداشت کر پاتے ہیں اور بابا نے برداشت کر لیا ہے۔ وہ صحت مند ہو رہے ہیں اور اب کامی انہیں۔ سنگاپور لے جائے گا۔ وہ انتظام کر رہا ہے۔"

"سنگاپور۔"

اس نے یونہی خالی الذہن سے پوچھا تھا۔

"ہاں امریکہ میں زیادہ خرچہ ہے۔ وہ کچھ کم خرچ ہے، ہم نے اپنا کراچی والا گھر فروخت کر دیا ہے چند دن میں رقم مل جائے گی اور پھر کامی کی ہڈیوں کا گودا بابا۔"

اور پھر یہ کیا ہو گیا تھا۔ کامل رضا بٹ کے بابا مر گئے تھے، جب وہ انہیں باہر لے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے تو کچھ خبر نہیں تھی کہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو خود تین دن بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ اسے تو خود اپنا ہوش نہ تھا۔ وہ تو بس ہر صورت میں عمار کو طلاق دینے سے

روکنا چاہتی تھی۔

ان تین دنوں میں اس نے عمار کے آفس کے کتنے چکر لگائے تھے۔ کتنی بار اس کے گھر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

"سب بے سود ہے کوشی۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں تمہارے مسائل سمجھتا ہوں، لیکن تمہاری بہن، وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ نہ جانے کس مٹی کی بنی ہے تم اس سے کتنی مختلف ہو۔ میں نے سمجھوتے کی ہر ممکن کوشش کی ہے مگر ہار گیا ہوں۔ اب بھی۔ اب بھی مطالبہ مہک نے کیا ہے۔"

عمار کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"پلیز عمار بھائی میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"کوشی۔" عمار نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے شرمندہ نہ کرو میری بہن۔"

اور دفتر میں داخل ہوتا راحیل وہیں سے پلٹ گیا۔ وہ رات ہی تو کراچی سے واپس آیا تھا اور پھر ماں سے مہک کے جھگڑے کا سن کر اور مہک سے بات کر کے عمار سے ملنے آیا تھا۔ مگر یہاں عمار کے آفس میں رشک کو بیٹھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹھک گیا۔ مہک سے سنی ہوئی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔

"تو کیا مہک سچ کہتی ہے کہ عمار، رشک کو پسند کرتا ہے۔"

"آپ عمار بھائی وعدہ کریں پلیز آپ آپا کو طلاق نہیں دیں گے۔"

"کوشی قانون اور شریعت کے مطابق میں نے آج صبح پہلی طلاق کا نوٹس بھجوا دیا ہے۔ لیکن ابھی واپسی کی گنجائش ہے۔ اگر مہک سمجھدار ہے تو اس کے لیے اتنی ٹھوکر کافی ہو گی۔ وہ پلٹ آئے گی تو میں بیتے دنوں کو بھول جاؤں گا۔ تم سے وعدہ کرتا ہوں کبھی اس کو اس کی کوئی کوتاہی یاد نہیں دلاؤں گا۔ تم بھی اس دوران اسے سمجھانا۔"

اور رشک آنکھوں میں آنسو لیے اس کے دفتر سے چلی آئی۔

تو بالآخر اس شادی کا یہ انجام ہونا تھا مگر نہیں ابھی تو ڈور اس کے ہاتھ میں ہی ہے۔ ابھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا۔ یہ دھچکا یقیناً مہک کے لیے بہت بڑا سبق ہو گا۔ آج، آج کسی وقت ڈاک سے یہ نوٹس پہنچ جائے گا۔ اور اماں، اماں کا کیا حال ہو گا۔

ثنا اور ندا بھی پریشان ہو جائیں گی، وہ اماں کا سامنا کیسے کرے گی۔

کیسے ان کا چہرا دیکھے گی۔

وہ آج یونیورسٹی سے گھر جانے کے بجائے دلدار ماموں کے ہاں چلی جائے۔

اس نے سوچا

مگر نہیں خواہ مخواہ اداس شکل لے کر وہاں نہیں جاؤں گی اور پھر راحیل بھی تو نہیں ہے۔ جس کے سامنے وہ اپنا بوجھ ہلکا کرتی۔

کامل کی طرف چلی جاؤں۔

مگر نہیں اس سے کیا کہوں گی۔ تعزیت کرنا اسے ہمیشہ ہی بہت مشکل لگتا تھا اور ان پریشانی کے لمحوں میں بھلا وہ کہہ بھی کیا سکے گی۔

"رشک سنو۔"

کاشف اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف جاتے جاتے اس کے پاس رک گیا۔ "تمہیں پتا ہے کامل کے بابا۔"

"ہاں۔" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے سمیرا نے بتایا تھا۔ اچانک کیا ہو گیا تھا انہیں۔"

"پرسوں شام کامل ان کا معمول کے مطابق چیک اپ کرانے ہاسپٹل لے گیا تھا اور وہاں پتا چلا کہ سیلز خطرناک حد تک کم ہو گئے ہیں۔ انہیں فوراً ایڈمٹ کر لیا گیا اور پھر ہم سب نے ہی خون دیا۔ سب کلاس فیلوز نے پروفیسر امتیاز اور پروفیسر عارف نے بھی، لیکن کل صبح اچانک ہی ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ میں وہاں ہی تھا۔ مدثر بھی تھا۔ انہیں فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا مگر۔"

کاشف نے اسے پوری تفصیل بتائی اور چلا گیا۔

اسے کامل کے گھر جانا چاہیے۔ اس نے سوچا۔ کتنی اپنائیت سے ملتا ہے۔ کتنے خلوص و

محبت سے بات کرتا ہے وہ اٹھی لیکن پھر بیٹھ گئی۔

نہیں۔ آج نہیں، پھر کبھی کل یا پرسوں۔

بہت ساری دیر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ لڑکے اور لڑکیاں اس کے پاس سے گزرتے رہے۔ لیکن وہ یونہی بیٹھی تھی۔

اور ابا کی روح آج کتنی پریشان ہو گی اور شاید ہم سے غلطی ہوئی۔

ہمیں آپا کی شادی عمار بھائی سے نہیں کرنا تھی بلکہ کسی بہت بہت دولت مند گھرانے میں جہاں آپا کی ساری خواہشیں پوری ہو سکتیں۔ مگر دولت مند گھرانے کا کوئی لڑکا بھلا آپا کو بیاہنے اس چھوٹے سے گھر میں آتا۔ ؟

اور ہمارے پاس تو آپا کو دینے کے لیے مناسب جہیز بھی نہیں تھا اور ہمارا گھر اس قابل ہی کہاں تھا کہ وہاں کوئی دولت مند لڑکا آتا۔

اور عمار بھائی کتنے اچھے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں، دولت مندوں سے زیادہ اچھے۔ اور یہ ت تو آپا کی اور ہماری خوش نصیبی تھی۔ مگر آپا نے ان کی قدر نہیں کی۔ کاش۔ اے کاش۔

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ تو وہ آنکھیں پونچھ کر کھڑی ہو گئی اور بیگ کندھے پر لٹکائے سر جھکائے یونیورسٹی سے باہر نکل آئی۔ اور اسٹاپ پر کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرنے کے بجائے، وہ سر جھکائے چلتی رہی اگلے اسٹاپ سے ذرا ادھر "حیات میڈیکل سٹور" سے اس نے اماں کی بلڈ پریشر کی دوائی لی اور اسٹاپ پر آکھڑی ہو گئی۔

"کوشی آپا۔"

بالکل قریب سے کسی نے اسے پکارا تو اس نے چونک کر ساتھ کھڑی صالحہ کو دیکھا۔ پتا نہیں وہ کب اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم صالحہ کیسی ہو؟"

اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کیسی ہیں۔ کوشی آپا پتا ہے۔ بہت سارے دنوں سے میں سوچ رہی تھی کہ کسی دن آپ مل جائیں اور آپ سے باتیں کروں مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں۔ آج میں گھر سے یہی سوچ کر نکلی تھی کہ یونیورسٹی جاؤں گی۔"

"تو پھر یونیورسٹی آجائیں۔"

"آج کلثوم بھی کالج نہیں آئی تھی اور مجھے آپ کی طرف آنا ہی تھا لیکن پھر میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی اور میں چھٹی لے کر اپنی دوست کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ میری دوست کے ڈیڈی ڈاکٹر ہیں اور ہاسپٹل میں وہی میرا علاج کر رہے تھے۔"

رشک نے نگاہیں اٹھا کر پہلی بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو زرد ہو رہا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت بہت کمزور لگ رہی تھی۔ چند ماہ پہلے جب اس نے اسے دیکھا تھا تو وہ اتنی کمزور نہیں تھی۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"بس یونہی چکر آگیا تھا۔"

"اور پھر تم دھوپ میں اسٹاپ پر کھڑی ہو، رکشہ کر لیتیں۔"

"خدا نے مجھے آپ سے ملوانا تھا تو میں یہاں آگئی،

ورنہ میری دوست نے بہت روکا کہ کچھ دیر رک جاؤں تو ان کا ڈرائیور مجھے گھر چھوڑ آئے گا۔ پتہ ہے مجھے آپ سے عمار بھائی اور مہک بھابی کے بارے میں بات کرنی تھی، آپ کو پتا ہے عمار بھائی نے۔"

اس نے رشک کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور رشک نے غور کیا۔ اس کے بازوؤں سے اس کے ہاتھوں سے اور اس کی کنپٹیوں سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ رشک نے قریب سے گزرتے ہوئے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"چلو آؤ، میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں اور باتیں بھی کر لیں گے۔"

صالحہ نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ مہک بھابی سے کتنی مختلف ہیں۔ کاش وہ بھی ایسی ہی ہوتیں آپ کی طرح۔"

"ہر آدمی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے صالحہ۔" اس کی فطرت اور مزاج الگ الگ ہوتا ہے۔ مہک آپا تھوڑی تیز مزاج ہیں لیکن وہ دل کی بری نہیں ہیں صالحہ۔"

وہ ہر مقام پر اس کی دفاع کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ صالحہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور لمحہ بھر کچھ سوچتی رہی۔ اس نے ابھی تک رشک کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

"آپ کو پتا ہے، مہک بھابی کے حالیہ جھگڑے کی نوعیت کیا ہے۔"

"نہیں۔" مہک نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"وہ الگ گھر میں رہنا چاہتی ہیں اور فی الحال عمار بھائی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے انہوں نے اور پھر اماں نے سب نے ہی مہک بھابی کو سمجھایا کہ عمار فی الحال دو گھروں کا خرچ الگ الگ برداشت نہیں کر سکتے، خالد کی تعلیم ختم ہو جائے تو پھر وہ بخوشی الگ گھر میں چلی جائیں۔ لیکن انہوں نے کوئی بات ہی نہیں...... سنی اور یہ کہہ کر چلی گئیں کہ اگر الگ گھر میں نہیں رکھ سکتے تو پھر طلاق...... دے دو۔"

اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔

"انہوں نے اتنی بڑی بات کہہ دی کوشی آپا۔ اتنی بڑی بات۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا گڑیا۔"

رشک نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔

حالانکہ خود اسے پتا...... نہیں تھا کہ سب ٹھیک ہو گا یا نہیں۔

"کیسے ٹھیک ہو گا سب۔" وہ رو سی دی۔

"انہوں نے۔ عمار بھائی نے مہک بھابی کو طلاق کا نوٹس بھجوا دیا ہے۔ اماں نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے ہیں اور۔"

وہ لمحہ بھر کو چپ بیٹھی پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کرتی رہی۔ "میں آپ سے اس لیے ملنا چاہتی تھی۔ کوشی آپا کہ آپ مہک بھابی سے کہیں، وہ دوسری طلاق سے پہلے گھر لوٹ آئیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں عمار بھائی کو منالوں گی کہ وہ الگ گھر لے لیں۔ خالد اور کلثوم اور میں، ہم تینوں ٹیوشنز کر...... لیں گے۔ اور خالد تو ویسے بھی پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈ رہا ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا کوشی آپا ہم کوئی اور گھر لے لیں گے۔ کوئی چھوٹا سا مناسب سے کرائے پر گھر۔ مہک بھابی کو کہیں کہ وہ لوٹ آئیں۔ وہ اگر اس طرح خوش رہ سکتی ہیں تو یونہی سہی۔ مجھ سے عمار بھائی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ وہ ساری ساری رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھاتے۔"

"تم پریشان نہیں ہو صالحہ گڑیا! تم سب اکٹھے رہو گے ایک ہی گھر میں اور مہک آپا بھی آجائیں گی۔ وہ تم سب سے معافی مانگیں گی۔ دیکھ لینا تم۔"

وہ مسکرائی۔

"اور تم عمار بھائی کو تسلی دیا کرو، انہیں سمجھایا کرو کہ وہ پریشان نہ ہوں۔"

عمار کے لیے اس کا دل دکھ رہا تھا۔ رکشہ گھر کے سامنے رکا تو صالحہ نے التجا کی۔

"پلیز کوشی آپا! گھر چلیں نا تھوڑی دیر کے لیے۔"

"اچھا۔" وہ اس کے ساتھ ہی اتر آئی۔

گھر میں صرف کلثوم تھی۔

"اماں تایا کے گھر گئی ہیں۔ آپ کو پتا ہے تایا کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"اوہ نہیں۔" اسے افسوس ہوا۔

"اس لیے تو کلثوم بھی کالج نہیں گئی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے ضروری کام کا بہانہ کر کے نکلی تھی مجھے آپ سے ملنا تھا۔ آپ مہک بھابی کو سمجھائیں گی نا۔"

"ہاں!" اس نے سر ہلایا۔

کلثوم حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کوشی آپا مجھے اسٹاپ پر مل گئی تھیں۔"

صالحہ نے کلثوم کو بتایا۔

"اور پھر میری طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی۔ اس لیے یہ مجھے چھوڑنے آگئیں۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں؟"

کلثوم پریشان ہو گئی۔

"اوہ! تمہیں کتنا پسینہ آرہا ہے صالحہ پلیز تم لیٹ جاؤ اور وہ تمہاری دوائیں کہاں ہیں۔ تم باقاعدگی سے کھا رہی ہو نا۔"

وہ رشک کو نظر انداز کر کے بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"آپ بیٹھیں نا کوشی آپا!" صالحہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں!" وہ بیٹھ گئی۔

"تم بھی لیٹ جاؤ۔"

صالحہ نڈھال سی بستر پر گر پڑی۔ کلثوم فوراً ہی کچھ کیپسول اور گولیاں لے کر آگئی تھی۔

اسے دوا کھلا کر اس نے رشک کی طرف دیکھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"نہیں شکریے کی کیا بات ہے۔"

"یہ بہت ضدی ہے۔ سب نے ہی منع کیا تھا اسے، مگر کہنے لگی کہ اسے مس نگار سے ضروری بات کرنا ہے۔ حالانکہ آج ہم سب کو تایا کی طرف جانا تھا۔ اماں تو کل سے ادھر ہی ہیں۔ عمار اور خالد بھائی بھی صرف تھوڑی دیر کے لیے گھر آئے تھے۔"

"تمھارے تایا کا بہت افسوس ہوا۔"

"ہاں ڈاکٹروں نے تو چھ ماہ پہلے ہی بتادیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ زندہ رہیں گے۔"

"مہک بھابی کیسی ہیں۔ وہ تایا کا سن کر بھی نہیں آئیں۔"

"نہیں شاید آپا کو پتا ہی نہیں ہے۔"

"خالد نے خود فون کیا تھا۔"

کلثوم نے بتایا۔

"انہیں تایا کا سن کر آنا چاہیے تھا۔"

کلثوم نے آہستگی سے کہا۔

شاید اسے ابھی طلاق والی بات کا علم نہ تھا۔ صالحہ نے ملتجی نظروں سے رشک کو دیکھا۔ جیسے اس سے التجا کر رہی ہو کہ ابھی کلثوم کو کچھ نہ بتائے۔

رشک نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی اور کلثوم سے باتیں کرنے لگی اور پھر باتوں میں وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ دونوں لڑکیاں کتنی محبت کرنے والی اور سادہ دل تھیں۔ اور مہک کو ان کا وجود گوارا نہ تھا۔ رشک، مہک کے دیے ہوئے زخموں پر لاشعوری طور پر مرہم رکھتی رہی اور شام ہو گئی۔

"ارے مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔"

وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ٹیوشن سینٹر بھی نہیں جا سکی تھی۔ دوسری ٹیوشن چھوٹ گئی تھی البتہ مغرب کے بعد پڑوس سے راجہ اسلم کی تینوں بیٹیاں انگلش اور حساب پڑھنے آتی تھیں۔

"دو منٹ رک جائیں کوشی آپا!" صالحہ نے کہا۔

"ابھی خالد یا عمار بھائی آجائیں گے تو آپ کو چھوڑ آئیں گے۔"

"نہیں اماں پریشان ہوں گی، میں سینٹر سے فارغ ہو کر ساڑھے پانچ پونے چھ تک گھر پہنچ جاتی ہوں اور اب تو سات بجنے والے ہیں۔"

اس نے دونوں بہنوں کو خدا حافظ کہا۔ تب ہی عمار اندر داخل ہوا۔ اسے یوں اس وقت اپنے گھر دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

"تم، کوشی خیریت؟"

صالحہ نے جلدی جلدی اسے ساری بات بتائی۔

"چلو، میں تمھیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں عمار بھائی! آپ کو تکلیف ہو گی۔ میں چلی جاؤں گی۔ آپ مجھے ویگن پر بٹھا دیں۔"

"بیوقوفوں جیسی باتیں نہ کرو چلو، اتنی شام میں تمھیں اکیلا کیسے جانے دوں۔"

عمار وہاں سے ہی اس کے ساتھ چل پڑا۔

☆☆☆☆☆

جب سے راحیل نے رشک کو عمار کے دفتر میں دیکھا تھا۔ تب سے اس کے دل کو عجیب سے اضطراب نے آگھیرا تھا۔ کبھی دل کہتا کہ وہ مہک کی باتوں پر یقین کر لے کبھی کہتا نہیں۔ رشک ایسی نہیں ہو سکتی۔ اس کے دل میں تو مہک کے لیے ثنا، ندا کے لیے سب کے لیے بے حد بے حساب محبت ہے۔ وہ یقیناً عمار کے پاس مہک کی وکالت کرنے گئی ہو گی۔ اسے سمجھانے گئی ہو گی کہ وہ مہک کا مطالبہ نہ مانے۔ لیکن کوشی کے ہاتھ عمار کے ہاتھوں میں تھے۔

وہ پریشان سا ہو جاتا۔

رشک کے ساتھ حد سے بڑھی ہوئی محبت اسے بدگمان نہیں ہونے دے رہی تھی۔ اس لیے وہ اپنی بے چینی کا علاج کرنے چلا آیا تھا۔

"میں خود پوچھوں گا اس سے کہ وہ کیوں گئی تھی عمار کے دفتر میں۔" لیکن وہ گھر پر نہ تھی۔

"اتنی دیر ہو گئی ہے۔" اس نے سوچا۔

شاید آج سینٹر میں دیر ہو گئی ہو۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے سوچا، وہ خود ٹیوشن سینٹر جا کر لے آئے اور اسی خیال سے وہ صحن کی طرف آیا تھا اور پھر کھلے گیٹ سے اس نے رکشہ میں سے اسے اترتے دیکھا اور عمار کو بھی۔ جو نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آگرا اور وہ واپس ڈرائینگ روم کی طرف پلٹ گیا۔ جہاں حسام بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

یہ چھوٹا سا کمرہ ڈرائینگ روم بھی تھا سٹنگ روم بھی اور ٹی روم بھی۔ بوقتِ ضرورت یہاں ہی دستر خوان بچھا کر کھانا بھی کھا لیا جاتا تھا۔

وہ تھکی تھکی سی سر جھکائے گھر میں داخل ہوئی تو ثنا نے کچن کی کھڑکی میں سے ہی اسے دیکھ کر اطلاع دے دی۔

"کوشی آپا آگئی ہیں۔"

"اوہ، شکر ہے۔"

اماں کچن سے باہر نکلیں۔

"بہت دیر کر دی۔"

"بس دیر ہو گئی۔"

وہ برآمدے میں بچھے تخت پوش پر بیٹھ گئی۔ اور اُس نے سر اٹھا کر غور سے اماں کا چہرا دیکھا۔ جو ستا ہوا تھا آنکھیں سرخ تھیں۔

"سب ٹھیک ہے نا۔"

وہ جھک کر جوتوں کا اسٹریپ کھولنے لگی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔"

اماں نے آہستگی سے کہا۔

"آپا کہاں ہیں۔"

"ابھی یہاں ہی تو تھی۔"

وہ واپس مڑیں۔

"تمہارے لیے چائے بنواؤں۔"

"نہیں۔ لڑکیاں پڑھنے نہیں آئیں؟"

"آئی ہوئی ہیں شاید ندا کے ساتھ تمہارے کمرے میں ہیں۔"

"ثنی پلیز، ذرا انہیں باہر بھیج دو۔ وہاں بڑا حبس ہے۔ یہاں ہی بیٹھ کر پڑھا دیتی ہوں۔"

اس نے کچن سے باہر آتی ثنا سے کہا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو انہیں چھٹی دے دوں۔"

"نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے، بس ذرا تھک گئی ہوں۔"

"راحیل بھائی آئے ہوئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کراچی سے کب آئے؟"

"پتا نہیں کب آئے اندر حسام کے پاس بیٹھے ٹی۔ وی دیکھ رہے ہیں۔"

"اچھا تم لڑکیوں کو باہر بھیجو، میں راحیل سے مل کر آتی ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور یوں ہی ننگے پاؤں...... ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑی۔ ایڑیاں یوں دکھ رہی تھیں جیسے سارا دن چلتی رہی ہو۔

"راحیل!"

اس نے حسام کے قریب بیٹھے کچھ سوچتے ہوئے راحیل کو پکارا۔

"تم کراچی سے آگئے۔"

"ہاں!" وہ کھڑا ہو گیا۔

"اچھا حسام چلتا ہوں۔"

"راحیل!" اس کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"یہ اتنے اجنبی کیوں بن رہے ہو۔"

راحیل نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ کتنی تھکی تھکی اور مضمحل لگ رہی تھی۔

"راحیل! اماں نے تمہیں بتایا ہے کچھ وہ۔"

مگر راحیل اس کی بات سنے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

"یہ راحیل کو کیا ہو گیا ہے۔"

وہ لمحہ بھر یونہی کھڑی سوچتی رہی۔

"ضرور مجھ سے خفا ہے۔"

"راحیل! مجھ سے خفا ہو۔"

وہ اس کے پیچھے لپکی، لیکن وہ اسے ...... قطعی نظر انداز کیے برآمدے میں کھڑی مہک سے باتیں کر رہا تھا۔ مہک کتنی خوش اور شگفتہ لگ رہی تھی۔

کوئی پچھتاوا۔

کوئی ندامت۔

کوئی شرمندگی اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی اور راحیل شاید مہک کو خدا حافظ کہہ کر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

کتنے بہت سارے دنوں سے وہ خود میں الجھی ہوئی تھی۔ مہک کی وجہ سے پریشان تھی۔ ماموں کے گھر بھی نہ جا سکی تھی اور پھر کراچی جانے سے پہلے بھی وہ راحیل سے نہ مل سکی تھی۔ حالانکہ عقیل اسے لینے آیا تھا تو اس نے بتایا بھی تھا کہ راحیل کراچی جا رہا ہے۔ لیکن وہ عقیل کے ساتھ جانے کے بجائے بہت دیر سے گئی تھی اور راحیل جا چکا تھا۔ یقیناً وہ اسی بات پر خفا ہو گا۔ چلو کل یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی چلی جاؤں گی۔ کامل کے گھر بھی تو جانا ہے۔ راحیل کو بھی منالوں گی۔ اور راحیل زیادہ دیر تو مجھ سے خفا رہ ہی نہیں سکتا۔

وہ تخت پر آکر بیٹھ گئی اور تینوں لڑکیوں کو کتابیں کھولنے کے لیے کہا۔

"کوشی آپا، آپ کو پتا ہے، وہ عمار بھائی نے۔"

لڑکیوں کے جانے کے بعد شنی نے آکر بتایا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اماں بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں اور ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"حوصلہ رکھیں اماں!"

اس نے ہولے سے ان کا ہاتھ دبا کر تسلی دی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں عمار بھائی سے ملی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر مہک اپنی حرکتوں پر شرمندگی کا اظہار کر لے اور مقررہ مدت سے پہلے واپس پلٹ آئے تو۔"

"وہ واپس پلٹنے کے لیے نہیں آئی کوشی۔"

انہوں نے سسکی لی۔

"پتا نہیں اس کے دل میں کیا ہے۔"

"نہیں اماں! دو چار روز میں خود ہی انہیں احساس ہو جائے گا کہ وہ غلط کر رہی ہیں یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے اماں کوئی لڑکی خوشی سے طلاق نہیں لیتی۔ آپا نے یونہی دھمکی دی ہو گی، عمار بھائی کو اور عمار بھائی نے۔ لیکن اماں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ عمار بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ اب بھی سمجھوتے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن آپا کو بھی جھکنا پڑے گا۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ عمار بھائی اپنے گھر والوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ صالحہ بیمار ہے اور خالد ابھی پڑھ رہا ہے۔ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہے گا۔"

"ارے پر وہ سمجھے تو۔"

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ سمجھائیں گی تو وہ ضرور سمجھ جائیں گی۔ اب وہ اتنی بھی بیوقوف نہیں ہیں کہ اپنا برا بھلا نہ سوچ سکیں۔"

اور یہ تو مہک کے دل کو ہی خبر تھی کہ اس نے اپنا برا بھلا سوچا تھا اور بہت اچھی طرح سوچا تھا۔ عمار کے ساتھ زندگی گزارنے میں اسے کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ صالحہ دل کی مریض ہے۔ اس کی کمائی کا بیشتر حصہ تو صالحہ کی دوائیوں پر ہی خرچ ہو جاتا تھا وہ ابھی بہت عرصہ تک اسے اس کی من پسند زندگی نہیں دے سکتا تھا اور پھر کیوں نہ اس سے دامن چھڑا کر کسی اور کا دامن تھام لے، کسی ایسے شخص کا جو اسے زندگی کی وہ ساری سہولتیں مہیا کر سکے جس کی تمنا اس کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ اور وہ شخص راحیل بھی ہو سکتا تھا۔

خوشحال، خوش شکل، ذاتی گاڑی، اچھا گھر، وہ اس قابل تھا کہ اس کے لیے الگ گھر

لے سکے۔ اسے سیر و تفریح کے لیے باہر لے جا سکے۔ اس کے ساتھ کوئی مجبوری نہ تھی۔

دلدار ماموں کا اپنا بزنس ٹھیک ٹھاک تھا اور ابھی پچھلے دنوں ہی انہوں نے علامہ اقبال ٹاؤن میں دو کنال کے دو پلاٹ خریدے تھے۔ راحیل اور شکیل کے لیے۔ راحیل اس کے خوابوں کی تعبیر اسے دے سکتا تھا۔ حالانکہ بچپن میں وہ اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔

اور اس نے تو طلاق کا نوٹس ملنے کے بعد چپکے سے پی۔ سی۔ او سے عمار کو فون کر کے اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

"اگر تم تینوں طلاقیں اکٹھی بھیج دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتی۔"

اور عمار نے جواب دیئے بغیر فون رکھ دیا تھا۔

وہ بہت خوش تھی اور اس بات کی اسے کوئی پروا نہیں تھی کہ طلاق سے کتنی بدنامی ہو گی۔ بہنوں کے مستقبل پر کتنا برا اثر پڑے گا۔ اماں کو کتنا دکھ ہو گا۔ اسے صرف اپنی ذات سے محبت تھی اور وہ صرف اپنے لیے سوچتی تھی اور اپنے فائدے کے لیے۔ اگر اسے پورے گھر سے کٹنا پڑتا تو وہ سب کو چھوڑ سکتی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی بے حس اور خود غرض۔ سو کسی کے سمجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"مجھے عمار کے ساتھ نہیں رہنا۔" یہ اس کا حتمی فیصلہ تھا۔

"چاہے کچھ ہو جائے۔"

"وہ نہیں مانتیں عمار بھائی۔"

اس سے مایوس ہو کر وہ پھر عمار کے دفتر چلی آئی۔

"تو۔"

"آپ ہی مان جائیں پلیز۔ آپ دوسری طلاق مت بھجوائیں۔" ایک ماہ کی مدت ختم ہونے والی تھی اور رشک بہت پریشان تھی۔ ڈور ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"اس سے کیا فائدہ ہو گا کوشی۔" عمار بے حد اداس تھا۔

"فائدہ!" اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"پتا نہیں عمار بھائی!" اس نے بے بسی سے ہاتھ ملے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میں کیا کروں۔ اور اس ہونی کو کیسے روک دوں بس آپ طلاق مت بھجوائیں ایک سال، دو سال، تین سال وہ بیٹھی رہیں گھر، مت بلائیں آپ انہیں۔ کبھی تو انہیں سمجھ آئے گی کبھی تو وہ جان پائیں گی کہ وہ غلط ہیں۔"

"اور میں خلاؤں میں لٹکا رہوں تم چاہتی ہو، میں اس بیماری کو مستقل پالے رکھوں۔"

"پلیز عمار بھائی! میرے لیے، میری خاطر آپ نے مجھے بہن کہا تھا۔ آپ کو یاد ہے نا۔ کیا آپ ایک بہن کی بات نہیں مانیں گے۔"

"اچھا!" عمار نے ہتھیار پھینک دیئے۔

"لیکن میں جانتا ہوں، اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ سب بے سود ہے کوشی تمہاری یہ ساری کوشش۔"

"تھینک یو عمار بھائی!" وہ آنسوؤں میں مسکرائی۔

"مجھے یقین ہے، آپا سنبھل جائیں گی۔"

"خدا تمہارے یقین کو قائم رکھے۔"

عمار نے پورے خلوص سے دعا کی اور جب وہ آفس سے باہر نکلی تو اس کے دل پر پڑا بوجھ کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔

یہ پچھلا ایک ماہ اس نے کتنی اذیت میں کاٹا تھا۔ ہر لمحہ یہ احساس سولی کی طرح اس کے سر پر لٹکا رہا تھا کہ بس ابھی ایک ماہ ختم ہو جائے گا اور پھر دوسری طلاق اور پھر تیسری اور پھر واپسی کی ہر راہ نہیں رہے گی۔ اور وہ سوتے سوتے جاگ اٹھتی۔

یا اللہ آپا کو سمجھا دے، انہیں احساس ہو جائے کہ گھر اس طرح نہیں توڑے جاتے۔

اور ابا! ابا نے کہا تھا کہ مہک کی مرضی کے خلاف کبھی کچھ نہ کرنا۔ اس کی ہر بات ماننا۔

"سوری ابا!"

اس نے دل ہی دل میں ابا کی روح سے معذرت چاہی۔ "میں آپا کی یہ بات نہیں مان سکتی۔ اس لیے کہ آپا نہیں جانتیں کہ وہ غلط ضد کر رہی ہیں۔"

اس نے رینگتی ہوئی بس کا ڈنڈا پکڑا اور چڑھ گئی۔

"ارے یہ بس۔"

وہ بے خیالی میں غلط بس پر بیٹھ گئی تھی۔

چلو، اگلے اسٹاپ پر اتر جاؤں گی۔

اس نے سوچا اور بیٹھ گئی۔ شکر ہے آج رش نہیں تھا۔

"توبہ صبح صبح ہی گرمی پڑ گئی ہے۔" ساتھ بیٹھی خاتون نے موسم پر تبصرہ کیا۔

"جی!" اس نے مختصراً کہا اور بیگ سے پیسے نکال کر کنڈکٹر کو دینے لگی۔

"کہاں!"

اگلے اسٹاپ پر۔ اچھا چلو سمن آباد تک۔"

اس نے سوچا ممانی اور شکیل، عقیل کی خبر ہی لے لے۔ بہت دنوں سے ادھر نہیں گئی تھی۔ راحیل تو آفس میں ہو گا۔

اور پتا نہیں راحیل کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے بقایا واپس لیتے ہوئے سوچا۔ کتنا اجنبی اور بدلا بدلا سا لگتا ہے۔

اس ایک ماہ کے دوران تین چار بار ہی تو اس کی راحیل سے ملاقات ہوئی تھی اور راحیل نے اس پر ذرا توجہ نہیں دی تھی۔ بس رسمی سی گفتگو۔ کتنا دل چاہا تھا اس کا کہ وہ راحیل سے دل کی باتیں کرے، مہک کے مسئلے پر اس سے گفتگو کرے، وہ اسے تسلی دے، دلاسا دے۔

اور وہ اس کے ہاتھوں میں منہ چھپا کر اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو دے۔ وہ اس کا دوست تھا اس کا غمگسار تھا۔ لیکن جانے اسے کیا ہو گیا۔ جب سے کراچی سے آیا تھا، اکھڑا اکھڑا الگ رہا تھا۔ ایک بار بھی تو اس نے اس سے نہیں پوچھا تھا۔

"کوشی، تم کیسی ہو، اور تم پر کیا بیت رہی ہے؟"

ایک بار بھی تو تسلی نہیں دی تھی۔ ایک بار بھی تو نہیں کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اُسکے پاس بیٹھ کر اُس سے دل کی باتیں کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا، جیسے اس کی رگوں میں کسی نے توانائی بھر دی ہو۔

اُس کی رفاقت اس کے لیے گلوکوز کی طرح تھی۔ وہ ایک بار پھر سے تازہ دم ہو جاتی تھی۔

اور یہ جو اتنا بوجھ دھرا تھا اس کے دل پر شاید اس لیے تھا کہ راحیل نے اسے نظر انداز کر رکھا تھا اور اسے کیسے پتا چلے کہ راحیل کو کیا ہوا ہے کیا کراچی میں اس کے ساتھ کچھ حادثہ ہو گیا ہے۔ اس کو بھی تو کوئی پریشانی ہو سکتی ہے۔ کوئی آفس کا پرابلم۔

اور میں نے بھی تو نہیں پوچھا کبھی کہ اسے کیا مسئلہ ہے۔ وہ جو میرے پرابلمز کو شیئر کرتا ہے تو میرا فرض بھی تو بنتا ہے کہ میں اس سے اُس کی الجھن کا سبب پوچھوں۔ یقیناً اسے کوئی الجھن ہے، ورنہ وہ ایسا تو نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے میں آج اس کے آفس سے آنے کا انتظار کروں گی، اس سے پوچھوں گی۔"

اس نے مطمئن ہو کر سوچا۔

"سمن آباد، سمن آباد۔"

کنڈیکٹر نے آواز لگائی تو وہ بیگ سنبھالتی ہوئی نیچے اتر گئی۔

"اور کامل۔"

کامل سے ابھی تک اس نے تعزیت نہیں کی تھی۔ سڑک کراس کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

اور یہ ذرا سا فاصلے پر ہی تو اس کا گھر تھا اور وہ ان دنوں یونیورسٹی بھی نہیں آ رہا تھا اور اگر آیا بھی تھا تو اس نے دیکھا نہیں تھا۔

کامل گھر پر ہی تھا اور اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ!"

"سوری کامل رضا!" میں ابھی تک تعزیت نہیں کر سکی تھی آپ سے۔ دراصل میں۔ میں خود کچھ پریشان تھی۔ نہیں بلکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے موقعوں پر آدمی کیا کہے۔ در حقیقت مجھے آپ کے بابا کا بہت دکھ ہوا تھا۔ میں نے ایک بار ہی انہیں دیکھا تھا اور وہ مجھے بہت اچھے لگے تھے، بہت مہربان اور شفیق بالکل اپنے ابا کی طرح۔"

"آپ آئیں، پلیز اندر آجائیں۔"

کامل نے اسے راستہ دیا۔

اس کی سیاہ آنکھیں ابھی تک حیرانی سے اسے تک رہی تھیں۔

"خدو، خدیجہ ادھر آؤ۔"

اس نے آواز دی اور ڈرائنگ روم کی طرف اس کی راہنمائی کرنے لگا۔

"شکریہ رشک!" اس نے بیٹھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"بس بابا کی زندگی ہی اتنی تھی اور تقدیر کے ساتھ بھلا کون لڑ سکتا ہے۔"

"خدیجہ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ انہیں سنگاپور لے جا رہے تھے۔"

"ہاں، میں نے سارا انتظام کر لیا تھا۔ لیکن بابا۔ نہیں جانا چاہتے تھے۔ وہ مجھے منع کرتے تھے۔ اور کہتے تھے پیسہ ضائع نہ کروں۔ اور خدیجہ کے لیے اور اپنے لیے سنبھال کر رکھ لوں۔ میرے بابا کو ہم سب کا بہت خیال تھا۔ انہیں جانا تو تھا ہی۔ بس وہ جلدی چلے گئے تاکہ۔ تاکہ۔"

اور وہ بات ادھوری چھوڑ کر قالین کو دیکھنے لگا۔ اور رشک کو یوں لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے کسی بھی شدید غم میں تشفی بیکار ہے۔ محض لفظ اور کچھ نہیں۔ کامل کو جو دکھ پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ یہ دکھ دکھائی نہیں دیتا نظر نہیں آتا۔ لیکن محسوس ہوتا ہے۔ وہ ظاہر نہیں کرتا، مگر دکھ نے اندر ہی اندر اس کے دل میں گہرا زخم لگایا ہے، جبھی تو اس کی رنگت اتنی سنولا گئی ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔

"آپ، آپ کو کیا پریشانی تھی رشک؟"

کامل نے اس کے زرد چہرے اور تھکی تھکی آنکھوں کو دیکھا۔

"ہوں۔" وہ چونکی

"کچھ نہیں۔ بس یونہی۔ یونہی۔ میں تو یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہوں۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔"

وہ مسکرائی اور خدیجہ کو دیکھنے لگی۔

سانولی سی رنگت کی عام سی لڑکی۔ مگر اپنے بھائی کی طرح سادہ دل اور ہمدرد لگی تھی اسے، بہت دیر تک وہ وہاں بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی۔ خدیجہ اور کامل اپنے بابا کی باتیں سناتے رہے۔ اُن کی والدہ بھی آگئی تھیں۔

وہاں بیٹھ کر ان سے باتیں کرنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سب اسے بہت اپنے اپنے لگے۔ جیسے وہ برسوں سے انہیں جانتی ہو۔ اور دنیا اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔

یہ ہمیشہ اس کی سوچ تھی۔

اور یہ لوگ یہ تینوں کتنے مخلص ہمدرد اور اچھے لگے ہیں اسے، منافقت اور ریاکاری سے دور۔

"کبھی کبھی آیا کریں نا۔ آپ سے باتیں کرنا اچھا لگا ہے مجھے۔ اور آپ بھی بہت اچھی لگی ہیں۔"

خدیجہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہاں میری کوئی دوست نہیں ہے۔ سارا دن گھر میں بور ہوتی ہوں۔"

"آپ پڑھتی نہیں ہیں؟"

"میں نے بی۔اے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔"

"آپ ایم۔اے کیوں نہیں کر لیتیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"بس دل نہیں چاہتا۔"

"آپ اپنے ماموں کے گھر آتی رہتی ہیں تو آیا کریں نا ادھر۔"

"اچھا آؤں گی۔" اس نے وعدہ کیا۔

"اور آپ بھی آئیں کسی چھٹی والے دن ہمارے گھر۔ ثنا اور ندا میری دونوں چھوٹی بہنیں بہت پیاری ہیں۔ آپ کو وہ اچھی لگیں گی۔ کامل آپ لائیں ان کو کسی دن۔"

وہ کھڑی ہو گئی۔

"ارے بیٹی بیٹھو کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔ ابھی ماموں کی طرف جاؤں گی۔'

"آپ یونیورسٹی نہیں گئیں؟"

کامل کھڑا ہو گیا۔

"نہیں، بس دل نہیں چاہا تھا اور آپ۔"

"میں۔ میں بھی بس کبھی کبھی جاتا ہوں، اب تو فائنل ہو جائے گا اور۔"

وہ سب گیٹ تک اسے خدا حافظ کہنے آئے۔

راحیل ابھی ابھی گھر آیا تھا۔ شاید کھانا کھانے۔ کبھی کبھی اسے وقت ملتا تو وہ آجایا کرتا تھا۔ ممانی کو سلام کر کے اس کے پیچھے ہی اس کے کمرے میں گئی۔

"راحیل! تمہیں کیا ہو گیا ہے مجھے دیکھ کر بھی تم رکے نہیں۔"

"میں تھکا ہوا تھا۔"

وہ بیڈ پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔

"نہیں راحیل! کوئی اور بات ہے، تم مجھ سے خفا ہو کیا۔؟"

"نہیں۔" اُس کا چہرا بے تاثر تھا۔

"تو کیا تمہیں کوئی پریشانی ہے۔ کوئی آفس کا پرابلم ہے۔"

"نہیں۔" اُس نے جھک کر میز پر سے اخبار اٹھالیا۔ اور اسے دیکھنے لگا۔ وہ یونہی دروازے میں کھڑی تھی۔

"راحیل تم۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم تو میرے بہت مہربان دوست تھے۔"

اُس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ مگر اس نے آنسوؤں کو پلکوں تک نہ آنے دیا اور چپ چاپ کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی۔ کئی لمحے بے آواز گزر گئے۔ راحیل نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

"راحیل!" بالآخر ہار کر وہ اندر چلی گئی۔

"راحیل! میں نہیں مانتی کوئی بات ہے ضرور تمہارا یہ اجنبی رویہ۔"

"بڑی جلدی میرے رویے کا خیال آگیا تمہیں۔"

راحیل نے اخبار سے نظریں نہیں اٹھائیں۔

"نہیں تو میں تو بہت دنوں سے سوچ رہی تھی۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ سوچ سوچ کر تھک گئی تھی میں۔ راحیل ہم تو دوست تھے نا پھر تم۔"

"دوست تھے نا، ہیں تو نہیں۔"

"نہیں۔" اس نے تڑپ کر راحیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"پلیز راحیل! تم میری کسی بات پر خفا ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں سوری بولوں گی تم سے اور اگر

تمہیں کوئی اپنی پریشانی ہے تو بھی مجھے بتاؤ پلیز ہم دوست تھے، دوست ہیں ہمیشہ دوست رہیں گے۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ ہماری دوستی ہمیشہ اس طرح رہے گی۔"

"کچھ نہیں ہوا مجھے؟"

راحیل نے اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹادیا۔

"تم ابھی واپس جاؤ گے راحیل کھانا لے آؤں۔" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ممانی نے پوچھا۔

"نہیں امی! میں چھٹی لے کر آیا ہوں اور کھانا دیر سے کھاؤں گا۔"

"اور تم کوشی۔"

"نہیں مامی! میں اب بس گھر جاؤں گی۔ یونہی آپ کی خیریت معلوم کرنے آگئی تھی۔"

"اتنی گرمی میں واپس جاؤ گی شام کو چلی جانا۔"

"نہیں مامی! مجھے کچھ کام ہے اور پھر تین بجے تو مجھے ٹیوشن سینٹر جانا ہے۔"

"بہت کمزور ہو رہی ہو بیٹا! زیادہ نہ سوچا کرو۔ اللہ بہتری کرے گا۔"

"جی!" وہ راحیل کے قریب سے ہٹ آئی تو راحیل نے ذرا سا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں کی سطح گیلی گیلی سی تھی۔

"اور پتا نہیں حقیقت کیا ہے۔"

راحیل نے نگاہیں جھکا لیں۔

"اچھا مامی، خدا حافظ۔"

"خدا حافظ بیٹا! ایک دو روز میں چکر لگاؤں گی۔ عمار نے دوسری طلاق تو نہیں بھجوائی۔"

"نہیں۔" اس نے ہونٹ کاٹے۔

"تمہارے ماموں کہہ رہے تھے کہ آج وہ عمار کی طرف جائیں گے، شاید سمجھوتے کی کوئی صورت۔"

مامی اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسے بتانے

☆☆☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے نکلی تو اس کے سر میں سخت درد تھا اور اس پر بس کا انتظار۔ دھوپ میں کھڑے کھڑے درد کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ خدا خدا کر کے بس آئی تو اس نے شکر کیا۔

گھر جا کر تھوڑی دیر آرام کروں گی، پھر نہا کر فریش ہو کر ٹیوشن سینٹر جاؤں گی۔ ابھی صرف ایک بجا تھا اور اس کے پاس پورے دو گھنٹے تھے۔ مگر آرام اس کے نصیب میں نہیں تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا۔ اماں اتنی گرمی میں باہر تخت پوش پر بیٹھی تھیں اور ان کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

ندا ان کے پاس ہی چپ بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ تھیں۔ شاید وہ بھی رو رہی تھی۔ ثنا اور حسام تو اسکول میں ہوں گے۔ ندا آج شاید اسکول نہیں گئی تھی اور مہک، مہک یہاں ہے۔

"کیا ہوا اماں؟"

وہ کچھ نہ بولیں۔ البتہ ان کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے۔

"اماں پلیز کیا ہوا۔ مہک آپا تو ٹھیک ہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، ندا تم ہی کچھ بتاؤ۔

"عمار بھائی نے دوسری طلاق بھجوا دی ہے۔"

"نہیں۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"عمار بھائی ایسا نہیں کر سکتے انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے، میں ابھی پوچھتی ہوں ان سے، انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

وہ وہیں سے پلٹ پڑی۔

"سنو۔ کوشی کہاں جا رہی ہو، کیا فائدہ کچھ پوچھنے کا۔"

"نہیں اماں! میں ایک بار تو ضرور پوچھوں گی۔"

وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

"ارے دم تو لینے دیا ہوتا اسے، تھکی ہوئی آئی تھی۔"

انہوں نے ندا سے کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

عمار بے حد شرمندہ تھا۔

"سوری کوشی! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور میں اپنے وعدے پر قائم بھی تھا لیکن وہ تمہاری بہن، وہ پچھلے تین دن سے مسلسل مجھے فون کر کے ایسی ایسی باتیں کرتی تھی کہ میری غیرت اسے گوارا نہ کر سکی اس کا کہنا تھا کہ ابھی تک میں نے اسے دوسری طلاق کیوں نہیں بھجوائی۔"

"تو، تو آپا نے۔"

اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں، اس کی باتوں نے مجھے مشتعل کر دیا تھا، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کوشی!"

"کوئی بات نہیں عمار بھائی! آپ بھی آخر کیا کرتے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"میں بہت پریشان تھا۔ ایک تو صالحہ کی طبیعت ان دنوں بہت خراب رہنے لگی ہے اور اس پر مہک نے باتیں ہی ایسی کیں کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔"

"اب کوئی صورت ہو سکتی ہے۔"

اس نے پرامید نظروں سے عمار کی طرف دیکھا۔

"ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اگر وہ ایک ماہ کے اندر اندر واپس آ جائے تو۔

"تو میں کوشش کروں گی۔ عمار بھائی کسی طرح انہیں منا لوں۔"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے آفس سے باہر نکل آئی۔

اور مہک آپا تو کبھی بھی نہیں مانیں گی اگر انہوں نے دل میں تہیہ کر لیا ہے کہ انہیں عمار سے طلاق لینی ہے تو وہ لے کر رہیں گی اور میری ساری کوششیں بیکار ہیں۔

"سمن آباد۔ سمن آباد۔"

ویگن کا کنڈیکٹر اونچی آواز میں بول رہا تھا اور ویگن آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

ہاں راحیل! راحیل سے کہتی ہوں شاید مہک اس کی بات مان لے آج کل وہ راحیل کے کافی قریب ہے اور ثنا بھی تو بتا رہی تھی کہ کبھی کبھی راحیل بھائی اس کے عدم موجودگی میں آتے ہیں اور مہک آپا ان سے بہت خوش ہو کر ملتی ہیں۔

وہ وین میں سوار ہو گئی۔

راحیل یقیناً اس وقت آفس سے آ چکا ہوگا۔ مگر مگر پتا نہیں وہ مجھ سے بات بھی کرے گا یا

نہیں۔وہ تو مجھ سے خفا ہے کہ اس روز کے بعد پھر کبھی دکھائی ہی نہیں دیا اور وہ خود بھی تو اس روز کے بعد نہیں گئی تھی۔وہ اتنا بدل گیا تھا کہ دل کو یقین ہی نہیں آتا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کی منتظر رہتی تھی کہ کسی دن وہ آجائے گا اور کہے گا۔

"اوہو، سوری بھئی، میں تم سے خفا نہیں رہ سکتا۔یہ میرے بس کی بات نہیں ہے کوشی۔ بس اب ناراضگی ختم اور آئندہ خبردار تم مجھے ناراض نہ کرنا۔" اور وہ اس سے ڈھیر سارے شکوے کرے گی اور اپنی ساری پریشانیاں اس کے ساتھ شیئر کرے گی اور اس کے ساتھ بہت سارا لڑے گی، مگر اتنے سارے دن گزر گئے تھے، وہ نہیں آیا تھا۔ کیا اس کے دل میں سے نرمی اور محبت رخصت ہو گئی تھی۔

وہ یونہی سوچتی رہی، اس کا اسٹاپ آبھی گیا۔

"اترو بی بی!"

اور وہ اتر آئی۔ ہمیشہ کی طرح عقیل، شکیل اور مامی سب ہی اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔

"یہ کون سا وقت ہے گھر سے نکلنے کا عین دوپہر کے دو بجے۔"

عقیل نے اس سے پوچھا۔

"بس دل چاہا آگئے۔"

اس نے پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے۔

"تم لوگ کیا کر رہے ہو۔"

"آرام کر رہے تھے۔"

"آپ بھی آئیں، اندر ہیں آجائیں۔"

اے۔سی کی ٹھنڈک نے لمحہ بھر کے لیے اس کے اندر سکون اتار دیا اور اسے احساس ہوا کہ باہر واقعی بہت شدید گرمی ہے۔ عقیل اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آیا۔

"تم نے کیوں تکلیف کی عقیل۔"

"اب کیا کریں جب تک بیویاں نہیں آجاتیں یہ تکلیف ہمیں ہی کرنا ہے۔"

"امی! عقیل کی شادی کر دیں آپ بے چارہ ہر وقت روتا رہتا ہے۔"

شکیل نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"پہلے تو اپنے راحیل کی دلہن لاؤں گی۔"

انہوں نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو پھر جلدی لائیں راحیل بھائی تو کب کے برسرِ روزگار ہو گئے۔"

"ہاں تو اور کیا سال دو سال تو دلہن تلاش کرنے میں لگ جائیں گے۔"

عقیل بھی شرارت کے موڈ میں تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے تلاش کرنے کی۔میں نے اپنے راحیل کی دلہن تلاش کر رکھی ہے۔ تم اپنے لیے ڈھونڈ لو۔"

وہ مسکرائیں لیکن اس کا ذہن الجھا ہوا تا وہ ان کی باتوں سے محظوظ نہیں ہو رہی تھی۔

مامی کا اشارا اس نے سمجھ لیا تھا لیکن دل میں خوشی کی کوئی رمق نہیں اٹھی تھی۔

پتا نہیں۔پتا نہیں مامی جیسا سوچ رہی ہیں ویسا ہو بھی سکے گا یا نہیں۔یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی اور لڑکی۔ہاں کوئی اور لڑکی اس کی زندگی میں داخل ہو چکی ہو۔ جبھی تو۔ورنہ وہ اتنے دن تک مجھ سے خفا نہیں رہ سکتا تھا اور اگر ایسا تھا بھی تو اسے مجھ سے کہہ دینا چاہیے تھا۔اس طرح یوں بغیر بتائے دامن چھڑا لینا تو صحیح نہیں تھا۔کیا وہ نہیں جانتا کیا اسے خبر نہیں ہے کہ میں، میں تو اس کی کسی کی بھی چھوٹی سی خوشی کے لیے اپنی بڑی سے بڑی خوشی قربان کر سکتی ہوں۔وہ مجھ سے کہتا تو اپنا دوست تو سمجھتا۔

"یہ تو گئیں۔"

شکیل نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"چلو ہٹو۔میری بیٹی کو تنگ نہیں کرو۔ تھکی ہوئی آئی ہو گی۔لیٹ جاؤ بیٹا! تھوڑی دیر آرام کر لو۔"

انہوں نے تکیہ اس کی طرف بڑھایا۔

"مگر ابھی آدھ گھنٹے تک مجھے واپس جانا ہے۔آپ کو پتا تو ہے تین بجے مجھے۔"

"آدھ گھنٹہ تو آرام کر لو۔"

"اچھا!" اس نے نرم ملائم تکیے پر سر رکھا تو خود بخود آنکھیں بند ہونے لگیں وہ اندر سے کتنی تھکی ہوئی تھی، ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے اور اگر اس سارے عرصہ میں راحیل

اس کے ساتھ ہوتا اپنی باتوں سے اسے حوصلہ دیئے رکھتا تو شاید وہ اتنا نہ تھکتی۔

"راحیل آفس سے آگیا ہے۔"

اس نے بند ہوتی آنکھوں کو کھولا۔

"وہ تو آج آفس گئے ہی نہیں تھے۔ انہیں فلو ہو رہا ہے۔"

"اچھا!" وہ اٹھ بیٹھی۔

"مامی! آپ کو بتاؤں، عمار بھائی نے دوسری طلاق بھجوا دی ہے اور۔ اور میں آج اسی لیے آئی تھی کہ راحیل سے کہوں، وہ مہک آپا کو سمجھائیں شاید وہ ان کی بات مان لیں شاید وہ سمجھوتے پر تیار ہو جائیں۔"

"افسوس۔" مامی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"مامی! میں جاؤں راحیل کے پاس، وہ سو تو نہیں رہا ہوگا۔"

"نہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو جاگ رہے تھے۔"

عقیل نے بتایا تو وہ دوپٹہ درست کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

راحیل اپنے بیڈ پر بیٹھا کچھ فائلیں چیک کر رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے راحیل؟"

"ٹھیک ہوں تم کب آئی ہو؟"

"خلافِ توقع راحیل کے لہجے میں نرمی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔"

وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ راحیل نے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بے حد تھکی تھکی مضمحل اور نڈھال لگ رہی تھی۔

"راحیل!" اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"تم مجھ سے خفا ہو نا۔ میں جانتی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے ایسی کون سی ناقابلِ معافی غلطی ہو گئی ہے کہ تم، تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن میں پھر بھی تمہارے پاس چلی آئی ہوں اس یقین کے ساتھ کہ تم میری مدد ضرور کرو گے۔"

"کہو، کیا پرابلم ہے۔"

راحیل نے فائل بند کر دی اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ۔" اس نے لمحہ بھر کے لیے نظریں اٹھا کر راحیل کو دیکھا دونوں کی نظریں ملیں رشک نے فوراً اپنی نگاہیں جھکا لیں اور راحیل کا دل دکھی سا ہو گیا۔

یہ لڑکی اسے اس نے چاہا تھا۔ اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ اور اب بھی، اب بھی شاید وہ اس طرح اسے چاہتا تھا۔ یہ تو محض بدگمانی کے بادل تھے، جو اس کے دل پر چھا گئے تھے اور ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ اسے یوں نڈھال دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا۔

"عمار بھائی نے دوسری طلاق بھیج دی ہے۔"

"تو یہ تو ہونا ہی تھا جب پہلی بھیجی تھی تو دوسری بھی۔"

"نہیں، یہ نہیں ہونا تھا، عمار بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ چاہے کتنا عرصہ بیت جائے۔ کبھی تو، کبھی تو مہک آپا کو سمجھ آئے گی۔ مگر مہک آپا نے انہیں مجبور کر دیا۔ بار بار تقاضا کر کے۔"

وہ ایک ہی سانس میں یونہی بولتی چلی گئی۔

"تم راحیل پلیز، تم آپا کو سمجھاؤ وہ واپس پلٹ جائیں صالحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ عمار کو منا لے گی کہ وہ آپا کو الگ گھر میں رکھے، لیکن راحیل تم خود سوچو، یہ ظلم ہے عمار بھائی پر، اور ان کے بہن بھائیوں پر، پھر بھی اس عذاب سے بچنے کے لیے یہ ظلم۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔

اور یہ نازک سی معصوم لڑکی۔

راحیل کا دل چاہا، وہ اٹھ کر اس کے ان نظر نہ آنے والے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھ دے۔ اسے تسلی دے۔ وہ عجیب تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ مہک کہتی تھی کہ عمار کوشی کو پسند کرتا ہے اور کوشی بھی عمار کی تعریفیں کرتی ہے اور عمار اس لیے اس کے ساتھ سمجھوتا نہیں کرتا۔ اس کی بات نہیں مانتا کہ وہ کوشی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور خود اس نے کوشی کو عمار کے دفتر میں دیکھا تھا۔ وہ اس سے ملتی رہتی تھی باوجود اس کے کہ اس نے اس کی بہن کو طلاق بھجوا دی تھی۔ اور اب کوشی کہہ رہی تھی کہ وہ مہک کو سمجھائے کہ وہ صلح کر لے پلٹ جائے۔

پتا نہیں سچ کیا ہے اور حقیقت کیا ہے۔
کبھی کبھی آنکھیں وہ کچھ دیکھتی ہیں جو سچ نہیں ہوتا۔ اور کبھی کبھی دکھائی نہیں پڑتا۔

"راحیل پلیز، تم سمجھاؤ گے نا مہک آپا کو، وہ اپنا گھر مت برباد کریں، یہ سب اچھا نہیں ہے راحیل۔"

"سمجھاؤں گا۔" راحیل نے وعدہ کیا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو راحیل۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راحیل کا دل چاہا وہ اسے روک لے، منا لے اور اتنے دنوں کا غبار نکال لے اس سے سب سچ کہہ دے، وہ سب جو مہک نے بتایا تھا اور وہ سب جو اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا اور اس سے کہے کہ۔

"کوشی میرے دل پر چھائے بدگمانی کے ان بادلوں کو ہٹا دو، میرا دم گھٹنے لگا ہے کوشی، حقیقت کیا ہے سچ کیا ہے، مجھ سے کہہ دو اور میرے دل پر دھرا بوجھ کم کر دو۔"

"سنو!" وہ بے اختیار اسے پکار بیٹھا۔

رشک نے مڑ کر دیکھا۔

"میں رات کو آؤں گا اور مہک سے بات کروں گا۔"

"شکریہ!" اس نے پھر زیرِ لب کہا اور مامی کے کمرے میں جھانکا۔

"اچھا مامی! میں جا رہی ہوں۔"

"ٹھہرو، عقیل تمہیں چھوڑ آتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

عقیل کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جائیں گی ٹیوشن سینٹر؟"

"نہیں، پہلے گھر جاؤں گی۔ اماں کو فکر ہو گی اور تم اس گرمی میں تکلیف نہ کرو۔ میں چلی جاؤں گی۔ اس وقت تو رش بھی نہیں ہو گا۔"

"آہا۔ بڑا تکلف برتا جا رہا ہے۔"

اس نے ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

"اپنی ہونے والی بھابی کا اتنا خیال بھی ہم نہ کریں تو پھر......"

اس نے تقریباً اس کے کان میں سرگوشی سی کی، مگر وہ مسکرائی نہیں۔ بس یونہی سر جھکائے اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"خدا کرے مہک راحیل کی بات مان لے۔"

سارے رستے میں وہ زیرِ لب دعا مانگتی رہی۔ عقیل پتا نہیں اپنی دھن میں کیا کیا کہتا جا رہا تھا اس نے دھیان سے کچھ بھی نہ سنا۔ بس یونہی ہوں ہاں کرتی رہی اور مہک کے لیے دعا مانگتی رہی۔

مگر۔

اس کی دعائیں درِ قبولیت تک نہ پہنچ سکیں۔

راحیل کا سمجھانا بے اثر رہا۔

اماں کے آنسو اسے مجبور نہ کر سکے۔

"آپ نے بہت تنگ کیا مجھے تو میں گھر چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں گی۔"

اس نے دھمکی دی اور اماں ڈر گئیں اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔

جوان اور خوبصورت، گھر سے نکل کر جانے کن ہاتھوں میں پڑتی۔ اب گھر میں تو تھی۔ شاید اس کا نصیب یہی ہے۔

اماں نے دل پر پتھر رکھ کر تقدیر کا فیصلہ مان لیا۔

ایک ماہ کی مقررہ مدت گزر گئی۔

رشک بے چین سی پورے گھر میں پھرتی رہی۔ ادھر سے ادھر، ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں۔ اب بھی، اب بھی اگر، ابھی ڈور کا ایک سرا ہاتھ میں ہے۔

"مہک آپا!" اس نے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔

"آپ نے عمار بھائی کے ساتھ اتنا عرصہ گزارا آپ کو دکھ نہیں ہو گا۔"

"کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں۔"

مہک نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈائجسٹ نیچے رکھ دیا اور رشک کو دیکھنے لگی۔

"تو پھر، تو پھر عمار بھائی سے صلح کر لیں۔"

"صلح کر لوں۔ بھولی لڑکی تمہارے عمار بھائی مجھے دو طلاقیں بھیج چکے ہیں اور تیسری

آج کل میں آنے والی ہوگی۔"

"لیکن، لیکن ایک صورت ہے آپا۔ میں نے کچھ دن ہوئے پڑھا تھا کہ اگر مقررہ مدت کے درمیان عورت سے رجوع نہ کرے اور ابھی مرد نے تیسری طلاق نہ ڈالی ہو اور عورت واپس جانا چاہے تو دوبارہ نکاح ہوگا اور یہ دونوں طلاقیں باقی رہیں گی اور پھر جب کبھی مرد نے ایک طلاق دی تو تینوں طلاقیں۔"

"بس کرو کوشی۔ اتنا مزے کا افسانہ پڑھ رہی تھی اور اب تم میرے اور عمار کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔ میں بچی نہیں ہوں۔ اپنے لیے بہتر سوچ سکتی ہوں اور اگر تمہیں عمار کی فکر ہے تو پھر جا کر اسے تسلی دو مجھے نہ واپس جانا ہے اور نہ۔"

وہ عورت کانپتی ہوئی اس کے پاس سے اٹھ آئی اور اماں کی گود میں سر رکھ کر بے تحاشا روئی۔

چند دن بعد تیسری طلاق آگئی۔

"چلو زندگی کا ایک باب ختم ہوا۔"

وہ ایک بے انتہا اچھا شخص جو مہک کے حوالے سے اس گھر میں داخل ہوا تھا اس سے ہمیشہ کے لیے ہر تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ سارے گھر پر بے انتہا افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ کسی کا کچھ کھانے پکانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ حسام بھی بے حد خاموشی سے ایک طرف بیٹھا اپنا ہوم ورک کر رہا تھا۔ ندا اور ثنا کی آنکھوں میں بار بار آنسو آجاتے تھے۔ اماں ایک طرف چپ لیٹی تھیں اور وہ اماں کے پلنگ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔

اس گھر کا ہر فرد بے چین اور مضطرب تھا۔

سوائے مہک کے جو بے حد مطمئن اور پرسکون سی ایک طرف بیٹھی فیشن میگزین سے جو وہ پڑوس سے مانگ کر لائی تھی، ڈیزائن دیکھ رہی تھی۔

اس سکوت کو ممانی اور راحیل کی آمد نے توڑا۔

"جو ہوا، برا ہوا۔"

انہوں نے اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔"

اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں اس کی تقدیر ہی خراب تھی۔"

انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"راحیل کے ابو تو عمار کے خاندان کی بہت تعریف کرتے تھے۔"

ممانی نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔

"انہوں نے تو اپنی طرف سے اچھا کیا تھا۔ لیکن وہ تم سے بہت شرمندہ ہیں۔"

"نہیں، نہیں بھلا اس میں دلدار بھائی کا کیا قصور ہے۔ ہماری تقدیر ہی بری تھی جو نباہ نہ ہو سکا۔"

"وہ سب لوگ تو۔"

رشک نے مہک کی طرف دیکھا جس نے اب میگزین بند کر دیا تھا اور راحیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو حسام کی ہوم ورک کی کاپی دیکھ رہا تھا۔

"وہ سب لوگ تو بہت اچھے تھے مامی۔ صالحہ، کلثوم خالہ، بہت پیار کرنے والے لوگ تھے۔ اور عمار بھائی بھی بہت اچھے تھے۔ بس آپا کا نصیب۔" رشک نے تاسف سے ہاتھ ملے۔

"ہاں ہاں، وہ سب بہت اچھے تھے، میں ہی بری تھی، بری ہوں۔"

مہک نے غصہ سے میگزین فرش پر پٹخ دیا۔

"تم ان کی تعریف نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔ عمار بھی تو ہر وقت تمہارے ہی گن گاتا رہتا تھا۔ کوشی ایسی ہے، کوشی ویسی ہے۔ ہاں میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی بھی عورت برداشت نہیں کر سکتی۔ اور کس کا دل چاہتا ہے اپنا گھر اجاڑنے کو، اور تم جو بھاگ بھاگ کر جاتی تھیں، کبھی صالحہ کی مزاج پرسی کو، کبھی میری خبر لینے کے بہانے اور کبھی۔"

"نہیں۔" رشک نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہنا چاہا۔

"خدا کے لیے اتنے بڑے بڑے جھوٹ مت بولو۔"

لیکن آواز اس کے حلق میں ہی پھنس گئی۔ راحیل کبھی اس کی طرف دیکھتا تھا کبھی مہک کی طرف، جو مسلسل بولے چلی جا رہی تھی۔

"وہ سب صرف تمہارے لیے اچھے تھے میرے لیے نہیں۔ اس لیے عمار صرف

تمہاری تعریف کرتا تھا۔"

اور پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

اور کچھ لوگ کس طرح جھوٹے آنسو بہا لیتے ہیں۔ اور اس کی آنکھیں تو شدتِ غم سے خشک ہو گئی تھیں۔ ہونٹ لرز رہے تھے مگر آواز گھٹ گئی تھی۔

اماں بھی ساکت بیٹھی تھیں۔ انہوں نے بے بسی سے رشک کی طرف اور پھر سب کی طرف دیکھا اور مدھم آواز میں بولیں۔

"نہیں بیٹا! اس طرح مت کہو۔ کوشی تمہاری دشمن نہیں ہے نہ تھی، وہ تو تمہارا بسا گھر دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ تو تم سے زیادہ دکھی ہے۔ تمہارے اجڑنے پر...... رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا۔" لیکن وہ یونہی اونچی اونچی آواز میں روتی رہی۔

اور ابا نے کہا تھا۔

"اس کا دل بہت چھوٹا ہے بیٹا! تم اپنا دل بڑا کرنا۔ کتنا بڑا ابا۔ کتنا بڑا دل کر لوں میرا دل تو پھٹ جائے گا۔"

اس نے سسکی لی اور بغیر اپنی صفائی میں ایک لفظ کہے لرزتے قدموں سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

فائنل ایگزام بالکل قریب تھے اور رشک کو لگتا جیسے اسے کچھ بھی نہ آتا ہو جیسے وہ یہ ایگزام کبھی نہ دے پائے گی۔ یہ چند ماہ بڑے اضطراب اور بے چینی کے عالم میں گزرے تھے۔ بظاہر سب کچھ معمول پر آ گیا تھا۔ ایک حادثہ ہو کر گزر گیا تھا۔ اماں بھی زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھیں۔

مہک اپنے کمرے میں گھسی دن بھر رسالے پڑھتی اور کبھی کبھار شام کو دلدار ماموں کے ہاں یا پڑوس میں اپنی کسی سہیلی کے ہاں چلی جاتی۔

اس کا وہی معمول تھا۔

یونیورسٹی گھر اور پھر شام تین بجے سے پانچ بجے تک ٹیوشن سنٹر اور ٹیوشن سنٹر سے واپسی پر بچیاں اس کے پاس پڑھنے آ جاتیں۔ اس کے پاس وقت تھا ہی نہیں کہ وہ کچھ سوچتی اپنے لیے، اپنے متعلق مگر پھر بھی اس کا ذہن الجھا رہتا تھا۔ گھر میں اس روز کے بعد کبھی عمار کا

یا ان کے گھر کے کسی فرد کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ عمار نے حق مہر کی رقم اور مہک کا جہیز خود ہی گھر بھجوا دیا تھا اور اس روز کے بعد سے اس کی عمار سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

وہ تعلق وہ رشتہ ہی ٹوٹ گیا تھا جس ناتے وہ عمار سے ملتی تھی۔

ہاں کبھی کبھی اسے عمار کا خیال ضرور آتا صالحہ اور کلثوم کے لیے بھی وہ سوچتی۔ کتنی پیاری اور محبت کرنے والی لڑکیاں تھیں۔ مہک کے ناروا سلوک کے باوجود چاہتی تھیں کہ ان کے بھائی کا گھر بسا رہے اور راحیل، راحیل کو تو وہ ہر لمحہ سوچتی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے راحیل سے باتیں کیے صدیاں بیت گئی ہوں، کیسی اجنبیت در آئی تھی ان کے درمیان کبھی آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو رسمی سی بات ہوتی، خدایا کیا کروں، کئی بار اس کا جی چاہا کہ وہ راحیل سے کہے کہ مہک نے جو کچھ کہا تھا سب جھوٹ تھا۔ اس میں کہیں کوئی کچھ سچ نہ تھا اور یہ کہ وہ اس کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر سکتی، کسی روز اس کا دماغ پھٹ جائے گا مگر وہ صرف سوچ کر رہ جاتی تھی۔

راحیل آ کر چلا جاتا۔ اسے خبر بھی نہ ہوتی دلدار ماموں کے ہاں جاتی، تب بھی سوچتی رہ جاتی اور واپس آنے کا وقت ہو جاتا اور شاید وہ راحیل سے کبھی بات نہ کر سکے گی اور شاید یہ فاصلے کبھی ختم نہ ہوں گے جو خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ پتا نہیں کیوں۔

وہ تو ایک دوسرے کے دل کی بات سمجھتے تھے، انہیں تو ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی، پھر۔

"آج سردی کافی ہے۔" سمیرا نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔

"ہاں، شاید بارش بھی ہو گی۔"

اس نے کھلے دروازے سے باہر جھانکا۔

اس وقت وہ دونوں لائبریری میں بیٹھی تھیں کچھ اور طلبا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ امتحان نزدیک ہونے کی وجہ سے لائبریری میں معمول کے مقابلے میں زیادہ لوگ تھے۔ وہ کچھ ضروری نوٹس بنانے آئی تھی۔ لیکن ایک لفظ بھی نہ لکھ پائی تھی۔

"میرے خیال میں اب چلنا چاہیے۔ بارش ہو گئی تو پھر مشکل ہو جائے گی۔"

سمیرا کھڑی ہو گئی۔

"ہاں، لیکن ابھی تھوڑا سا کام کرنا ہے۔ آج ٹیوشن سنٹر سے چھٹی لے لی تھی۔ یہ نوٹس مکمل کر کے ہی جاؤں گی۔"

"اچھا پھر خدا حافظ۔"

سمیرا چلی گئی تو اس نے خیالات کو ذہن سے جھٹک کر نوٹس بنانے کی کوشش کی۔ اسے شیکسپیئر کے ڈراموں پر تنقیدی نوٹ تیار کرنا تھا۔

وہ بہت دیر تک لکھتی رہی کاٹتی رہی۔

"رشک، رشک ماہ۔"

کسی نے بہت نرمی سے بالکل قریب سے آہستگی سے پکارا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

کامل رضا بٹ اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں مخصوص چمک تھی اور چہرے پر وہی جامد چپ۔

"کیسی ہیں آپ۔"

"فائن۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"مگر فائن لگتی تو نہیں۔"

وہ اس کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیا آپ کچھ بیمار رہی ہیں۔"

"نہیں، نہیں تو۔ آپ کیسے ہیں۔ کہاں رہے اتنا عرصہ نظر ہی نہیں آئے اور خدیجہ کیسی ہیں۔ ماں جی تو اچھی ہیں۔"

"آپ نے ایک ہی سانس میں اتنے ڈھیر سارے سوال کر ڈالے۔"

وہ مسکرایا تو اسکی آنکھوں میں اپنائیت کے جگنو سے چمکے۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"اور کہاں رہا تو کبھی کبھی کشمیر چلا جاتا تھا۔ یونیورسٹی بھی آتا رہا ہوں۔ اب امتحان سے فارغ ہو کر ہی جاؤں گا۔ خدیجہ اور ماں جی اچھی ہیں۔ خدیجہ آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔ آپ پھر کبھی آئیں ہی نہیں۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا کبھی خدیجہ کو لائیں۔ آپ لائے ہی نہیں۔ میرا ٹائم ٹیبل

دراصل کچھ ایسا ہے کہ وقت ہی نہیں بچتا۔ ورنہ ضرور جاتی۔"

"اور میں بھی زیادہ تر کشمیر میں رہا۔"

"آپ کشمیر کیوں جاتے ہیں۔"

"بس یونہی، مجھے کشمیر اچھا لگتا ہے۔"

"میرا بھی دل چاہتا ہے کبھی دیکھوں، میرے ابا کا تعلق بھی کشمیر سے ہی تھا۔" رشک نے بتایا۔

"آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بس ٹھیک ہی ہے۔"

"ایم۔اے کے بعد کیا ارادہ ہے۔"

"ظاہر ہے جاب کروں گی میرا ارادہ لیکچررشپ کے لیے اپلائی کرنے کا ہے لیکن رزلٹ سے پہلے کوئی بھی چھوٹی موٹی جاب مل گئی تو کر لوں گی۔ میں نے شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائٹنگ کا کورس کیا ہوا ہے۔ اور میری رفتار بھی اچھی ہے۔"

اس نے تفصیل سے بتایا۔

اُسے کامل سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ اس شخص کا چہرا کوئی تاثر نہیں دیتا تھا لیکن اس کی آنکھیں اپنائیت سے تکتی تھیں یوں کہ دل چاہتا آدمی اپنے دل کا سارا بوجھ اس کے سامنے ہلکا کر دے۔

"سوری میں مخل ہوا۔ آپ شاید کچھ نوٹس بنا رہی تھیں۔"

"نہیں بس اب گھر جانے ہی والی تھی۔ موسم بہت خراب ہو رہا ہے۔"

"چلیں اکٹھے چلتے ہیں۔ مجھے بھی ہاسپٹل جانا ہے۔"

"خیریت!" فائل بند کر کے وہ کھڑی ہو گئی۔

"میری کزن ایڈمٹ ہے وہاں۔ بچپن سے ہی اس کے دل میں سوراخ تھے دو بار آپریشن ہوا سوراخ فل بھی کیے گئے۔ لیکن پچھلے کئی ماہ سے اسے ہارٹ کی تکلیف ہے۔ پندرہ دن سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔"

"اوہ!" رشک کو افسوس ہوا اور پتا نہیں کیوں اسے صالحہ کا خیال آگیا۔ اس کے دل میں

بھی سوراخ تھے۔ پتا نہیں کیا بات تھی یہ لوگ اسے بھولتے کیوں نہیں تھے۔ حالانکہ اب کیا تعلق رہ گیا تھا۔ جو وہ انہیں یاد رکھتی۔"

"رشک! ایک بات پوچھوں۔"

اُس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کامل رضا نے آہستگی سے کہا۔

"پچھلے کئی ماہ سے جب بھی میں نے آپ کو دیکھا آپ بہت پریشان نظر آئیں کئی دفعہ تو یہاں باہر لان میں، میں نے آپ کو اردگرد سے بالکل بے خبر بیٹھے دیکھا۔ ایک بار تو میں آپ کے پاس کھڑا رہا لیکن آپ کو میری موجودگی کا علم ہی نہیں ہوا۔ کوئی بات ہے جس نے آپ کو اندر ہی اندر پریشان کر رکھا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ اپنا مسئلہ شیئر کر لیں۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی بھی کسی کا دکھ نہیں بانٹ سکتا۔ یہ محض باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن شاید آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔"

اُس کی آنکھیں جھلملانے لگیں مگر وہ سر جھکائے اس کے ساتھ چلتی ہوئی اسٹاپ تک آگئی۔ اسے خاموش دیکھ کر کامل نے پھر کہا۔

"میں آپ کی پریشانی جانے بغیر ایک بات آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ جو پریشانی مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ اسے آپ ٹال نہیں سکتیں، ہم لوگ زیادہ پریشان اس لیے ہوتے ہیں کہ ہم حقیقتوں کو قبول نہیں کرتے، اگر ہم حقیقتوں کو قبول کر لیں تو شاید کوئی دکھ ہمیں زیادہ بڑا نہ لگے ہمیں کسی حادثے پر اتنی زیادہ تکلیف نہ ہو، اذیت نہ ہو۔"

"حقیقت کو قبول کرنے کے باوجود بھی کسی حادثے کی اذیت اور تکلیف کم تو نہیں ہو سکتی۔"

اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر کامل کی طرف دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ بتائیں آپ اس حقیقت کو قبول کر چکے تھے کہ آپ کے بابا زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے، تو پھر کیا، آپ کو ان کی موت کا دکھ نہیں ہوا۔"

کامل نے اعتراف کیا

"میں نے بھی حقیقت کو قبول کر لیا ہے لیکن اس حقیقت کا دکھ کم نہیں ہوتا۔"

"آپ کے ساتھ کیا ہوا رشک پلیز مجھے اپنا دوست سمجھیں اور میرے خلوص پر یقین

رکھیں۔"

"میرے ساتھ، میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

اُس نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر...... بے بسی سے کامل کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں، میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں چلتا۔"

"مجھے اتنا پتا ہے کہ آپ کے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور آپ گھر کی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ پہلے تو آپ بہت بہادر نظر آ رہی تھیں۔ اب بھی اسی بہادری سے یہ ذمہ داریاں سنبھالیں نا۔ کیا تھک گئی ہیں۔"

"نہیں، میں ذمہ داریوں سے تو نہیں تھکی۔"

"پھر؟"

"پھر، میری بہن کو طلاق ہو گئی ہے۔ اور اس حادثے کا دکھ میرے دل سے جاتا نہیں۔"

"اوہ! بہت افسوس ہوا کیا آپ کو یہ خوف ہے کہ اس حادثے کا اثر آپ کی بہنوں کے مستقبل پر بھی ہو گا۔"

"شاید میرے لاشعور میں یہ بھی ہو۔"

اس نے زیرِ لب کہا اور جاتے ہوئے رکشہ کو روکتے ہوئے سوچا۔

"اس سے ایک بڑا دکھ اور بھی ہے جو کانٹا بن کر چبھتا رہتا ہے اور میں تمہیں کیا بتاؤں کامل رضا بٹ یہ دکھ سارے دکھوں سے بڑا ہے۔ راحیل کی بے اعتنائی کا دکھ۔

اس کے بدل جانے کا دکھ

وہ واقعی بدل گیا تھا۔

ابھی چند دن پہلے ہی تو اس نے اسے وہ رقم لوٹائی تھی، جو نیلم کے سیٹ کے لیے لی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

اس نے لفافہ ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ ادھار جو ایک بار ایک دوست نے ایک دوست سے لیا تھا۔"

اس نے جھکی جھکی نظروں سے کہا تھا اور راحیل نے بنا کچھ کہے لفافہ لے کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"آپ تو۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہاں جانا ہے صاحب؟"

رکشہ والے نے پوچھا۔

"پہلے گلبرگ کی طرف چلو، فردوس مارکیٹ کے پاس اتار دینا۔ اور پھر سروسز ہاسپٹل تک جانا ہے۔"

"آپ تو غالباً راحیل کی فیانسی ہیں اور آپ کے لیے تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں بنے گا۔"

"پتا نہیں کچھ مسئلہ ہے یا نہیں۔"

"سوری! میں آپ کے پرسنل معاملات میں دخل دے رہا ہوں۔"

اس نے معذرت کی اور سوچا۔

"کوئی بات ہے ضرور، جو اس بے حد دلکش اور پیاری لڑکی کو ڈسٹرب کیے ہوئے ہے۔ طلاق والے حادثے سے بھی کوئی بڑی بات۔ یقیناً راحیل اوہ نہیں اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کے جرم کی سزا کسی کو نہیں ملنا چاہیے۔"

"راحیل آج کل یہاں ہی ہے؟"

"ہاں شاید!"

"بہت مصروف ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب کے ہاں بھی نہیں آتا۔ پہلے تو بہت دلچسپی لیتا تھا۔ ان کی تنظیم میں باقاعدہ ممبر نہیں تھا لیکن خواجہ صاحب اس کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے۔"

وہ خاموش ہی رہی۔

اور پھر تمام راستے...... کوئی بات نہ ہوئی اور وہ فردوس مارکیٹ کے پاس اس کا شکریہ ادا کر کے اتر گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے مہک کی ہنسی کی آواز آئی۔

"مہک ہر وقت کتنا خوش رہتی ہے اور کتنی مطمئن جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔"

اس نے سوچا۔

ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی اور بھی تھا شاید، مگر کون۔

"کوثی آپا آ گئیں۔"

ہمیشہ کی طرح ثنا نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانک کر اسے دیکھا اور نہ جانے کیسے اطلاع دی شاید ندا کو۔ وہ کچن کی طرف ہی چلی آئی۔ دونوں مصروف تھیں۔ ثنا چائے بنا رہی تھی اور ندا جلدی جلدی ٹرالی میں چائے کا سامان رکھ رہی تھی۔

"ندو! کون آیا ہے؟"

"آپ نے باہر راحیل بھائی کی گاڑی نہیں دیکھی۔"

"نہیں، شاید پیچھے کی طرف پارک کی ہو۔ راحیل آیا ہے؟"

"ہاں اور مامی بھی ہیں۔"

"اچھا۔" وہ وہیں چوکی پر بیٹھ گئی۔

"ثنی! مجھے ایک کپ چائے دے دینا۔"

"پتا ہے آپا!" ثنا نے اس کی طرف چائے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مامی، راحیل بھائی کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔"

"اچھا!" وہ بے دھیانی میں چائے کی پیالی کو دیکھ رہی تھی۔

"اور اماں نے کہا ہے کہ وہ آپ سے پوچھ کر بتائیں گی۔"

"مجھ سے پوچھ کر کیوں؟" اس نے یونہی بے دھیانی سے کہا۔

"راحیل بھائی کی شادی آپ ہی سے تو ہونا ہے۔"

"مجھ سے۔" اس نے پیالی زمین پر رکھ دی۔

"نہیں تو راحیل بھلا مجھ سے شادی کیوں کرے گا۔ وہ تو خفا ہے مجھ سے۔" اس نے سوچا۔

"اور شاید اس نے کسی اور لڑکی سے۔"

"آپ سے نہیں تو اور کس سے۔"

ثنا نے شوخی سے کہا۔ ندا بھی مسکراتی ہوئی ٹرالی لے کر چلی گئی۔

"نہیں شو! مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔ مجھے تو۔"

"آپ کے امتحان کے بعد ہی شادی ہوگی، دراصل والد ار ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

"کیا ہوا انہیں؟"

"انہیں ڈاکٹر نے انجائنا بتایا ہے۔"

"اچھا۔" اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔

"وہ چاہتے ہیں، راحیل بھائی کی خوشی وہ دیکھ لیں۔"

"خدا ماموں جان کو لمبی زندگی دے۔"

اس نے زیر لب دعا کی۔

"اور اگر میں نے شادی کرلی تو ان کا کیا ہوگا ان سب کا اور میں نے ابا سے وعدہ کیا تھا کہ۔"

وہ یونہی سوچتی رہی اور چائے ٹھنڈی ہوگئی۔

"کوشی آپا!" ندا نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے اسے آواز دی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"مامی آپ کا پوچھ رہی تھیں۔"

"اچھا۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

ممانی نے محبت سے اسے گلے لگایا۔

"بہت دنوں سے تم نے چکر نہیں لگایا بیٹی کیسی ہو اب؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ ہولے سے بولی اور نگاہ اٹھا کر راحیل کی طرف دیکھا جو نہ جانے مہک سے کیا کہہ رہا تھا اور مہک ہنسے جا رہی تھی۔ راحیل کی نگاہیں بھی اس سے ملیں۔ اس نے سر کے اشارے سے سلام کیا۔ اور اماں کے پاس بیٹھ گئی۔

"بھئی، تم میری بیٹی کا خیال نہیں رکھتی ہو۔"

ممانی نے پیار بھری شکایت کی۔

"دیکھو تو رنگت کیسی ہو رہی ہے۔"

ماں نے بھی غور سے اسے دیکھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے کوشی؟"

"جی اماں!"

"دودھ پیا کرو اتنی محنت کرتی ہو۔"

ممانی نے پھر نصیحت کی تو وہ مسکرا دی۔

بادل زور سے گرجا اور پھر یکدم بارش شروع ہوگئی۔

"ارے صحن میں کپڑے۔"

اماں نے کہا تو وہ کھڑی ہوگئی۔

"آپ بیٹھیں میں اتارتی ہوں۔"

وہ باہر آکر تار سے کپڑے اتارنے لگی اور کپڑے برآمدے میں بچھے تخت پوش پر ڈھیر کر کے وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی اور بارش کے قطروں کو ایک ترتیب سے گرتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"رشک!" کتنے سارے دنوں کے بعد راحیل نے اسے اس طرح پکارا تھا۔ اس لہجے میں۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

"شاید یہ خواب ہے۔"

"رشک!" راحیل نے پھر پکارا تو اس نے آنکھیں کھول کر پیچھے دیکھا۔ راحیل نہ جانے کب باہر آگیا تھا۔

"تم یہاں اتنی سردی میں باہر کیوں بیٹھی ہو؟"

"یونہی۔" وہ پھر سامنے دیکھنے لگی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔"

"اچھی۔" راحیل لمحہ بھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ جس پر ملال کے بادل چھائے تھے۔ اور اس کی خوبصورت آنکھیں جو بجھی بجھی سی لگ رہی تھیں۔

وہ اتنی سنجیدہ تو کبھی بھی نہ تھی۔ پھر اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہے۔ عقیل بھی تو کہہ رہا تھا اور شکیل بھی بلکہ شکیل تو کہہ رہا تھا کہ ضرور میں نے ہی اسے کچھ کہا ہے اور شاید

انجانے میں، میں اس پر زیادتی کر رہا ہوں۔

"رشک!" وہ اس کے اور قریب چلا آیا۔

"سنو رشک! مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں بہت ضروری باتیں۔ میرے اندر بہت غبار بھرا ہے میں کسی بھی اہم فیصلے سے پہلے سب کچھ کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔

سب کچھ جاننا چاہتا ہوں

"کیا سب کچھ جاننا چاہتے ہو؟"

اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔" راحیل نے آہستگی سے کہا۔

"لیکن مجھے تم سے باتیں کرنا ہیں رشک تم کل یونیورسٹی سے ہمارے گھر آنا میں انتظار کروں گا اور اگر تم نہ آئیں تو میں سمجھوں گا کہ تم۔"

پھر وہ بات ادھوری چھوڑ کر واپس چلا گیا اور وہ وہاں ہی بیٹھی بارش کے برستے قطروں کو دیکھتی رہی۔

"راحیل آخر کیا جاننا چاہتا ہے۔"

اس نے ہاتھ آگے پھیلا کر بارش کے چند قطروں کو اپنی ہتھیلی پر سنبھال لیا۔

"کیا اسے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"یقیناً کوئی غلط فہمی ہی تھی، جس نے اتنے عرصہ سے اسے مجھ سے دور کر رکھا ہے۔ اجنبی بنا دیا ہے۔ ورنہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مجھ سے اتنا دور چلا جاتا۔ اتنا اجنبی ہو جاتا۔ وہ تو میرا ایسا دوست تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر میں رو سکتی تھی جس سے اپنے دل کی ساری باتیں کر سکتی تھی۔

اور اب ایسا لگتا ہے جیسے دل سے دل کی باتیں کیے صدیاں بیت گئی ہوں۔ جیسے دل پر بوجھ بہت ہو جیسے میں کچھ گم کر بیٹھی ہوں۔ اور جیسے دل کی دھڑکن ڈوب رہی ہو، جیسے دل پر بوجھ بہت ہو۔

اور آپ یہ بوجھ سارے کا سارا اتار پھینکوں گی۔ خوب لڑوں گی اس سے، سب کچھ میں نے تنہا سہا ہے۔ اکیلے۔

عمار بھائی اور مہک آپا کی علیحدگی کا دکھ۔

عمار بھائی کا غم۔

صالحہ کی بیماری۔

کامل کے بابا کی موت۔

کتنی بہت ساری باتوں کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا اس کے اندر، اور اب وہ یہ ساری باتیں اس سے کرے گی۔ اسے بتائے گی کہ کیا کیا کچھ اس نے تنہا جھیلا ہے۔

اور اس نے آپا کا گھر بچانے کے لیے کتنی کوششیں کی تھیں مگر سب رائیگاں اور بیکار۔

راحیل کے متعلق سوچتے سوچتے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور بجھی بجھی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھے۔

"آپا!" ندا نے کچن سے آواز دی۔

"نمونیہ ہو جائیگا۔"

اس نے چونک کر دیکھا اس کے ہاتھ نیلے ہو رہے تھے اور بارش کے چھینٹے اسے بھگو رہے تھے۔

وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے پوچھا

"ندو! کچن میں کوئی کام ہے۔"

"نہیں، میں اور ثنی مل کے سب کر لیں گے آپ آرام کریں تھوڑی دیر، راحیل بھائی اور مامی کھانا کھا کر جائیں گے، راحیل بھائی نے دال چاول پکانے کے لیے کہا ہے۔"

"اچھا۔ شکریہ ندو۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ کمرے میں آتے ہی وہ آنکھیں بند کر کے یوں سوئی جیسے ہفتوں بعد سوئی ہو ندا دوبارا اسے جگانے آئی تھی پھر مامی نے ہی منع کر دیا۔

"رہنے دو، نہ جانے کب کی تھکی ہوئی ہے۔"

"ہاں آپا آج کل بہت کم سوتی ہیں۔ رات کو بھی دیر تک جاگتی ہیں۔" ثنا نے بتایا۔

"مہک آپا کی نیند کے خیال سے وہ ڈرائنگ روم میں آجاتی ہیں اور دیر تک لائٹ جلتی رہتی ہے۔"

"خدا اسے کامیاب کرے۔"

ممانی نے خلوص دل سے دعا کی۔

اور پھر رشک کو پتا ہی نہ چلا کہ کب وہ لوگ گئے اس کی آنکھ صبح ہی کھلی تھی۔ سر کچھ بھاری ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ اماں چائے بنا رہی تھیں۔

"اماں! رات مامی اور راحیل کب گئے تھے۔"

"کافی دیر سے شکیل اور عقیل بھی آگئے تھے اور تمہارے ماموں بھی۔"

"آپ نے مجھے جگا دیا ہوتا۔"

"تم اتنی گہری نیند سو رہی تھیں۔"

"مامی کیا کہتی ہوں گی۔"

اماں سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"ارے تمہاری مامی نے تو خود منع کر دیا تھا۔ بہت محبت کرتی ہیں تم سے ان کا بس چلے تو تمہیں آج ہی گھر لے جائیں۔ مگر تمہارے ماموں نے صرف نکاح کے لیے کہا ہے۔ تمہارے امتحان کے بعد نکاح ہو جائے گا اور رخصتی پھر سہی دو سال بعد۔"

"مگر اماں ابھی تو۔"

"راحیل اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانا چاہتا ہے اور تمہارے ماموں چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے۔ انہیں مہک کے اجڑنے کا بہت دکھ ہے۔ وہ تمہارا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔"

"مہک کے اجڑنے کا دکھ۔

"کیا وہ مہک کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔"

اس نے چائے پیتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا۔

"اماں آپ نے ماموں سے مہک آپا کے لیے نہیں کہا۔"

"ارے میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں خود ہی بہت فکر ہے تمہاری آپا کے لیے کئی لوگوں سے کہہ رکھا ہے۔ انہوں نے۔ ایک لڑکے کا بتایا تو ہے کسی نے عمر تھوڑی

زیادہ ہے مگر پیسہ بے حساب ہے۔ کار بنگلہ وہ سب کچھ جس کی خواہش مہک کو ہے۔ ابھی دلدار بھائی لڑکے سے نہیں ملے۔ لڑکا مسقط میں ہے۔ دو چار روز میں آئے گا اسے دیکھ کر ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔"

"اچھا!" اس کے ذہن پر سے ایک بوجھ اتر گیا۔

"لیکن آپا سے پوچھے بنا کچھ مت کیجئے گا۔"

"ارے پوچھا تو پہلے بھی تھا۔"

"ممکن ہو سکے تو آپا کو دکھا دیجئے گا۔"

"اور چائے لوگی کوشی۔"

"نہیں اماں!" اس نے غور کیا۔ اماں آج بہت مطمئن لگ رہی تھیں۔

"خدا کرے اماں یونہی مطمئن رہیں اور خوش رہیں۔" اس نے دعا کی اور تیار ہونے کے لیے چل دی۔

"آپا!" ناشتا کرتے ہوئے ثنا نے کہا۔

"واپسی پر ذرا اردو بازار سے میرے لیے یہ دو کتابیں تو لیتے آئیے گا۔ یہاں سے حسام نے پتا کیں، نہیں ملیں۔"

"اچھا!" اس نے چٹ لے کر پرس میں رکھ لی۔

"اور تو سنا چھوٹو تجھے تو کچھ نہیں چاہیے۔"

اس نے پیار سے حسام کو دیکھا آج بڑے دنوں بعد وہ موڈ میں تھی۔

"نہیں۔"

حسام نے ابلا ہوا انڈا ایک ہی بار منہ میں ڈالنے کی کوشش کی۔

"آج یونیورسٹی سے فارغ ہو کر ٹیوشن سنٹر جاؤں گی اور پھر وہاں سے دلدار ماموں کے ہاں جاؤں گی دیر ہو گئی تو فکر نہ کیجئے گا، راحیل چھوڑ دے گا۔"

پھر وہ حسام کا رخسار تھپتھپاتی ہوئی بیگ کندھے پر لٹکائے سب کو خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی۔

آج بھی بے طرح مصروفیت رہی۔

سمیرا اور نادیہ کے ساتھ مل کر نوٹس مکمل کرتی رہی۔

"مجھے تو لگتا ہے۔ایک دو پیپرز میں اڑ جائیں گے۔"

سمیرا نے تھک کر قلم ایک طرف رکھ دیا۔

"نہیں سمو، اس طرح نہ کہو، میں کسی ایک پیپر میں بھی فیل ہونا افورڈ نہیں کر سکتی۔"

رشک بھی فائل بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

اڑھائی بج چکے تھے اور ابھی اسے اُردو بازار جانا تھا۔

"اچھا بھئی، ہم تو چلے۔"

"تمہیں پتا ہے رشک، وہ کامل کی بہن بہت سخت بیمار ہے۔"

نادیہ نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔بہن نہیں کزن۔"

"کزن ہی ہو گی کاشف بتا رہا تھا بہن۔"

"مجھے بھی انار کلی تک جانا ہے۔چلو اکٹھے ہی چلتے ہیں۔"

اور اردو بازار سے مطلوبہ کتابیں خرید کر وہ ٹیوشن سنٹر چلی گئی اور جب وہ تیز تیز چلتی ہوئی اسٹاپ پر پہنچی تو بس جا چکی تھی اور اب اگلی بس یا ویگن نہ جانے کتنی دیر تک آئے گی اور اندھیرا ابھی سے پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ایک تو سردیوں کی شام اس پر بادل بھی چھائے ہوئے تھے۔

اور ایک یہ مس راجہ نے خواہ مخواہ روک لیا۔چند منٹ پہلے پہنچ جاتی تو۔

وہ پیچھے ہٹ کر شیڈ کے نیچے کھڑی ہو گئی اور دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے اس کی نظر عمار پر پڑی تھی۔بے حد تھکا تھکا مضمحل سا وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔اگرچہ عمار کا اسٹاپ بھی یہی تھا لیکن جب سے مہک کو طلاق ہوئی تھی وہ اسے نظر نہیں آیا تھا وہ یونہی ٹیک لگائے اسے دیکھتی رہی، مہک کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔

خوش باش، ہنستا مسکراتا۔

چند ماہ کے لیے اس شخص کی زندگی میں شامل ہو کر مہک نے کیسے اس کے چہرے سے زندگی کی ساری رمق چھین لی تھی اور تب ہی عمار نے بھی اسے دیکھ لیا۔دونوں کی نظریں

ملیں، عمار کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک لہرائی اور وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"کوشی!"

"السلام علیکم عمار بھائی۔"اس سے اجنبیت نہ برت سکی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کوشی!"

"کوئی بات نہیں عمار بھائی۔"وہ سیدھی ہو گئی۔

"شاید مقدر میں یہی لکھا تھا اور آدمی مقدر سے نہیں لڑ سکتا۔"

"ہاں آدمی مقدر سے نہیں لڑ سکتا۔"

عمار نے افسردگی سے کہا اور پھر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"مہک کیسی ہے؟"

"فائن۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔دونوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"آپ کے گھر میں سب کیسے ہیں۔"

کچھ دیر بعد رشک نے پوچھا۔

"سب تو ٹھیک ہیں لیکن صالحہ۔"

"کیا ہوا صالحہ کو؟"

اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ، وہ بہت بیمار ہے، بہت زیادہ کوشی میری معصوم بہن، اتنی کم عمری میں۔"

عمار کی آواز بھرا گئی۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں شاید۔"

"نہیں پلیز عمار بھائی، اس طرح نہ کہیں، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

رشک کو بے حد دکھ ہوا۔

وہ پیاری سی معصوم سی لڑکی، جو نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بھائی کا بسا گھر اجڑ جائے، جس نے رشک سے درخواست کی تھی کہ وہ مہک کو روک لے۔

"وہ مجھ سے خفا ہے کوشی۔وہ سمجھتی ہے میں بے حوصلہ ہوں، میں نے مہک کو طلاق

دینے میں جلدی کی ہے۔ اسے کیا خبر کہ مہک خود ایسا ہی چاہتی تھی میں نے تو صرف اس کی خوشی پوری کی تھی۔"

"میں کبھی اسے سمجھاؤں گی، بتادوں گی اسے۔"

"وہ تو، وہ تو جارہی ہے کوشی سب چھوڑ کر اسے اب تم کیا سمجھاؤ گی۔ اور اس نے تمہیں کئی بار یاد کیا۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے پہلے سروسز ہاسپٹل میں تھی۔ پھر ہم نے ڈاکٹر وسیم کے پرائیوٹ کلینک میں اسے ایڈمٹ کروادیا۔ ڈاکٹر وسیم بہت اچھے ہارٹ سپیشلسٹ ہیں، یہ قریب ہی اگلے اسٹاپ پر ان کا کلینک ہے۔"

وہ خاموشی سے عمار کی باتیں سن رہی تھی اور صالحہ کے ساتھ آخری ملاقات کا منظر اس کی آنکھوں میں سامنے آرہا تھا۔ جب وہ اس کے ہاتھ تھامے ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نہیں، اس اتنی پیاری مخلص اور محبت کرنے والی لڑکی کو نہیں مرنا چاہیے۔

"کوشی مجھے کوئی حق تو نہیں پہنچتا کہ میں تو تم سے ایسی کوئی درخواست کروں۔ لیکن کوشی اگر کبھی وقت ملے تو ایک دوروز تک صالحہ سے مل لینا۔ وہ تم سے مل کر خوش ہو گی۔ لیکن دیکھو، بہت دیر نہ کر دینا کہیں وہ۔"

"نہیں پلیز عمار بھائی، آپ اس طرح مت کہیں مت سوچیں اس طرح، آپ اس وقت ہاسپٹل ہی جارہے ہیں کیا؟"

"ہاں آج دودن بعد آفس گیا تھا نکلتے نکلتے پانچ ہو گئے۔"

"اچھا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ صالحہ کو دیکھ کر پھر چلی جاؤں گی۔"

"تھینک یو کوشی۔"

اس نے مناسب نامناسب کچھ بھی تو نہ سوچا اس کا ہمدرد دل صالحہ کے لیے اداس ہو رہا تھا۔ وہ بنا سوچے ہی عمار کے ساتھ چل دی تھی۔ صالحہ کے پاس اس وقت کلثوم تھی اور ماں جی شاید گھر گئی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر کلثوم کو حیرت ہوئی، لمحہ بھر وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک دم ہی اس کے گلے لگ گئی۔

"کوشی آپا! ہماری صالحہ!"

رشک نے ہولے سے تھپک کر اسے الگ کیا۔

"حوصلہ رکھو کلثوم اور خدا سے دعا کو، انشاءاللہ صالحہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

اس نے آنکھیں موندے لیٹی صالحہ کی طرف دیکھا۔ گلوکوز قطرہ قطرہ اس کی رگوں میں اتر رہا تھا اور، اس کی رنگت خطرناک حد تک پیلی ہو رہی تھی۔

"صالحہ!" کلثوم نے اس کے بیڈ کے پاس کھڑے ہو کر آہستگی سے پکارا۔

"صالو! دیکھو تو کون آیا ہے۔"

"کون۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا اور پھر آنکھیں کھول کر اپنے بیڈ کے قریب کھڑی رشک کو دیکھا۔ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"آپ کوشی آپا۔"

اس نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھایا جسے رشک نے محبت سے تھام لیا۔

"یہ تم نے اپنے آپ کو کیا کر لیا ہے پیاری لڑکی۔"

"کچھ نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اور مجھے یقین تھا کہ آپ آئیں گی، آپ کو پتا چلا کہ میں، میں جانے والی ہوں تو آپ ضرور آئیں گی میں نے آپ کو بہت سوچا ہے، بہت، آپ اتنی پیاری اتنی محبت کرنے والی ہیں کہ مجھے لگتا ہے جیسے آپ کہیں کسی اور دنیا سے آئی ہیں کسی اور سیارے سے۔"

وہ تھک کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"صالحہ تم زیادہ بولو نہیں۔"

رشک اس کے بیڈ کے پاس ہی یونہی اس کا ہاتھ تھامے سٹول پر بیٹھ گئی۔

"دراصل تم خود بہت اچھی اور محبت کرنے ولی لڑکی ہو، اس لیے تو جب عمار بھائی نے بتایا کہ تم بیمار ہو تو میں بے اختیار چلی آئی۔ یہ تو تمہاری اچھائی ہوئی نا جو مجھے کھینچ لائی ہے۔"

"کوشی آپا۔" "آپ بہت اچھی ہیں، بہت اچھی۔ کوئی یقین کرے گا کہ آپ۔ آپ اس شخص کی بہن کی مزاج پرسی کرنے آئی ہیں، جس نے آپ کی بہن کو طلاق دے دی، جس نے، اور عمار بھائی نے میری بات بھی نہیں مانی۔"

"صالحہ! اچھی لڑکی! تم اور میں ہم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ عمار بھائی کا اس میں اتنا زیادہ قصور نہیں ہے اور مہک آپا وہ خود ہی نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ تم یونہی عمار بھائی سے خفا

ہو۔انہوں نے بہت مجبور ہو کر ایسا کیا۔"

"میں جانتی ہوں۔" صالحہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"لیکن عمار بھائی ایسا نہ کرتے تو کیا ہو جاتا، کیا وہ تھوڑا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ تھوڑا سا انتظار، خالد کو جاب مل جاتی، ثومی کی تعلیم مکمل ہو جاتی، پھر وہ ایک الگ گھر لے کر مہک آپا کو منا لیتے۔"

"دیکھو گڑیا! تم زیادہ مت سوچو، یہ اسی طرح ہونا تھا۔ ایسے ہی ہم اور تم کتنی بھی کوششیں کرتے سب بیکار اور اب تم اپنے عمار بھائی سے خفا تو نہیں ہونا۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ عمار نے متشکر نظروں سے اسے دیکھا۔

"دیکھو صالحہ! شاید عمار بھائی اور مہک آپا کے ستارے ہی نہیں ملتے تھے۔ انہیں صرف اتنی ہی دیر کے لیے اکٹھے رہنا تھا اور پھر جدا ہو جانا تھا۔ اگر وہ اکٹھے رہتے تو شاید ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور اللہ میاں اپنی مصلحتیں خود سمجھتا ہے اور تم۔"

اس نے صالحہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس کے رخسار تھپتھپائے۔

"تم اپنے عمار بھائی کے لیے دعا کیا کرو کہ خدا انہیں ایک بہت اچھی محبت کرنے والی ساتھی دے۔"

"اچھا!" وہ شاید تھک گئی تھی کہ لمحہ بھر تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ اتنی شدید سردی میں پسینہ، رشک نے کلثوم کی طرف دیکھا تو کلثوم نے اپنے دوپٹے سے اس کا پسینہ صاف کیا۔

"ارے صالو کے ہونٹ تو نیلے ہو رہے ہیں اور چہرا بھی۔" وہ کرب سے چلائی تو عمار دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی کمرا ڈاکٹروں سے بھر گیا۔ اس کی سانس کی آواز رہی تھی۔

پھر فوری طور پر اسے ایمر جنسی میں لے جایا گیا۔ جہاں ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ کلثوم کے پاس بیٹھی اس کے آنسو پونچھتی رہی اسے تسلی دیتی رہی اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ عمار بار بار ایمر جنسی روم کے دروازے تک جاتا پھر لوٹ آتا۔ شاید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ یا اس سے بھی زیادہ ایمر جنسی روم کا دروازہ کھلا ڈاکٹروں نے

زندگی کی نوید دی۔

"وہ خطرے سے باہر آگئی ہیں۔"

اس نے اطمینان بھرا سانس لیا۔ اور کھڑی ہو گئی۔

"اچھا کلثوم، اب میں چلتی ہوں، پھر کبھی آؤں گی۔ صالحہ ہوش میں آجائے تو میرا پیار کہنا اس سے۔"

باہر رات پڑ گئی تھی۔

خوفزدہ سی ہو کر وہ پلٹ پڑی۔ عمار نے اسے پلٹتے ہوئے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اگر مناسب سمجھو تو میں۔"

"جی پلیز عمار بھائی۔ میں اکیلی نہیں جا سکتی۔" اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"ایک منٹ۔ خالد آنے والا ہو گا وہ آجائے تو میں۔"

اور وہ وہیں برآمدے میں کھڑی دل ہی دل میں دعائیں مانگتی رہی۔ خالد اور ماں جی آئیں تو وہ عمار کے ساتھ آگئی۔ عمار نے روڈ پر ہی رکشہ رکوا لیا۔

"تھینک یو۔" وہ پیچھے دیکھے بنا سڑک کراس کرنے لگی۔

اور راحیل جو اس کے نہ آنے پر پریشان ہو کر اس کی خیریت معلوم کرنے چلا آیا تھا۔ اس نے وہاں سے ہی گاڑی ریورس کر لی۔

گھر میں کسی کو اس کے متعلق تشویش نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بتا کر گئی تھی۔

"آپ کو راحیل بھائی چھوڑنے آئے ہیں۔" ثنا نے پوچھا۔

"اندر کیوں نہیں آئے؟"

وہ خاموش ہی رہی۔

"مینا وغیرہ کو میں نے چھٹی دے دی تھی۔"

"اچھا!"

"آپ کھانا کھا کر آئی ہیں؟"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔"

سب لوگ شاید ڈرائنگ روم میں تھے ٹی۔وی دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگوں نے کھانا کھالیا۔"

"ڈرامہ دیکھ کر کھائیں گے۔"

"آجائیں نا بہت اچھا ڈرامہ ہے۔"

"نہیں ندو، میرے سر میں درد ہے۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں سو جاؤں گی جلدی ہی۔"

اس کے سارے جسم میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا اور جسم کچھ گرم لگ رہا تھا۔ وہ تھکی تھکی سی اپنے بستر پر گر گئی۔

اور زندگی کتنی بے اعتبار ہے کیسے لمحوں میں آدمی ختم ہو جاتا ہے اور وہ ڈاکٹر مہر کہہ رہے تھے کہ صالحہ کے دل کی حرکت بالکل رک گئی تھی اور جب ہم نے شاک دیے تو دل پہلے آہستہ آہستہ اور پھر نارمل انداز میں دھڑکنے لگا۔

"خدایا! اس پیاری لڑکی کو زندگی دینا۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال۔"

اس نے بے آواز دعا کی اور پھر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "ارے آج تو اسے راحیل کی طرف جانا تھا اور راحیل نے کہا تھا وہ اس کا انتظار کرے گا۔"

"اوہ خدایا۔!"

اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔

آٹھ بج رہے تھے سردیوں کے آٹھ۔

اب اس وقت تو وہ راحیل کی طرف نہیں جا سکتی۔ حسام کو ساتھ لے کر بھی نہیں۔ راحیل نے کیا سوچا ہوگا۔

کاش ان کے گھر فون ہی ہوتا۔ تو وہ فون کر کے راحیل کو بتا دیتی۔ اس کا دل ایک دم بھر آیا تھا۔ صبح! ہاں صبح میں یونیورسٹی جانے کے بجائے راحیل کے پاس ہی جاؤں گی۔ اسے مناؤں گی۔ ساری حقیقت بتادوں گی۔ وہ کتنا بھی مجھ سے خفا رہا ہے لیکن وہ ہمیشہ مجھ سے خفا

نہیں رہ سکتا، یہ میں جانتی ہوں مجھے پتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو یقین دلاتی رہی لیکن آنسو پھر بھی اس کی آنکھوں سے نکل نکل کر تکیے کو بھگوتے رہے۔

صبح ندا نے اسے جگایا تو اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں اور جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

"ارے آپا! آپ کو بہت تیز بخار ہے۔" ندا نے گھبرا کر ثنا اور اماں کو آواز دی۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔ مجھے چائے کے ساتھ ڈسپرین دے دو۔" شاید یہ اس روز بھیگنے کا اثر تھا۔

ندا جب چائے لے کر آئی تو وہ بے سدھ پڑی تھی۔

اور پھر کتنے سارے دن گزر گئے۔ بخار اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ بے سدھ پڑی رہتی ندا اور ثنا ماتھے پر پٹیاں رکھ رکھ کر تھک جاتیں۔ لیکن بخار ذرا سا بھی کم نہ ہوتا۔ پورے ڈیڑھ ہفتے بعد بخار اترا تھا۔ لیکن وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ پورا ایک ہفتہ مزید بستر پر ہی رہی۔

اور اس دوران راحیل ایک بار بھی اس کی مزاج پرسی کو نہیں آیا تھا۔ ممانی، شکیل، عقیل، ماموں سب ہی تو آئے تھے۔ بلکہ شکیل عقیل نے تو کئی چکر لگائے تھے۔ اور راحیل! وہ یقیناً اس سے بہت ناراض ہے، ہولے ہولے اپنے بال سلجھائے ہوئے اس نے سوچا، میں ایک دو روز میں جا کر اسے مناؤں گی اور ابھی وہ دلدار ماموں کے ہاں جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ ثنا نے دھماکہ کیا۔

"راحیل نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے اور یہ کہ اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔ اور وہ دو سال کے لیے امریکہ جا رہا ہے نیوجرسی میں اسے ایڈمیشن مل گیا ہے۔"

دلدار ماموں نے اسے بہت ڈانٹا لیکن وہ کہتے ہیں، دو سال بہت ہوتے ہیں۔ شاید دو سال سے بھی زیادہ دن لگ جائیں اور اس طرح کسی کو پابند کر کے جانا اچھا نہیں ہے۔ اور انھوں نے ماموں جان کو قائل کر لیا ہے۔" ثنا نے اسے پوری تفصیل بتائی۔

"اچھا!" اس کے دل پر جیسے برف گرنے لگی۔

تو کیا وہ چلا جائے گا، یونہی خفا خفا اور ناراض دل میں غلط فہمیوں کا غبار لیے اور جب وہ واپس آئے گا تو وقت بہت گزر چکا ہوگا اور پھر شاید۔

"راحیل کی فلائیٹ کب ہے؟" اس نے پوچھا

"شاید پرسوں شام کو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ پرسوں صبح وہ جائے گی اور۔"

"راحیل بھائی ملنے تو آئیں گے۔ شاید آج شام ہی آئیں، مامی بتا رہی تھیں، پھر فلائیٹ کے صحیح وقت کا پتا چلے گا۔"

ندا نے بتایا تو بالوں کا جوڑا بنا کر لیٹ گئی ذرا سی مشقت نے اسے تھکا دیا تھا۔ جانے یہ کمزوری کب ختم ہو گی۔

اس کے کتنے اہم لیکچر مس ہو گئے تھے۔

ٹیوشن سنٹر بھی وہ نہ جا سکتی تھی۔

غنی صاحب تو ضرور اس کی پے "تنخواہ" کاٹ لیں گے۔ اف او ہو۔ یہ بیماری بھی کتنے غلط وقت پر ہوئی تھی۔ اگر اس میں ہمت ہوتی تو وہ ابھی ابھی چلی جاتی دلدار ماموں کے ہاں۔

وہ اٹھی، کمرے سے باہر تک آئی۔ لیکن ٹانگیں لرز رہی تھیں، پھر واپس پلٹ آئی۔

"نہیں آج نہیں کل یا پرسوں ہی جاؤں گی۔"

ندا نے بتایا تھا۔

"چھ بجے ان کی فلائیٹ ہے اور ہم سب آج ہی ان سے ملنے جائیں گے آپ بھی چلیں گی؟"

"نہیں میں صبح ہی جاؤں گی۔"

اب سب کے سامنے تو وہ راحیل سے بات نہ کر سکے گی۔ اسے تو راحیل کو منانا تھا۔ اس کی ساری غلط فہمیاں دور کرنی تھیں۔ بس وہ سویرے ہی چلی جائے گی۔ ناشتہ کر کے۔ اور پھر شام تک وہ وہاں رہے گی۔ ممانی بھی تو اس کے جانے سے اداس ہوں گی۔ بس وہ وہاں ہی رہے گی۔ دل ہی دل میں فیصلہ کر کے وہ لیٹ گئی۔

صبح وہ اپنی طرف سے بہت جلدی اٹھ گئی تھی۔ پھر بھی سمن آباد پہنچتے پہنچتے آٹھ بج گئے تھے۔ پورے گھر پر خاموشی طاری تھی۔

ارے سب لوگ کہاں ہیں؟

اس نے حیرت سے سوچا اور ممانی کے کمرے کی طرف بڑھی وہ بہت خاموش اور چپ چپ سی بیٹھی تھیں۔

"کوشی تم۔" وہ اسے دیکھ کر ذرا سی حیران ہوئیں۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟ آپا بتا رہی تھیں کہ ابھی بہت کمزوری ہے۔"

"نہیں آج کچھ بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"باقی سب لوگ کہاں ہیں کیا ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔"

"نہیں سب راحیل کو سی، آف کرنے گئے ہیں۔"

"راحیل کو، مگر اس کی تو چھ بجے فلائیٹ تھی۔" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں چھے بجے ہی فلائیٹ تھی۔ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا:

ہاں چھ بجے ہی فلائیٹ تھی

سب لوگ گھر سے پانچ بجے نکل گئے تھے اب آنے والے ہی ہوں گے۔"

"تو صبح کے چھ بجے فلائیٹ تھی۔"

اُس نے اپنے ہاتھ گود میں دھر لیے اور اسے لگا جیسے سب کچھ ایک دم سے چھن گیا ہو اور وہ بالکل تہی داماں رہ گئی ہو۔ اس نے پوچھا بھی کب تھا کہ صبح فلائیٹ ہے یا شام کی۔ وہ یونہی ہاتھ گود میں دھرے چپ بیٹھی رہی اور ممانی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ تو بالآخر یوں ہونا تھا اور وہ ہمیشہ دیر کر دیتی ہے۔

شکیل صحیح کہتا ہے کہ وہ کبھی صحیح وقت پر نہیں پہنچی۔ اس روز بھی اس نے دیر کر دی تھی اور آج بھی پتا نہیں اس سے دیر کیوں ہو جاتی ہے وہ پیچھے کیوں رہ جاتی ہے اور راحیل چلا گیا ہے دل میں اس کی طرف سے سارا غبار اور ناراضی لیے۔

"اچھا مامی!" کچھ دیر بعد وہ کھڑی ہو گئی۔

"اب چلتی ہوں۔"

"ارے بیٹھو نا بیٹا!"

"نہیں مامی! آج یونیورسٹی جاؤں گی۔"

وہ خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو شکیل گیٹ کھول کر اندر آ رہا تھا وہ وہیں رک گئی جیسے شکیل ابھی اس سے آ کر کہہ دے گا کہ راحیل نہیں گیا۔ واپس پلٹ آیا ہے۔ شکیل نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"آپ کیسی ہیں۔"

"فائن۔"

اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن پلکیں بھیگ گئیں۔

"راحیل چلا گیا؟"

"ہاں۔"

"ماموں اور عقیل کہاں ہیں؟"

"عقیل مجھے یہاں اتار کر ابو کو آفس چھوڑنے گیا ہے آپ بیٹھیں نا کھڑی کیوں ہیں۔"

"نہیں میں جا رہی ہوں، راحیل سے ملنے آئی تھی لیکن۔"

"اچھا ہوا آپ ان سے نہیں ملیں۔" شکیل نے سوچا۔

"ورنہ دکھ ہی ہوتا۔"

راحیل نے جانے سے پہلے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کوشی کو اس کا پابند نہ سمجھا جائے اور جہاں جی چاہے پھپھو اس کی شادی کر دیں۔

اور کوشی کتنی اچھی ہے، محبت کرنے والی اور مخلص اور امی کو بھی اس بات کا کتنا دکھ ہے۔ لیکن راحیل بھائی، خدا جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ شاید، شاید کوئی اور لڑکی۔

"اچھا شکیل۔" رشک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اب چلوں۔"

"تھوڑی دیر رک جائیں عقیل آ جائے گا تو آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔"

بس میں لٹک کر۔"

شکیل نے اسے ہنسانا چاہا۔ مگر وہ ہنس نہ سکی۔

"ہاں شاید بس میں لٹک کر اور سنو راحیل کے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع آئے تو بتانا۔"

شکیل کا دل چاہا کہ وہ اسے بتا دے وہ سب کچھ جو راحیل نے کہا تھا۔ مگر وہ اتنی زرد اور اتنی کمزور لگ رہی تھی کہ اس کی ہمت نہ پڑی لیکن کوئی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ ثنا اور ندا سے اس بات کا پتا چل گیا۔

ندا بہت اداس تھی۔

"پتا نہیں راحیل بھائی نے ایسا کیوں کیا۔ کوشی آپا وہ تو آپ کو۔"

"انسان کی رائے بدلتے دیر تو نہیں لگتی۔ ندو۔"

"آپ کو دکھ ہو رہا ہے؟" ثنا نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"میں اپنے لیے نہیں سوچتی میں تو صرف تمہارے اور حسام کے لیے سوچتی ہوں۔ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، کیا ہو گا، مجھے اس کی پروا نہیں ہوتی۔"

"مگر پھر بھی کوشی آپا دکھ تو ہوتا ہے نا۔"

"ہاں دکھ تو ہوتا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

دوست کے بدل جانے کا، بچھڑ جانے کا چلے جانے کا اور پھر وہ دوست جس نے ہمیشہ ہر مشکل میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہوا، دکھ تو تھا کہیں اندر گہرائی میں گہرا اور شدید۔ دل کو چیرتا ہوا۔

اسے لگا جیسے اس نظر نہ آنے والے زخم سے قطرہ قطرہ خون رس رہا ہو۔

"اور اگر مامی نے پہلے بتا دیا ہوتا تو میں راحیل بھائی سے پوچھتی ضرور، کیا حق پہنچتا تھا انہیں۔" ثنا غصے میں تھی۔

"شو، غصہ نہیں کرتے گڑیا۔ وہ ایک شخص ہے کامل رضا بٹ وہ کہتا ہے، حقیقتوں کو قبول کر لینے سے ان کی تلخی کم ہو جاتی ہے تم بھی حقیقت کو قبول کر لو اور مجھے یوں بھی ابھی

لمبا سفر طے کرنا ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"اور میں نے اس سے پہلے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لے۔" اس نے سوچا۔

یہ تو انتظار کرنے کا اس نے خود ہی کہا تھا ورنہ میں نے۔ میرا سفر تو یوں بھی طویل ہے حسام ابھی اسکول میں ہے اور مجھے ابا کی خواہشوں کو پورا کرنا ہے۔

"آپا! آپ ناشتا تو کر لیں۔"

ندا نے اسے جاتے ہوئے روکا۔

"نہیں چندا! پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔"

اس نے کاؤنٹر پر پڑا ہوا اپنا بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کسی بھی حقیقت کو اس کی پوری سفاکی کے ساتھ قبول کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ کوئی رشک سے پوچھتا جو اس حقیقت کو قبول کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہے۔ مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ راحیل کو گئے چھ ماہ ہو گئے تھے اور اس نے راحیل کو خط بھی لکھا تھا۔ لیکن راحیل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کامل نے اس دوران اسے بہت سہارا دیا تھا۔ پتا نہیں کیسے، پتا نہیں کب۔ دونوں کے درمیان ایک پر خلوص دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے دکھ کہنے لگے تھے یہ محض اتفاق تھا کہ امتحان سے فارغ ہو کر جس پرائیویٹ کمپنی میں رشک نے ٹائپسٹ کی جاب کی تھی، وہاں ہی کامل بھی تھا اور کامل کو وہاں دیکھ کر اسے تحفظ کا سا احساس ہوتا۔ وہ دونوں اچھے دوستوں کی طرح ملتے۔ رشک اس سے اپنے دل کی باتیں کرنے لگی تھی اور اس نے اسے راحیل کے متعلق بھی بتا دیا تھا کہ اس نے اسے رد کر دیا ہے۔

"معلوم نہیں راحیل نے ایسا کیوں کیا؟" کامل کو بے حد دکھ ہوا تھا رشک ایسی لڑکی تھی جس کی رفاقت کسی بھی مرد کے لیے باعثِ فخر ہو سکتی تھی اور کاش وہ خود اس کا اہل ہوتا۔ رشک سے مل کر وہ ہمیشہ سوچا کرتا تھا۔ مگر اس کے پاؤں میں تو زنجیریں تھیں۔ اور ابھی وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا جب تک۔ جب تک خدیجہ کا مستقبل محفوظ نہ ہو جاتا۔ اس نے بابا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خدیجہ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہ کہ کوئی بہت ہی

اچھا لڑکا دیکھ کر وہ خدیجہ کو جلد بیاہ دے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو وہ خود...... وہ خود خدیجہ کا ہاتھ تھام لے گا۔

اور اس نے بابا سے وعدہ کر لیا تھا۔

حالانکہ بابا سے وعدہ کرتے ہوئے وہ دلکش آنکھوں والی پیاری لڑکی بار بار اس کے تصور میں آتی رہی تھی۔ جسے پہلی بار دیکھ کر ہی اس نے اپنے دل میں اس کے لیے بڑی اپنائیت سی محسوس کی تھی۔

اپنے آپ میں گم اور ارد گرد سے بے خبر وہ لڑکی زندگی سے جنگ کرتی ہوئی۔

کیسے چپکے سے اور کس طرح اس کے دل میں چھپ کر آ بیٹھی تھی لیکن اس کی دسترس سے دور۔ اور پتا نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو ہمیں اچھے لگتے ہیں۔

جن کے ساتھ دل اور روح کا رشتہ بہت گہرا اور بہت مضبوط محسوس ہوتا ہے وہ ہم سے دور ہوتے ہیں۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا۔

خدیجہ اچھی لڑکی تھی۔ خوبصورت نہ سہی، لیکن اچھی لگتی تھی۔

خدیجہ اس سے دو سال بڑی تھی اور بچپن سے ہی اس نے اس کے لیے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا لیکن بابا کی محبتوں کا قرض تو اسے ادا کرنا ہی تھا وہ خدیجہ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

بابا نے اسے سگے بیٹے سے بڑھ کر محبت دی تھی۔ بے حد بے حساب چاہا تھا۔

اور وہ...... وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔

بابا نے اسے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا اور چل پڑے تھے۔

رشک کو وہ ہمیشہ الجھا الجھا سا دکھائی دیتا تھا۔

حالانکہ اس سے پہلے یونیورسٹی میں اس کا چہرا کوئی تاثر نہیں دیتا تھا، نہ غم کا، نہ خوشی کا، مگر اب اس کی آنکھیں ہر وقت کچھ سوچتی رہتی تھیں، جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ یا پھر جب اس کی آنکھیں خواب نہیں دیکھتی تھیں تو چہرے پر الجھنوں کا جال بنا ہوتا تھا۔

مگر اس روز اس کی آنکھیں خواب نہیں دیکھ رہی تھیں۔ بلکہ ان میں جگنو سے چمک رہے تھے۔

"آج بہت خوش ہیں ؟" رشک نے پوچھا۔

"آج بہت خوش ہوں، آج ایک بہت بڑا بوجھ ذہن سے اتر گیا ہے۔"

لنچ ٹائم میں وہ دونوں عموماً سامنے والے ریسٹورنٹ میں چائے پینے آجاتے تھے اور کبھی کبھار برگر وغیرہ بھی منگوا لیتے۔

"اچھا۔"

رشک اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

"رشک۔"

اُس نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"رشک ماہ! بہت پہلے جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تو سوچا تھا کہ اگر زندگی میں تم جیسا رفیق ہمسفر مل جائے تو زندگی سنور جائے گی، لیکن پھر مجھے خدیجہ نے بتایا کہ تم راحیل کے ساتھ منسوب ہو تو میں نے سوچا کہ میں بد نصیب ہوں اور میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا اور یہ کہ راحیل بہت اچھا لڑکا ہے اور تم راحیل کے قابل ہی ہو اور پھر جب میں دوبارہ تم سے ملا تو تمہارے اور اراحیل کے راستے الگ ہو چکے تھے، لیکن میں ایک وعدے کی زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ چاہت کے باوجود بھی تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ تمہارے سنگ سنگ چلتے ہوئے بارہا میرا دل چاہا کہ تم سے درخواست کروں کہ رشک ہمیشہ میرے سنگ سنگ چلتی رہو لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ تمہارے دامن میں جھوٹی امیدیں نہیں ڈال سکتا تھا، مگر آج..... ہاں آج میں تم سے یہ کہہ سکتا ہوں، بغیر کسی ڈر، خوف اور جھجک کے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور زندگی کے اس لمبے سفر میں تمہارے ساتھ کا تمنائی ہوں، کیونکہ آج میں اس وعدے کی زنجیر سے آزاد ہو گا۔ میرے خدا نے مجھے بابا کی روح کے سامنے سرخرو کر دیا ہے میرے بابا دراصل میرے سگے والد نہیں ہیں بلکہ میرے تایا ہیں انہوں نے بچپن میں ہی مجھے گود لے لیا تھا۔"

اس نے تفصیل بتائی۔

"کل شام خدیجہ کا نکاح ایک بہت ہی اچھے انسان سے ہو گیا ہے اور اس اچھے انسان کو تم بھی جانتی ہو۔ وہ ہیں ہمارے پروفیسر سر امتیاز خواجہ، بہت جلد خدیجہ کی رخصتی ہو جائے گی

اور پھر میں تمہاری والدہ سے ملوں گا..... اور تمہیں....."

"نہیں کامل، پلیز! نہیں..... میری منزل بہت دور ہے اور میرا راستہ بہت مختلف ہے، مجھے اپنی بہنوں کا اور اپنے بھائی کا مستقبل سنوارنا ہے، میں نے اپنی زندگی کے لیے جو لائحہ عمل بنایا ہے، اس میں میرے اپنے لیے تو کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"میں انتظار کروں گا، جب تم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاؤ گی، مجھے اپنا منتظر پاؤ گی، لیکن میں تمہیں اپنا پابند کرنا چاہتا ہوں، تاکہ مجھے یہ خوف نہ رہے کہ تم میری عدم موجودگی میں کسی اور....."

"اور راحیل نے بھی انتظار کرنے کو کہا تھا لیکن....."

"دیکھو رشک! میں جانتا ہوں کہ فی الحال تم اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ تمہارے دل میں اپنے بہن بھائیوں کا خیال ہے۔ اس جنگ میں تم مجھے اپنا ہم قدم پاؤ گی۔ میں صرف ایک بار یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ تم میری ہو اور....."

"پلیز کامل!"

رشک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے آپ کے لیے ایسا کبھی نہیں سوچا اور پھر آپ جانتے ہیں کہ میں....."

"میں جانتا ہوں، رشک۔"

کامل نے مہربان لہجے میں کہا۔

"لیکن ہر زخم بالآخر مندمل ہو جاتا ہے۔ وقت ضرور لگتا ہے مگر سارے زخم بھر جاتے ہیں اور سارے غم ہلکے ہو جاتے ہیں۔"

"شاید میں آپ کے ساتھ انصاف نہ کر سکوں، شاید میں آپ سے وہ محبت نہ کر سکوں جو آپ کا حق ہے۔ اس طرح....."

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں رشک، میں تم سے کبھی ایسا کوئی مطالبہ نہیں کروں گا، اگر تم مجھ سے محبت نہ کر سکو گی تو یہ میرا نصیب ہوگا۔ ہم اچھے دوستوں کی طرح رہیں گے اور میرے لیے صرف یہ اطمینان کافی ہوگا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، بس....."

"مگر کامل!"

"اگر مگر کچھ نہیں رشک! یہ اتنی لمبی زندگی تم تنہا نہیں گزار سکتیں میں ایک دو روز میں ماں جی کے ساتھ آؤں گا اور تمہیں اپنا پابند بنالوں گا پھر چاہے صدیوں مجھے تمہارا انتظار کرنا پڑے۔"

اور وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کامل کی بات مان لے یا انکار کر دے۔ کون سا قدم اٹھائے۔

کامل اچھا تھا۔

مہربان اور شفیق۔

لیکن اس کا دل۔

وہ اپنے اس دل کا کیا کرتی، جو راحیل کے رویے سے ٹوٹ گیا تھا۔

راحیل جو بچپن سے اس کا دوست تھا جس نے ہمیشہ ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جو دکھ سکھ کا ساتھی تھا۔ لیکن جس نے بغیر کسی وجہ کے اسے رد کر دیا تھا، ٹھکرا دیا تھا۔

اور یہ شخص کامل رضابٹ!

جسے وہ صرف چند ماہ سے جانتی تھی۔

جو اس کے لیے اجنبی ہی تھا۔

لیکن جو مہربان اور شفیق لگتا تھا

جو اس سے محبت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ جس نے انتظار کرنے کا وعدہ کیا تھا اور جس کی آنکھوں میں۔ اور چہرے پر سچ لکھا تھا۔

کیا وہ اس کی محبت کو اس کی رفاقت کو ٹھکرا دے یا پھر اس کی محبتوں سے اپنی خالی جھولی بھر لے۔

اور زندگی کا سفر بہت طویل اور تھکا دینے والا ہے۔ کوئی تو ہو۔

جس کے کندھے پر سر رکھ کر رویا جا سکے۔

کوئی شجر سایہ دار، جس کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں، تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ کر دھوپ کی تمازتوں سے بچا جا سکے۔

ہاں کوئی تو ہو۔

جس کے مہربان سینے پر سر رکھ کر ساری تھکاوٹیں بھول جائیں، جس کے پاس بیٹھ کر سارے دکھ درد کہہ کر تھوڑی دیر کو آدمی ہلکا پھلکا ہو جائے۔

اور یہ شخص کامل رضابٹ!

ایسا ہی مہربان تھا اور ایسا ہی شفیق

کسی ٹھنڈے شجر سایہ دار کی طرح۔

"کیا سوچنے لگی ہو رشک، کچھ مت سوچو، میری بات کا یقین رکھو، ہم اچھے دوست ہیں اور ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے اگر تم ایسا نہیں چاہتی ہو تو میں تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔ تم اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو، اور بتاؤ، میں ماں جی کو ساتھ لے کر تمہارے گھر آؤں؟"

"ہوں۔"

رشک نے بالکل غیر ارادی طور پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تھینک یو...... تھینک یو رشک۔"

کامل کے بے تاثر چہرے پر مشعلیں سی جل اٹھیں۔

"میں کل شام کو آؤں گا۔"

"لیکن وہ نہ آسکا۔"

"سوری رشک۔" اگلے دن اس نے معذرت کی۔

"میں نہ آسکا۔" کل اچانک میری چھوٹی بہن کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ میں نے تمہیں ایک بار بتایا تھا کہ میری کزن کے دل میں سوراخ ہے تو میری وہ کزن میری سگی بہن ہے۔ یہاں اسی شہر میں میرے دو بھائی اور دو بہنیں اور امی رہتی ہیں۔۔جب میں کراچی میں تھا تو ان سے اتنا قریب نہیں تھا، لیکن اب یہاں آیا ہوں تو خود بخود دل ان کی طرف کھنچتا ہے۔ میری یہ بہن بہت پیاری اور سادہ دل ہے، لیکن شاید اس کی زندگی بہت مختصر ہے، ڈاکٹروں نے بہت پہلے چھ ماہ پہلے ہی ناامیدی ظاہر کر دی تھی۔ مگر شاید اس کے اندر زندگی کی خواہش اتنی پاور فل ہے کہ وہ زندگی سے لڑ رہی ہے چھ ماہ پہلے بھی وہ موت کے منہ سے پلٹی تھی اور

اب ایک بار پھر موت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اب پتا نہیں اس بار وہ یہ جنگ ہار جاتی ہے یا جیت جاتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں کامل! خدا تمہاری بہن کو زندگی اور صحت دے۔"

رشک نے اسے تسلی دی اور جب آفس ٹائم کے بعد وہ اس کے ساتھ اس کی بہن کو دیکھنے ہاسپٹل آئی تو وہاں عمار اور کلثوم کو دیکھ کر حیران ہوئی "تو...... تو...... کامل......!"

"کیسی ہو کوشی؟" عمار اسے دیکھ کر بولا۔

"آپ...... آپ انہیں جانتے ہیں عمار بھائی؟" کامل نے عمار سے پوچھا۔

"اسی لمحے صالحہ نے اسے پکار لیا۔

"کوشی آپا! آپ ادھر آجائیں میرے پاس۔ اس وقت تو میں خدا سے کچھ اور مانگتی تو وہ بھی مل جاتا۔"

"تم نے پھر خود کو بیمار کر ڈالا گڑیا!"

"میں تو کمبل کو چھوڑتی ہوں لیکن کمبل ہی مجھے نہیں چھوڑتا۔"

وہ مسکرائی۔ وہ بے حد زرد اور کمزور لگ رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں زندگی کی چمک سے لبریز تھیں۔

"آج صبح سے ہی صالحہ کی طبیعت بہت بہتر ہے ورنہ کل تو اس نے ہمیں ڈرا ہی دیا تھا"

کلثوم نے بتایا۔

"اور کوشی آپا۔"

صالحہ کی نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔

"آپ ٹھیک ہیں ناں؟"

"ہوں، بالکل۔"

"مگر آپ کمزور لگ رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

اس نے ہنس کر اس کے رخسار تھپتھپائے۔

"آپ کو کامل بھائی کہاں ملے؟"

اس نے کچھ سوچتی نظروں سے کامل کی طرف دیکھا۔

"ہم ایک ہی آفس میں کام کرتے ہیں۔ میں نے لکچرر شپ کے لیے اپلائی کر رکھا ہے اور جیسے ہی مجھے لکچرر شپ مل جائے گی میں یہ جاب چھوڑ دوں گی۔"

ان نے تفصیل بتائی۔

"کامل یونیورسٹی میں بھی تھے، لیکن مجھے آج تک علم نہیں تھا کامل تمہارے بھائی ہیں۔"

"ہاں کامل بھائی کو تایا ابا نے بچپن میں ہی لے لیا تھا۔" کلثوم نے بتایا تو اس نے سوچا۔

تبھی جب اس نے پہلی بار کامل کو دیکھا تھا تو وہ اسے اجنبی نہیں لگا تھا۔ شاید عمار بھائی سے کہیں اس کی شکل ملتی تھی اور آنکھیں...... آنکھیں تو بالکل صالحہ جیسی تھیں۔ سیاہ لمبی آنکھیں، جن میں محبتوں کے سمندر موجزن تھے۔

"کامل بھائی کیسے ہیں؟" صالحہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اچھے ہیں، بالکل تمہاری طرح۔"

وہ مسکرائی۔

عمار اور کامل باہر چلے گئے شاید ڈاکٹر کے پاس۔ وہ بہت دیر تک بیٹھی صالحہ سے باتیں کرتی رہی۔

"ایک مرتے ہوئے شخص کی آخری خواہش کو پورا کیا جاتا ہے ناں کوشی آپا، اگر میں آپ سے کوئی خواہش کروں تو کیا آپ میری بات مانیں گی؟"

"پگلی! تم ابھی بہت سارے سال زندہ رہو گی۔"

"نہیں بتائیں ناں۔" اس نے ضد کی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا گڑیا۔"

"نہیں پلیز، پھر بھی وعدہ کریں ناں۔"

"اچھا۔" رشک نے وعدہ کیا۔

"تو پلیز! آپ کامل بھائی سے شادی کر لیں۔ آپ بھی بہت اچھی ہیں اور کامل بھائی بھی اور آپ یہ کبھی نہ سوچیے گا کہ کامل بھائی ہمارے بھائی ہیں وہ تو تایا ابا کے بیٹے ہیں۔

اور خدا کی قسم ہم نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ مہک بھابی کو عمار بھائی چھوڑ دیں۔"

وہ حیران سی صالحہ کو دیکھتی رہ گئی۔

بھلا صالحہ کے دل میں یہ خیال کیوں آیا تھا۔

"ابھی جب آپ اور کامل بھائی آئے تھے تو آپ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بہت اچھے لگ رہے تھے اور میں نے دل ہی دل میں دعا کی تھی کہ آپ دونوں اسی طرح ہمیشہ ساتھ رہیں اور اللہ میاں مرتے ہوئے شخص کی دعا ضرور پوری کرتا ہے۔"

وہ بچوں کی سی خوشی سے بولتی رہی۔

اور وہ اس سے اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔

اور پھر ایک، دو، تین دن گزر گئے۔ وہ ہر روز کامل کے ساتھ صالحہ کو دیکھنے جاتی رہی اور اس روز اسے حسام کے ساتھ اس کا یونیفارم خریدنے بازار جانا تھا۔ سو وہ صالحہ کی طرف نہ جا سکتی اور اسی روز صالحہ زندگی کی جنگ ہار گئی۔

اسے پتا چلا تو بے حد دکھ ہوا۔

کتنے ہی دن وہ ڈسٹرب رہی۔

وہ معصوم سی پیاری لڑکی۔

جس کا دل محبتوں بھرا خزانہ تھا۔

جو اس کی کوئی نہیں تھی۔

لیکن جس کے لیے اس کے دل میں بے پناہ محبت تھی۔

وہ کامل کے بازو پر سر رکھے کتنی دیر روتی رہی تھی۔ اور کامل اسے تسلی دیتا رہا تھا۔

"وہ اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی رشک، اور اسے جانا ہی تھا۔

میں یا تم اسے روک نہیں سکتے تھے۔

ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی۔

اس کی موت کے پورے ایک گھنٹے بعد تک وہ اس کے دل کو شاک لگا لگا کر جھٹکے دے دے کر زندہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن اسے تو جانا ہی تھا۔

اور جانے سے پہلے اس نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا، وہ یہ کہ میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لوں۔

"پگلی، اسے کیا پتا تھا کہ تم تو پہلے ہی میری رگوں میں لہو بن کے دوڑ رہی ہو۔"

اور ایسا ہی ایک وعدہ صالحہ نے اس سے بھی تو لیا تھا۔

مگر شاید یہ ممکن نہ تھا آدمی جو کچھ سوچتا ہے وہ ہو نہیں سکتا اور جو نہیں سوچتا، وہ ہو جاتا ہے۔

مہک نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

"عمار نے مجھے طلاق دی تھی اور آپ اسی کے بھائی کے ساتھ رشک کو بیاہ دیں گی اور وہ سب یہاں اس گھر میں آیا کریں گے۔"

اماں خود سوچ میں پڑی تھیں اور رشک شرمندہ سی بیٹھی تھی۔

"اماں مجھے تو ہرگز معلوم نہیں تھا کہ کامل، عمار بھائی کے بھائی ہے، وہ تو اس روز جب میں صالحہ کو......"

اس نے تفصیل بتائی۔

"تم جھوٹ بولتی ہو کوشی، تمہیں ہمیشہ سے وہ سب اچھے لگتے تھے، تم ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں بری تھی میں ان کے ساتھ نباہ نہیں کر سکی اور تم کر لوگی، ہاں میں بری ہوں۔ تم اچھی ہو، بہت...... جو اس شخص کے بھائی سے شادی کرنا چاہتی ہو جس نے مجھے......"

"نہیں مہک آپا، آپ غلط مت سمجھیں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"مجھے پتا ہے، میں جانتی ہوں، تم ان سے ملتی رہتی ہو، ان کے گھر جاتی رہتی ہو۔"

وہ چیخ چیخ کر روتی رہی اور رشک گود میں ہاتھ دھرے ساکت بیٹھی رہی۔

شاید اسے ساری عمر جینا تھا۔

اس کی قسمت میں کوئی شجر سایہ دار نہ تھا۔

جہاں وہ لمحہ بھر کو دھوپ کی تمازتوں سے بچ کر بیٹھ جاتی۔

راحیل ایک سراب تھا۔

تو کامل بھی ایک سراب ہی تھا۔

شاید زندگی اس پر کبھی مہربان نہیں ہوگی۔

کامل کو اماں کا فیصلہ پسند نہ تھ ،وہ بار بار ان کے پاس آیا تو وہ جیسے ہار سی گئیں۔

"مہک، کامل بہت اچھا لڑکا ہے اور پھر عمار یا اس کی بہنوں میں سے کوئی ادھر ہمارے گھر نہیں آئے گا۔ کامل کا اپنا گھر ہے اور......"

"وہ عمار کا بھائی ہے اماں۔" وہ چیخنے لگی۔

"جس نے زندگی کو میرے لیے عذاب بنایا اور آخر کار مجھے طلاق دے دی۔ آپ بے شک رشک کی شادی کامل سے کر دیں، لیکن اس سے پہلے مجھے زہر لا دیں، میں زہر کھا لوں گی، مر جاؤں گی۔"

"مہک بیٹا، اپنا دل تھوڑا سا بڑا کر لے۔"

لیکن مہک اپنا دل بڑا نہ کر سکی۔

اور ابا کہتے تھے۔

"کوشی بیٹا! تو اپنا دل بڑا کرنا، اس کا دل بہت چھوٹا ہے۔"

اور اس نے اپنا دل بڑا کر لیا۔

اور وہ شجر سایہ دار جو اسے چھاؤں دینے کو بے قرار تھا۔ اس کے سائے تلے سے ہٹ کر وہ جلتی دھوپ میں آکھڑی ہوئی۔

سر پر جلتا ہوا سورج تھا۔

اور پاؤں تلے تپتی زمیں۔

اور دور دور تک کوئی شجر سایہ دار نہ تھا۔

اماں کے انکار کے بعد ایک دن اچانک کامل کہیں چلا گیا۔

اس نے آفس کی جاب چھوڑ دی اور اسے کالج میں لیکچرر شپ مل گئی تھی۔ زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا تھا کہ راحیل واپس آگیا۔ وہ وہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکا تھا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر پلٹ آیا۔ اس روز کالج سے نکلتے ہوئے یوں ہی اسے گمان سا گزرا تھا کہ سفید نسان میں راحیل تھا۔

تو کیا وہ اب راحیل کو سوچتی ہے۔

اسے حیرت ہوئی تھی۔

اسے دوسروں پر راحیل کا گمان ہونے لگا ہے۔

لیکن پھر ندا نے تصدیق کر دی کہ راحیل پلٹ آیا ہے۔

وہ راحیل سے ملنے نہ جا سکی۔

اماں نے کہا بھی لیکن وہ سوچتی ہی رہی اور دن گزرتے رہے۔

راحیل جب گھر آتا تو وہ گھر پر نہ ہوتی اور یوں وہ راحیل سے نہ مل سکی۔

مہک ان دنوں بہت خوش رہنے لگی تھی اس نے ایک دو بار اسے غور سے دیکھا شگفتہ شگفتہ سے چہرے کے ساتھ وہ بہت خوبصورت لگتی تھی اور کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی بہت اچھا......!

بہت امیر شخص مہک کو پسند کر لے۔

اور مہک اپنی من پسند زندگی گزار سکے وہ دعا کرتی۔

وہ اب بھی مہک کے لیے سب سے اچھی چیز لے کر آتی تھی، جیسے ابا کی زندگی میں تھا۔

اسے معمولی کپڑا اور جوتے پسند نہیں آتے تھے اور اب وہ اس قابل تھی کہ اس کے لیے مہنگے جوتے خرید سکے۔

چلو زندگی میں کچھ تو ٹھہراؤ پیدا ہوا۔

گھر میں سکون اور اطمینان تھا۔ ایسے میں ولدار ماموں نے راحیل کے لیے مہک کا رشتہ مانگ لیا۔ اماں گنگ سی بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔

"میرے نزدیک مہک اور رشک دونوں ایک جیسی ہیں۔" انہوں نے وضاحت کی" میں بہت شرمندہ رہتا تھا کہ میرا انتخاب اچھا ثابت نہ ہوا اور مہک کو اجڑنا پڑا۔"

"نہیں ولدار بھائی! آپ جانتے ہیں قصور مہک کا بھی تھا۔" اماں ابھی تک حیرت کے سمندر میں تھیں۔ "آپ نے راحیل سے بھی پوچھا۔"

"میں اس کی ایما پر آیا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ وہ درد جو انجانے میں، میں نے مہک بیٹی کو دیا تھا وہ اس کا درماں بن رہا ہے۔"

"مگر۔"

اماں کا دل نہیں مان رہا تھا۔ رہ رہ کے آنکھوں کے سامنے رشک کا چہرا آرہا تھا۔

ان کی سادا دل، محبت کرنے والی بیٹی کے نصیب اور راحیل کو تو انہوں نے ہمیشہ رشک کے دولہا کے روپ میں دیکھا تھا

"آپ ایک دو دن سوچ لیں۔" دلدار ماموں نے کہا۔ وہ ان کے دل کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔

"ہماری کوشی بیٹی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ اتنی اچھی، اتنی پیاری اور محبت کرنے والی ہے کہ جس گھر میں جائے گی، اس کا مقدر سنور جائے گا، لیکن مہک کے لیے شاید باہر سے......"

"اور یہ بھی اچھا ہے کہ راحیل نے اس کی خواہش کی، ورنہ میں مہک کے لیے بہت پریشان تھا۔"

"میں کس طرح آپ کی محبتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں۔ دلدار بھائی! کہاں کہاں، کس کس موقع پر آپ نے ہاتھ تھاما۔"

"ایسی باتیں نہ کرو، میں تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا۔"

پھر کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلے گئے اماں نے رشک کو بتایا تو اس نے ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے اماں، راحیل کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ وہ آپا کی خواہشوں کو پورا کر سکے، لیکن آپ پہلے آپا سے پوچھ لیں۔"

اماں کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں، لیکن وہ بالکل بے تاثر تھا۔ کسی ملال کا کوئی رنگ، کسی دکھ کا کوئی بادل اس کے چہرے پر نہیں اترا تھا، وہ اسی طرح ان کی پائنتی بیٹھی ان کے پاؤں دباتی رہی۔

"میری عظیم بیٹی۔" انہوں نے دل ہی دل میں اسے دعا دی۔ اور گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

مہک کی دوسری شادی سہی لیکن راحیل کی تو پہلی شادی تھی اور ممانی ہر رسم کرنا چاہتی تھیں۔ اگرچہ دلدار ماموں نے سادگی اختیار کرنے کو کہا تھا پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

کالج سے آکر مصروف ہو جاتی۔

ندا، ثنا، اماں سب کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتیں۔ حتیٰ کہ مہک کی نظریں بھی اسے کھوجتی تھیں، مگر وہ شاید پتھر ہو گئی تھی۔

"اجنبی" کے ہیرو کی طرح بے حس اور حقیقت پسند۔ کسی دکھ کا کوئی کانٹا اس کے دل میں نہیں چبھا تھا اور کسی خوشی کی کوئی رمق اس کے دل میں پھول نہیں کھلاتی تھی۔

ممانی کتنی بار اسے بلا چکی تھیں اور اس روز تو شکیل صبح صبح آکر ہی اسے لے گیا تھا۔

"آج چھٹی کا دن ہے اور امی نے حکم دیا ہے کہ آپ تشریف لے آئیں۔ امی کو بھی کسی بیٹی کی مدد کی ضرورت ہے اکیلی وہ بے چاری کیا کیا کریں۔"

وہ اسی طرح شور مچاتا ہوا اسے ساتھ لے گیا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ٹیپ چلا دیا۔

"یہ کیا فضول گانا ہے شکیل، کیسا شور مچاتا ہوا سا۔"

"خوش ہو رہا ہوں بلکہ خوش ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کیوں کوشش کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے بھائی کی شادی خوشی کا جواز ہے۔"

"بعض اوقات جواز ہوتا ہے پھر بھی آدمی کے اندر سے خوشی نہیں پھوٹتی۔"

"بڑا فلسفہ بول رہے ہو۔"

وہ ہنسی۔ جانتی تھی کہ وہ اس سے نگاہیں ملا کر بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ سب اس سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ شکیل، عقیل، ماموں اور ممانی سب۔

"آخر ہوا کیا ہے، کون سا اس کی راحیل کے ساتھ باقاعدہ منگنی ہوئی تھی بس ذرا سی بات ہی تو تھی اور کبھی کبھی ایسا تو ہو جاتا ہے کہ آدمی اچانک راستہ بدل لے اور پھر آدمی کو چاہیے کہ وہ حقائق کو قبول کر لے۔ زندگی ہے تو ایسے حادثات ہوتے رہیں گے۔"

شکیل خود بھی بلند آواز میں گا رہا تھا۔

"یہ کیا حماقت ہے شکیل؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ بند کر دیا۔

"تم سب لوگ مجھ سے نظر کیوں نہیں ملاتے ہو۔ میں نے کوئی جرم کیا ہے یا تم نے؟"

شکیل نے لب بھینچ لیے اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"کیا میں سمجھوں کہ میں نے سارے رشتے کھو دیئے ہیں بغیر کسی قصور کے وہ میرے دوستوں جیسے بھائی شکیل، عقیل، میری پیاری ممانی، پرخلوص سے ماموں...... نہیں۔"

شکیل نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ "نہیں کوشی، آپ تو ہم سب کو اب بھی اتنی ہی عزیز ہیں۔"

"تو پھر مجھ سے یہ بے رحمانہ سلوک مت کرو، مجھے یہ تاثر مت دو کہ میں تم سب سے دور ہو جاؤں، مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔؟"

"کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"بس ذرا تھکاوٹ سی تھی اور آپ نے جانے کیا سمجھا۔ آہا! یاد آیا، مہندی والی رات کو ذرا دھیان رکھئے گا جس لڑکی کی طرف میں نے اشارا کر دیا اسے نگاہ میں رکھ لیجئے گا۔"

وہ باتیں کرنے لگا اور رشک نے اطمینان بھرا سانس لیا۔

ممانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

"شکریہ بیٹا تم آ گئی ہو، یہ بری کے کپڑے ہیں، تم دیکھ لو، سیٹ کرو، ٹانک دو، مجھے کچھ پتا نہیں۔"

"اچھا۔" اس نے خوش دلی سے کہا اور اٹیچی کھول کر بیٹھ گئی۔

وہ سارا دن مصروف رہی اور عقیل اور شکیل بھی اس کے پاس بیٹھے اپنی باتوں سے اس کا دل بہلاتے رہے۔ مدتوں بعد وہ یوں دل کھول کر ہنسی تھی۔ عقیل باتیں ہی ایسی کرتا تھا کہ بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ ممانی نے اسے ہنستے دیکھا تو اس کی پیشانی چوم کر دعا دی۔

"خدا کرے تو یونہی ہنستی رہو ہمیشہ، خدا تمہارا مقدر اچھا کرے۔" اور پھر آنکھوں میں بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے باہر نکل گئیں۔

"یہ امی جان آج کل بڑی رقیق القلب ہو رہی ہیں، بات بات پر ان کے آنسو نکل آتے ہیں جیسے بیٹا نہیں بیٹی بیاہ رہی ہوں۔" شکیل نے تبصرہ کیا۔

"ایک ہی بات ہے، بیٹی نہیں تو بیٹا تو رخصت کر رہی ہیں۔ مہک آپا ادھر ہمارے ساتھ کہاں رہیں گی وہ تو راحیل بھائی کے ساتھ الگ گھر میں رہیں گی کیوں کوشی؟"

"پتا نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا دوپٹا تہہ کر کے اٹیچی میں رکھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ راحیل بھائی نے اپنا فیصلہ۔" عقیل کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شکیل نے اسے ٹوک دیا۔

"یار دیکھو امی جان کیا کہہ رہی ہیں۔ اچھی سی چائے تو بنوا لو، موڈ ہو رہا ہے۔"

"اچھا۔"

عقیل سمجھ گیا کہ شکیل نہیں چاہتا کہ وہ راحیل کے متعلق اس طرح کی کوئی بات رشک سے کرے۔

چائے پی کر شکیل بھی کسی کام سے باہر چلا گیا تھا۔ ممانی کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اس کا کام بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر دیوار سے ٹیک لگائی۔

"کوشی۔" راحیل نہ جانے کب اندر آیا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"کوشی!" وہ اس کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں کنکر سے چبھنے لگے، لیکن وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔

"کوشی! پتا نہیں یہ سب کیسے ہو گیا، کیوں ہو گیا، میں تم سے کیوں بدگمان ہوا، میں......"

"اب ان باتوں کا کیا فائدہ، یقیناً مجھ سے کہیں کوئی غلطی ہوئی ہو گی راحیل، جس سے تم بدگمان ہوئے۔"

"نہیں غلطی تو مجھ سے ہوئی کوشی! میں مہک کی باتوں میں آ گیا تھا۔ میں نے سمجھا کہ تم......" وہ ذرا دیر کو رکا جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

"میرے خیال میں اب یہ ذکر لاحاصل ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ "تم ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے والے ہو اس کے متعلق سوچو، جو گزر گیا سو گزر گیا۔"

"پلیز کوشی! دو منٹ رک جاؤ، میری بات تو سن جاؤ، میں بہت پریشان ہوں۔ کل سے میں سویا نہیں ہوں۔ کل شام کو کامل ملا تھا مجھے۔"

"کامل!" اس کے دل یک دم دھڑکا۔

وہ مہربان اور شفیق دوست۔

کتنے دنوں سے وہ اسے نہیں ملا تھا۔

پتا نہیں اچانک وہ کہاں چلا گیا تھا۔

"ہاں، کامل نے مجھے بتایا کہ تم......"

"اچھا تو کامل نے......"

رشک نے سوچا، کامل کو تو اس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ایک ایک بات راحیل کی غلط فہمی اور مہک کی...... بدگمانی سب کچھ۔

"تھینک یو مہربان دوست۔" اس نے دل ہی دل میں کامل کا شکریہ ادا کیا۔

"کامل نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں منالوں اور......"

"میں تم سے خفا نہیں ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"مجھے پتا تھا تم مجھ سے خفا نہیں ہو گی۔ تم مجھ سے خفا نہیں ہو سکتیں تم...... تم بہت اچھی ہو کوشی، میں نے تمہیں بہت پریشان کیا، لیکن اب میں اس سارے دکھ کی تلافی کر دوں گا اور تمہاری جھولی میں اتنی خوشیاں ڈالوں گا کہ...... میں ابھی امی سے بات کرتا ہوں کہ مہک نہیں تم...... اور صرف تم ہی میری زندگی کی ساتھی ہو سکتی ہو۔"

"راحیل! رشک کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔" یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تین دن بعد تمہاری بارات ہے اور تم فیصلہ بدل رہے ہو، تم ہوش میں تو ہو۔"

"ہاں میں ہوش میں ہوں، میں تمہارے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔"

"سوری راحیل! یہ تمہیں پہلے سوچنا تھا اور میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جو مہک آپا کی خوشیوں کے مزار پر اپنی خوشیوں کا محل تعمیر کروں، سوری راحیل۔"

"کوشی! مہک کی غلط بیانی کا راز کھلنے کے بعد میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گا، میں اسے محبت نہیں دے سکوں گا۔"

"کوشش کرنا، مہک آپا اتنی بری نہیں ہیں۔ خواہشوں کی ناآسودگی نے شاید انہیں ایسا بنا دیا ہے۔ بچپن سے ہی اس کی پسند اونچی تھی اور جب وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتی تھیں تو

الجھی تھیں، تم انہیں محبت دو گے، اعتماد دو گے اور ان کی خواہشوں کو پورا کرو گے تو وہ اچھی رفیق ثابت ہوں گی۔" رشک نے تحمل سے سمجھایا۔

"لیکن کوشی۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی۔ "میں......"

"پلیز راحیل! اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرو اور خود کو اور اپنے گھر والوں کو تماشا نہ بناؤ۔" اور وہ اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے باہر نکل آئی۔

راحیل اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اسے رک نہیں سکتا تھا۔ منا نہیں سکتا تھا کہ ڈور اس کے ہاتھ سے چھٹ چکی تھی۔

مہک جو اس کی زندگی کی رفیق بننے چلی تھی

اس سے تو اس نے کبھی محبت نہیں کی تھی۔

کبھی اس کے ساتھ دعا نہیں مانگی تھی۔

کبھی...... اور پتا نہیں کن جذباتی لمحوں میں اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا...... وہ رشک سے اتنا خفا کیوں ہو گیا تھا کہ اس نے اس سے سارے ناتے ہی توڑ لیے۔

کاش ایک بار وہ اس سے پوچھ تو لیتا کہ وہ عمار کے ساتھ کیوں تھی۔ اور پھر...... پھر شاید ایسا نہ ہوتا۔

اسے لگا جیسے قطرہ قطرہ زہر اس کی رگوں میں اتر رہا ہو، پچھتاوے کا، ندامت کا دکھ کا زہر اور شاید اب یہ زہر اس نے ساری عمر پینا تھا۔

یونہی قطرہ قطرہ کر کے۔

کہیں سے تریاق ڈھونڈ لاؤ۔

مگر کہاں سے؟

نہ کوئی حاتم نہ خضر ہم ہیں۔

کہاں ہے راہِ نجات

صدیوں کے بعد بھی دل یہ پوچھتا ہے۔

مگر دشتِ امکاں میں۔

ایک صرف سوال ہے۔

اور کچھ نہیں ہے

کیوں کیا میں نے ایسا...... کیوں ؟

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور وہیں بیٹھ گیا اور ایک درد...... گہرا درد اس کے دل کو چھلنے لگا۔

☆☆☆☆☆

وہ آج بہت خوش تھی کہ بالآخر اس نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

اور آج ابا کی روح کتنی خوش ہوگی۔ اس نے دل میں ایک اطمینان سا محسوس کیا۔

ندا اور ثنا دونوں کی بہت اچھی جگہ شادیاں ہو گئی تھیں۔

ثنا نے بی۔اے کر لیا تھا۔ ندا بھی فورتھ ایئر میں تھی لیکن دونوں کے بہت اچھے رشتے آئے تو اس نے سوچا اچھا دونوں کے فرض پورے ہو جائیں۔ ندا نے خوب شور مچایا، لیکن اس نے اماں کو منا لیا۔

اور اب دونوں کی رخصتی کے بعد وہ واپس گجرات جا رہی تھی۔ تقریباً ایک سال سے اس کی ٹرانسفر گجرات کالج میں ہوگئی تھی۔ وہ ہر ہفتے گھر آجاتی تھی اور آج پورے ایک ماہ کی چھٹیوں کے بعد وہ واپس جا رہی تھی۔

زندگی کا سفر مشکل ضرور تھا، لیکن طے ہو ہی گیا۔

سب کچھ اس کی خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق تھا۔

مہک شروع میں کچھ ڈسٹرب رہی۔

راحیل کا رویہ اس کے ساتھ کچھ زیادہ بہتر نہ تھا۔

لیکن رشک نے راحیل کو اس کا وہ وعدہ یاد دلایا۔

"راحیل، ہم دوست تھے اور تمہیں یاد ہے کہ تم نے ہمیشہ میرے غم بانٹنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہوں۔"

"تو پھر مہک کو خوش رکھو۔"

اور راحیل، مہک کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا تھا اور مہک خوش تھی اور نادم بھی۔ بار بار

ہر خط میں معافی مانگتی تھی۔

حسام کالج میں آگیا تھا۔

بس تھوڑا سا سفر باقی تھا۔

اور پھر ابا کی آرزو کے مطابق سب کچھ ہو جائے گا۔

کاش...... کاش ابا زندہ ہوتے۔

اس نے سیٹ سے سر ٹیک لیا۔

سب کچھ ٹھیک ہے۔

پھر بھی دل خالی خالی لگتا ہے۔

جیسے کچھ کھو گیا ہو، گم ہو گیا ہو۔

اور وہ کامل رضا بٹ۔

وہ پتا نہیں کہاں تھا۔

اس روز راحیل کے گھر سے واپسی پر وہ کامل کی طرف چلی گئی تھی لیکن کامل جا چکا تھا۔

ماں جی نے بتایا کہ وہ تو بس رات بھر ہی ٹھہرا تھا پھر چلا گیا۔

اور مہک لکھتی تھی۔

"کوشی! کامل ملے تو اس سے شادی کر لینا۔"

وہ بھی عمار جیسا ہی ہوگا۔

محبت کرنے والا دوست اور مہربان۔

میرے بے چین دل کو تب ہی سکون ملے گا جب تم۔"

اور وہ کامل جس کے ساتھ اس نے کوئی عہد و پیماں نہیں کیے تھے۔ وہ اکثر اس کے تصور میں چلا آتا تھا۔

اپنے مہربان اور شفیق لہجے میں بات کرتا ہوا۔

اپنی سیاہ آنکھوں کے سمندروں میں محبتوں کا طوفان سمیٹے اسے تکتا ہوا۔

"رشک...... رشک ماہ!" قریب ہی کسی نے سرگوشی کی تو چونک کر سیدھی ہو گئی۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں ؟"

"یہ آواز...... یہ آواز......"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ "کامل...... ہاں کامل! سیٹ کی پشت پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی محبتوں کا سمندر موجزن تھا۔

"کامل!" وہ خوشی اور حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں ابھی تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"تم میرے بارے میں سوچتی ہو؟" کامل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہاں، تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں بارہ مولا کپواڑہ میں مجاہدین کے ساتھ تھا۔ کوشی کیا تمہیں خبر نہیں کہ وہاں کشمیر میں ظلم حد سے بڑھ گیا ہے۔"

"اور جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو ساری زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں کامل۔" رشک نے اپنے دل میں بڑی طمانیت محسوس کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ہاں انشاء اللہ بہت جلد ظلم ختم ہو جائے گا۔ تم کیسی ہو اور کہاں جا رہی ہو؟"

"میں گجرات جا رہی ہوں آج کل وہاں کے کالج میں ہوں اور کیسی ہوں...... تو اچھی ہوں۔"

"رشک! میں تمہارے بارے میں بہت سوچتا تھا اور میں نے تمہارے لیے بہت دعائیں کیں اور مجھے یقین ہے کہ میری دعائیں ضرور قبول ہوئی ہوں گی راحیل کیسا ہے کیا اس کی بدگمانی دور ہوئی؟"

"راحیل اچھا ہے، وہ اور مہک آپا آج کل سعودی عرب میں ہیں اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے، گپلو سا، نیلی آنکھوں والا...... ؟"

"راحیل اور مہک؟" کامل کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"ہاں، راحیل اور مہک آپا کی شادی ہو گئی تھی۔" اس نے بڑے نارمل انداز میں بتایا۔

"لیکن میں نے تو راحیل کو......"

"ہاں، تم نے راحیل کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔" رشک نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن بہت دیر ہو چکی تھی کامل۔"

"کیا اب مجھے بھی دیر ہو گئی ہے؟" کامل کے بے تاثر چہرے رنگ سے دوڑ اٹھے۔ اور آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے۔

"نہیں۔" رشک نے نگاہیں جھکالیں۔

"ہاں! ابھی دیر نہیں ہوئی۔" کامل نے سرگوشی کی۔

کہیں سے تریاق ڈھونڈ لاؤ۔
ابھی بدن میں ہے جان باقی۔
ابھی لبوں پہ ہے زندگی سی
کہیں سے تریاق لے کے آو
اس سے پہلے
کہ زندگی
ساتھ چھوڑ جائے۔

"ہاں، ابھی دیر نہیں ہوئی رشک! میں تو شہادت کی آس لے کر گیا تھا، لیکن شاید خدا نے مجھے تمہارے لیے بچا لیا مگر......" کامل نے اس کے کان میں...... سرگوشی کی۔

"مگر کیا؟" رشک نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا

"مگر مہک آپا اور تمہارے گھر والے۔"

وہ سب...... وہ سب تمہارے منتظر ہیں کامل!"

"اوہ! میرے نصیب اتنے اچھے کہاں تھے رشک! لیکن خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"نہیں۔" وہ مسکرائی

کامل نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"اب یہ ہاتھ کبھی نہیں چھوڑنا۔

میری اپنی رشک۔

رشکِ ماہ کامل۔

"گجرات...... گجرات!" کنڈیکٹر دروازے پر کھڑا آواز لگا رہا تھا۔

اور کامل کی وارفتہ نظریں رشک کے چہرے پر تھیں۔

اور رشک کی نظریں حیا کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

بس ایک بار

بی جان کی موت اس کے لئے ایک حادثے سے کم نہ تھی۔ سنی ماموں کا خط پڑھ کر وہ یوں حلق پھاڑ پھاڑ کر روئی کہ روم نمبر ۳۷ سے سمیرا احسن ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی آئی اور اسے یوں چیخ چیخ کر روتے دیکھ کر اشارے سے کرن حیدر سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا۔

"پتا نہیں۔" کرن خود حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے تو خود سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ یکایک نادرہ کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی چند لمحے پہلے تو وہ اسے بھلا چنگا چھوڑ کر باتھ روم گئی تھی اور دس منٹ میں ایسی کیا آفت آگئی تھی۔

"ندیا کیا ہوا پلیز، بتاؤ نا؟" سمیرا اور کرن نے ایک ساتھ پوچھا۔

"وہ---وہ---" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا۔ "بی جان فوت ہو گئیں۔"

بی جان اس کی کون تھیں، نہ تو سمیرا کو خبر تھی اور نہ ہی کرن کو مگر وہ جو اس طرح رو رہی تھی تو یقیناً کوئی بہت ہی قریبی رشتہ ہو گا۔

کرن اس کے پاس بیٹھ کر اسے تسلی دینے لگی۔ بڑی دیر بعد وہ سنبھلی تو اسے

احساس ہوا کہ وہ کیسے احمقوں کی طرح بالکل گاؤں کی گنوار لڑکیوں کی طرح رو رہی ہے۔ تو اس نے جلدی سے منہ بند کر لیا اور آنکھیں صاف کر لیں اور اندر ہی اندر شرمندہ ہوتے ہوئے سمیرا اور کرن کی طرف دیکھا۔

"سوری! میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ہم ڈسٹرب تو نہیں ہوئے۔ تمہاری بی جان کو کیا ہوا تھا ندیا۔"

"بی جان کو" اس نے چارپائی پر پڑا سنی ماموں کا خط اٹھا کر پڑھا

اور بی جان رات کو عشا کی نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک۔ سنی ماموں سے سونے سے پہلے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ کیسی ہے اور یہ کہ جانے ہوسٹل میں اس کا دل لگا کہ نہیں اور یہ کہ اگر سنی کو فرصت ہو تو چند دن کے لئے اسے گھر لے آئے۔

"ہائے۔" اس نے سسکی لی۔ "کتنی اچھی تھیں بی جان۔" اس نے زیر لب دہرایا اور سوچا کہ وہ انہیں کیا بتائے کہ بی جان اس کی کون تھیں۔ بظاہر تو اس کا ان سے کوئی رشتہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وہ اس کے سنی ماموں کی ساس تھیں لیکن وہ اس کی سب کچھ تھیں۔ ماما اور پاپا کے فارن جانے کے بعد بی جان نے کس طرح اس کا خیال رکھا تھا جیسے وہ اس کی ماں ہوں۔ جب ماما اور پاپا اسے ماموں کے پاس چھوڑ کر جا رہے تھے وہ کتنا بلک بلک کے روئی تھی اور وہیں پہلی بار اس نے بی جان کو دیکھا تھا۔ سفید شلوار قمیص اور سفید ململ کا دوپٹہ لپیٹے وہ تخت پر بیٹھی اسے روتے دیکھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح نیچے رکھ دی اور اسے آ کر اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"نہ رو بچی!"

اور ان کے سینے سے لگ کر اسے بڑا سکون ملا تھا۔

کچھ عرصہ وہ سنی ماموں کے ہاں رہی تھی اور پھر سنی ماموں اسے مری ہوسٹل میں چھوڑ آئے تھے۔ اور وہاں مری میں وہ کتنا بور ہوتی تھی۔ اور چھٹیوں میں جب سنی

ماموں اسے گھر لاتے تو وہ بی جان کے بستر میں گھس کر مونگ پھلیاں اور چلغوزے کھاتے ہوئے ان سے کہانیاں سنتی۔ اور اسے بڑا اچھا لگا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے لئے بڑا انوکھا اور نرالا تھا۔ مما اور پاپا دونوں سروس کرتے تھے۔ جب وہ بہت چھوٹی تھی تو ماما اسے دفتر جانے سے پہلے بے بی کیئر ہوم چھوڑ جاتیں اور شام کو جس کو بھی پہلے چھٹی ہو جاتی وہ اسے لے جاتا اور جب وہ ذرا سا بڑی ہوئی تو پاپا کو اس کی فکر لگ گئی۔

”یہاں کا ماحول ٹھیک نہیں۔ بچیوں کو اپنے ہی ملک میں تعلیم دینی چاہئے۔ یہاں پلنے والے بچے اپنے کلچر، اپنے ماحول اور اپنی ثقافت سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔“

اتنے برسوں سے انگلینڈ میں رہنے کے باوجود وہ اندر سے کچھ مذہبی تھے۔ کہ ممی کی مخالفت کے باوجود اسے گاؤں دادا ابا کے پاس چھوڑ گئے۔ دادی ماں تو تھیں نہیں اور گاؤں میں اس کا ذرا بھی دل نہ لگتا۔ گھر میں تھا ہی کون۔ ایک ”جھلڑ“ سانوکر اور ایک ماسی نوراں اور پھر گاؤں میں پھوپھی کا گھر تھا۔ جب اس کا بہت دل گھبراتا اور وہ رونے لگتی تو دادا جان اسے ان کے گھر لے جاتے۔ اور وہاں جا کر اس کا دل اور بھی گھبراتا۔ کچی مٹی کا صحن اور اس میں کڑکڑ کرتی مرغیاں اور مرغیاں بھی ایسی ڈھیٹ کہ جس کا جہاں دل چاہتا وہیں استراحت فرمانے لگتی۔ اور پھر دادا ابا کے آنے پر پھپھو سرخ پیڑھی ان کی چارپائی کے پاس رکھ کر ”حقہ“ پیتی تھیں اور جب وہ گڑگڑ کر کے دھواں اندر کی طرف کھینچتی تھیں تو اسے بہت عجیب لگتا۔ اس نے کبھی کسی عورت کو حقہ پیتے نہیں دیکھا تھا اور پھپھو کے ننگ دھڑنگ بیٹے تو اسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے جو موقع ملتے ہی کبھی اس کا ربن نوچ لیتے اور کبھی پاؤں مسل ڈالتے اور وہ رات کو بستر پر لیٹ کر چپکے چپکے روتی تھی۔ وہ کتنی کمزور ہو گئی تھی۔ دادا ابا نے شاید پاپا کو خط لکھا تھا کہ چھٹیوں میں اسے اپنے پاس بلا لیں۔ بچی تمہارے لئے اداس ہو گئی ہے۔ اور جب پاپا اسے لے کر گئے تو وہ ماما کے گلے لگ کر اتنا روئی تھی کہ ماما پاپا سے بہت دیر تک جھگڑتی رہی تھیں کہ انہوں

نے بچی کو جدا کر دیا ہے لیکن پاپا نے ماما کی ایک بات نہ سنی تھی اور جب چھٹیاں ختم ہونے کو تھیں تو پاپا نے اسے دادا ابا کے پاس بھیجنے کا حکم سنا دیا۔ ماما نے جھگڑا کیا۔ وہ اسے گاؤں نہیں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن پاپا نے تو ہمیشہ اپنی ہی منوانی تھی مگر ہوا یوں کہ اس کے جانے سے صرف دو دن پہلے اچانک ہی دادا ابا کا انتقال ہو گیا اور اس کا مسئلہ وقتی طور پر دب گیا۔ پاپا فوری طور پر پاکستان چلے گئے اور اسے دادا ابا کے مرنے پر بڑی عجیب سی خوشی ہوئی کہ چلو اب وہ پاکستان نہیں جائے گی مگر پاپا جب واپس آئے تو وہ اسے پھپھو کے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر آئے تھے۔

”پھپھو کے گھر!“ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس سے تو اچھا تھا دادا ابا نہ مرتے، پھپھو کا حقہ پینا، ان کی درجنوں مرغیاں ادھر سے ادھر بے تکلفی سے صحن میں گندگی پھیلاتیں۔ ان کے چاروں بیٹے جن کی ناکیں مسلسل بہتی رہتی تھیں اور جنہیں وہ ہمیشہ کرتے یا قمیص کے دامن سے صاف کر لیا کرتے تھے۔

اسے ڈھیروں رونا آیا۔

”ہائے دادا ابا۔“ وہ چیخیں مار مار کر روئی۔

پاپا نے اسے لپٹا لیا۔

”ارے میری بچی کو دادا ابا سے اتنا پیار تھا۔“ انہوں نے اس کے رخساروں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور بڑے پیار سے موت وزندگی کا فلسفہ سمجھانے لگے۔

پھر اس کی تیاری مکمل ہو گئی۔ پاپا کے بجائے ماما اسے چھوڑنے آئی تھیں کیونکہ پاپا کو اب اتنی جلدی دوبارہ چھٹی نہیں مل سکتی تھی۔ اور ماما کو پھپھو کے گھر کا ماحول ایک آنکھ نہیں بھایا اور کئی دن تک فون پر لمبے لمبے مذاکرات کرنے اور طویل خط لکھنے کے بعد ماما، پاپا کو اس بات پر رضامند کر سکی تھیں کہ اسے مری ہوسٹل میں داخل کر دیا جائے اور سنی ماموں کو اس کا گارجین بنا دیا جائے۔ سنی ماموں اسلام آباد میں تھے اور

انکے لئے ویک اینڈ پر اسے لانا لے جانا آسان تھا اور یوں سنی ماموں کے گھر اس نے پہلی بار بی جان کو دیکھا تھا۔ سنی ماموں بے اولاد تھے۔ ان کی بیوی کے علاوہ گھر پر ان کی ساس بھی رہتی تھیں۔ بلکہ یہ گھر ہی بی جان کا تھا۔ مامی بی جان کی اکلوتی بیٹی تھیں اور شادی کے بعد سنی ماموں راولپنڈی سے اسلام آباد بی جان کے بے حد اصرار پر گئے تھے۔

سنی ماموں اور بی جان سے اس کی بہت دوستی تھی۔ البتہ آنٹی کچھ سنکی تھیں۔ موڈ ہوتا تو بہت خوش دلی سے بات کرتیں، موڈ نہ ہوتا تو اتنی کھردری اور تلخ ہوتیں کہ اسے ان سے بات کرتے بھی خوف آتا تھا۔ ایسے میں سنی ماموں اکثر اسے پہلے سے ہی باخبر کر دیتے تھے کہ مطلع ابر آلود ہے۔ شاید اولاد سے محرومی نے انہیں ایسا بنا دیا تھا اور جب ان کا موڈ خراب ہوتا تو وہ سارا وقت بی جان کے پاس بیٹھی رہتی تھی۔ بی جان کے ساتھ اس نے بہت سے دکھ سکھ شیئر کئے تھے۔ وہ ان سے بہت باتیں کرتی تھی اپنی سہیلیوں کی سسٹرز کی، اپنے اسکولز کی۔ اور اب میٹرک کے بعد اسے لاہور آنا پڑا تھا۔ پاپا کی بھی خواہش تھی کہ وہ لاہور میں پڑھے جبکہ وہ تو اسلام آباد میں ہی پڑھنا چاہتی تھی۔ یوں پہلی بار اس نے لاہور دیکھا تھا۔ کتنی ساری باتیں اس کے پاس بتانے کو تھیں شاہی قلعہ، شاہی مسجد۔ مقبرہ جہانگیر، مینار پاکستان۔ سب کے بارے میں وہ بی جان کو بتائے گی وہ اکثر سوچتی مگر بی جان۔ اور آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آ گئے۔

"تم نے ابھی تک نہیں بتایا ندو کہ بی جان کون تھیں---؟" سمیرا نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بی جان!" اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور ایک دم ہی اس نے سمیرا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور زور زور سے رونے لگی۔

"حوصلہ کرو ندیا۔ سمیرا نے اسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا۔

"بی جان بہت اچھی تھیں سمو! بہت اچھی۔ وہ میری کچھ نہیں لگتی تھی۔"

"ہیں!" سمیرا نے اسے الگ کرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں، میرا ان سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا-" اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ "وہ میری ممانی کی ماں تھیں اور ماموں کی شادی بالکل غیروں میں ہوئی تھی۔"

"اور تم نے ان کی موت کو اتنا محسوس کیا؟" کرن نے نرمی سے کہا۔ "یقیناً وہ تمہیں بہت چاہتی ہوں گی۔"

"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "سات سال کی عمر سے لے کر اب تک میں نے ساری محبتیں، ساری شفقتیں انہی سے پائی تھیں۔ پاپا اور ماما تو کبھی چھٹیوں میں آتے بھی تو ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ میرے پاس بیٹھیں، مجھ سے میرے مسائل پوچھیں، مجھے زندگی کی اچھائیوں اور برائیوں کے متعلق بتائیں۔ ان کی چھٹی تو رشتے داروں کے ہاں دعوتیں کھانے میں گزر جاتی تھی اور میں سوچتی ہی رہ جاتی تھی کہ کب ماما کو فرصت ہو اور میں ان کے پاس بیٹھ کر اپنی باتیں کروں۔ میرے سارے دکھ سکھ بی جان نے شیئر کئے ہیں۔ مجھے ہر اچھی اور بری بات انہوں نے بتائی ہے۔"

"تمہارا دکھ اپنی جگہ پر ندیا لیکن موت ایسی چیز ہے جس پر آدمی کا اختیار نہیں ہوتا۔" کرن حیدر نے اسے سمجھایا۔ اسے اپنی اس نازک سی بے حد خوبصورت روم میٹ پر بہت ترس آ رہا تھا، جو یہاں ہوسٹل میں آنے کے چند دن بعد ہی اس اتنے بڑے دکھ کا شکار ہو گئی تھی اور وہ جو یہاں پاکستان میں تنہا تھی، اپنے ماں باپ سے دور اور پھر اس کا غم غلط کرنے کے لئے وہ اور سمیرا اسے بانو بازار کی چاٹ کھلانے لے گئیں۔

چاٹ کھا کر وہ یونہی بے مقصد گھومتی پھریں لیکن اس کی اداسی کم نہ ہوئی تھی۔ سمیرا اور کرن کی خوشی کی خاطر وہ بظاہر ان کے لطیفوں اور دلچسپ باتوں پر ہنس رہی تھی لیکن اس کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ یوں جیسے اچانک اس کے سر سے چھت اٹھ گئی

ہو۔ جیسے وہ تنہا ہو گئی ہو۔ اب اگر اسے کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو وہ کس سے کہے گی۔ ماما پاپا تو اتنی دور تھے اور سنی ماموں سے ہر بات تو نہیں کہی جا سکتی تھی۔

ہوسٹل واپس آکر اس نے سنی ماموں کو خط لکھا۔ بہت لمبا چوڑا شکوؤں سے بھرا ہوا کہ اسے بی جان کی موت کی اطلاع بروقت کیوں نہ دی گئی۔ وہ آخری بار انہیں دیکھ لیتی تو شاید دل پر اتنا بوجھ نہ ہوتا۔ خط لکھ کر جب اس نے کرن کی طرف دیکھا تو وہ تکیہ بازوؤں میں لئے گہری نیند سو رہی تھی۔ پورے ہوسٹل میں خاموشی تھی۔ زیادہ تر کمروں میں اندھیرا تھا۔ سینئر لڑکیوں کے کمروں میں کہیں کہیں لائٹ جل رہی تھی لیکن اتنا سناٹا تھا کہ نادرہ کو خوف سا محسوس ہونے لگا۔ اس نے کمرے کی لائٹ جلنے ہی دی اور بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر وہ یونہی بیٹھی ادھر ادھر دیواروں پر لرزتے سایوں کو دیکھتی رہی اور اندر ہی اندر اس کا دل خوف سے کانپتا رہا۔ کبھی اسے لگتا جیسے دیواریں ہولے ہولے اس کی طرف حرکت کر رہی ہوں اور ابھی اسے پیس ڈالیں گی۔ کبھی اسے یوں لگتا جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو۔ "کرن؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں اسے بلایا لیکن وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تب کبوتر کی طرح وہ آنکھیں بند کر کے سکڑ کر لیٹ گئی اور ہولے ہولے سسکنے لگی لیکن خوف عجیب سا خوف اس کے وجود پر مسلط ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ لرزتی کانپتی رہی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ اسے کچھ پڑھنا چاہئے جتنی سورتیں اسے یاد تھیں وہ ان سب کو بار بار پڑھنے لگی اور یونہی پڑھتے پڑھتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

سنی ماموں اس کا خط ملتے ہی آ گئے تھے۔

"سنی ماموں!" وہ ان کے گلے سے لگتی کتنی دیر تک سسکتی رہی اور وہ ہولے ہولے اسے تھپکتے رہے۔

"مجھے کیا خبر تھی گڑیا کہ تو بی جان سے اتنی اٹیچڈ ہو گی۔'

"وہ بہت اچھی تھیں سنی ماموں، بہت اچھی۔"

"ہاں گڑیا۔" سنی ماموں بھی بہت اداس تھے۔

اور پھر سنی ماموں اسے اداس دیکھ کر اپنے ساتھ ہی لے آئے۔ گھر آکر اسے بی جان اور بھی شدت سے یاد آئیں وہ آنٹی کے گلے لگ کر بہت روئی۔ آنٹی خالی خالی آنکھوں سے اسے تکتی رہیں تو وہ خود ہی چپ ہو گئی۔ سنی ماموں نے اسے اداس دیکھ کر پاپا سے بات کرا دی تو وہ فون پر رو پڑی۔

"پاپا! میں آپ کے اور ماما کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔"

"بیٹا تم اپنی تعلیم مکمل کر لو۔"

"تعلیم تو وہاں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔" اس نے ضد کی۔ "لوگ تو یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ جاتے ہیں اور آپ نے مجھے یہاں بھجوا دیا ہے۔"

"میں نے بہتر کیا ہے بیٹا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم وہاں اپنے وطن میں رہ کر زیادہ بہتر تربیت حاصل کر رہی ہو۔"

"مگر پاپا۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔ "میں بہت تنہائی محسوس کرتی ہوں۔ بہت اکیلا پن۔"

"بہادر بنو بیٹا!" وہ اسے سمجھاتے رہے۔

اور وہ تھک کر خاموش ہو گئی، جانتی تھی کہ پاپا اس کی بات کبھی نہیں مانیں گے جانے ان کے دل میں یہ بات کیوں بیٹھ گئی تھی کہ انگلینڈ کے ماحول میں تعلیم حاصل کر کے وہ اپنے کلچر سے دور ہو جائے گی۔ پاپا سے بات کر کے وہ اور بھی اداس ہو گئی تھی۔ سنی ماموں نے اس کا دل بہلانے کے لئے اسے خوب سیر کرائی۔ شام کو دیر تک وہ گھومتے پھرتے، شکر پڑیاں، راول ڈیم، ایوب پارک کئی بار کی دیکھی ہوئی جگہیں وہ ایک بار پھر سنی ماموں کے ساتھ دیکھتی پھری۔ سنی ماموں نے اس کے ساتھ ڈھیروں باتیں کیں، اپنی آنٹی کی، بی جان کی اور پہلی بار اسے پتا چلا کہ ہر دم ہنسنے والے

سنی ماموں کا دل اندر سے کتنا گداز ہے۔ اولاد سے محرومی کا دکھ وہ اندر ہی اندر اپنے سینے میں پال رہے تھے جبکہ آنٹی سے ہمیشہ وہ یہی کہتے تھے کہ انہیں اولاد کی خواہش نہیں ہے اور یہ کہ وہ اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہیں۔ مگر اس روز دامن کوہ میں نیلی آنکھوں والے پیارے سے بچے کو گود میں اٹھا کر جس طرح انہوں نے والہانہ انداز میں اسے پیار کیا تھا اس سے ان کا دکھ اس کے دل میں اتر آیا تھا اور اس نے سچے دل سے دعا مانگی تھی کہ خدا سنی ماموں کو اولاد کا سکھ دے۔

ایک ہفتہ پلک جھپکتے میں گزر گیا تھا اور جس روز وہ جارہی تھی اس روز سنی ماموں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ آج اسے انہیں اپنا دوست سمجھے گی اور اپنا ہر دکھ سکھ ان سے کہے گی اور یہ کہ وہ یہاں خود کو کبھی اکیلا نہ سمجھے اور جو باتیں وہ بی جان سے کیا کرتی تھی، ان سے کیا کرے۔"

اور ہوسٹل کے گیٹ پر رخصت ہوتے ہوئے ایک بار انہوں نے کہا تھا۔

"یاد رکھنا گڑیا! آج سے ہم ماموں بھانجی بہت اچھے دوست ہیں۔۔"

کرن حیدر اور سمیرا حسن اس سے بہت وارفتگی سے ملیں۔۔ "سچی ندیا ہم نے تمہیں بہت مس کیا۔" انہوں نے شکوہ کیا۔

وہ رات گئے تک باتیں کرتی رہیں۔ وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی اور اس نے یہ حقیقت بھی جان لی تھی کہ وہ کتنا بھی روئے پیٹے اور چلائے، پاپا اسے واپس ہرگز نہیں بلائیں گے، لہٰذا اسے یہیں دل لگانا تھا۔

ہوسٹل آنے کے چند دن بعد ہی پاپا کا بہت لمبا چوڑا خط اسے ملا تھا۔ ڈھیر وں نصیحتوں سے بھرا خط۔ اور اسے خط لکھنے کے ساتھ ہی انہوں نے شاید پھپھو کو بھی خط لکھ دیا تھا کہ وہ دوسرے دن ہی اس سے ملنے چلی آئیں۔ یوں بھی وہ لاہور سے قریب تھیں۔ ان کا گاؤں لاہور سے نزدیک تھا۔ پھپھو کے ساتھ شیر دل بھی تھا۔ پھپھو کا سب

سے بڑا بیٹا جو لاہور میں ہی تھا اور بی ایس سی میں تھا، پھپھو سے وہ خوش دلی سے ملی۔ شیر دل کو اس نے بس ایک نظر ہی دیکھا تھا۔ شلوار قمیص میں ملبوس وہ نگاہیں جھکائے بیٹھا تھا۔ نہ اس نے نادرہ کی طرف دیکھا تھا نہ بات کی تھی۔

پھپھو کو وہ اپنے ساتھ کمرے میں لے آئی اور شیر دل وہاں ہی انتظار گاہ میں بیٹھا رہا۔ اس کی روم میٹ نے پھپھو کی خوب خاطر مدارات کی اور پھپھو نے بہت خلوص و محبت سے بار بار انہیں گھر آنے کی دعوت دی صرف گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کا تو راستہ ہے جب جی چاہے، دل گھبرائے شیر دل کے ساتھ آجانا اور ان دونوں کو بھی لانا اور میں نے شیر دل سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ تمہاری خیر خبر لیتا رہے گا۔"

"پھپھو نے جاتے ہوئے خوب بھینچ بھینچ کر تینوں کو گلے لگایا، سمیرا تو ایک دم ہی ان سے متاثر ہوگئی تھی۔

"سچی ندیا! تمہاری پھپھو کتنی اچھی ہیں، محبت کرنے والی، ایک ہماری پھپھو ہیں گلے ملیں گی بھی تو یوں فاصلے سے جیسے جراثیم چمٹ جائیں گے۔" سمیرا نے پھپھو کے سامنے ہی ندیا سے تعریف کر دی۔

"ارے میری جان! اگر میں ندیا کی پھپھو ہوں تو تمہاری بھی پھپھو ہوں۔"

اور پھر جب وہ تینوں انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئیں تو سمیرا نے شیر دل کو دیکھ کر کرن کے کان میں سرگوشی کی۔

"اللہ کرنی! یہ ندیا کا کزن کتنا ہینڈسم ہے۔"

وہ پھپھو کو خدا حافظ کہہ کر پلٹی تو اس نے سمیرا سے پوچھا۔ "یہ تم کرن کے کان میں کیا سرگوشیاں کر رہی ہو؟"

"یار تمہارے کزن کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ بہت اسمارٹ بندہ ہے۔"

"ہاں ندیا، تمہارا کزن بہت اسمارٹ ہے۔" کرن نے بھی سمیرا کی تائید کی تو اس

نے بڑی حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کون، تمہارا مطلب ہے شیر دل!"

"ہاں۔" سمیرا نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس کی چٹکی لی۔

"ریئلی ندیا! تمہارا کزن تو--دیکھو اسے گرفت میں لے لینا۔ کہیں ہاتھ سے نکل ہی نہ جائے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی اور پھر شیر دل تو عام سا لڑکا ہے تمہیں جانے کیوں......" اس کی آنکھوں کے سامنے سر سر بہتی ناک والا شیر دل آ گیا جو بڑی بے تکلفی سے کرتے کے دامن سے اپنی ناک صاف کر لیا کرتا تھا اور جو اتنا ہونق تھا کہ صحن میں بھاگتے ہوئے اکثر اس کا پاؤں کچل دیتا تھا۔

"عام سا لڑکا ہے!" سمیرا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ "اتنا خوبصورت سا تو ہے اور پھر اس کی آنکھیں--اللہ کتنی کشش اور چمک تھی۔ بس ذرا غور سے وہ مجھے دیکھتا تو میں وہیں کھٹ سے گر جاتی۔"

"احمق ہو تم۔" وہ جھینپ گئی۔ "کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔"

"ارے یہ فضول باتیں ہیں؟ کسی خوبصورت اور وجیہہ لڑکے کی تعریف کرنا۔"

"ہرگز نہیں۔" کرن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ فضول باتیں ہرگز نہیں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ تمہارا کزن بہت خوبصورت ہے اب کے اگر وہ آئے تو اسے دھیان سے دیکھنا۔"

"اچھا۔" اس نے سر ہلا دیا۔

اور جب اگلے وزیٹر ڈے پر وہ آیا تو اس نے بطور خاص اسے دیکھا مگر اسے کوئی خاص بات نظر نہ آئی بس وہ ایک عام سا لڑکا تھا جیسے سب لڑکے ہوتے ہیں۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ شیر دل نے اس سے کوئی خاص بات نہیں کی تھی، بس اس کا حال پوچھا تھا

اور یہ کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور اپنا فون نمبر اسے دیا تھا کہ اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو وہ اسے اس نمبر پر پیغام دے سکتی ہے۔

"تمہارا کزن آیا تھا؟" سمیرا اسے واپس آتے دیکھ کر روم نمبر ۳۷ سے بھاگی چلی آئی۔ "کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں، بس خیریت دریافت کی تھی۔"

"اچھا۔" اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ "یعنی کچھ بھی نہیں۔"

"ہاں اور کیا کہتا۔"

"یہ کہ تم بڑی خوبصورت ہو تمہاری آنکھیں--"

"کیوں بھلا یہ کہنے کی کیا تک تھی۔" وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کو پھیلائے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کرن حیدر کو اس سے وہ اتنی خوبصورت لگی کہ اسے بے اختیار اس پر پیار آ گیا۔ اور اس نے اپنے بازو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے کہا۔ "تم اس کی باتوں پر دھیان مت دو ندیا! اس کا قصور نہیں ہے یہ چوبیس گھنٹے روم نمبر ۳۷ میں بیٹھنے کا اثر ہے۔"

"روم نمبر ۳۷ میں کیا ہے؟"

"روم نمبر ۳۷ میں صبوحی رضا ہے جسے فلمیریا کی بیماری ہے اور جسے ہندوستان پاکستان میں بننے والی ہر فلم کی اسٹوری زبانی یاد ہے اور پچیس فی صد اسٹوریاں وہ سمیرا بی بی کو ازبر کرا چکی ہیں۔ لہٰذا انہیں ہر طرف فلمی اسٹوریاں ہی نظر آتی ہیں۔"

نادرہ بے اختیار ہنس دی۔ اب اسے سمیرا کی تحقیق سمجھ میں آئی تھی۔

"یہ تو بہت خطرناک بات ہے کرن! میرا خیال ہے کہ سمیرا کا روم نمبر ۳۷ میں داخلہ بند کر دیا جائے۔"

"ہاں، قابل غور بات ہے کیونکہ اب یہ راتوں کو بھی غائب رہنے لگی ہے۔ اس

رات جب تمہاری بی جان کی ڈیتھ کی اطلاع آئی تھی تب بھی یہ محترمہ ادھر ہی سوئی تھیں اور آج بھی اپنا تکیہ وغیرہ اٹھا کر چلی گئی ہیں۔"

"بی جان--" کرن نے یہ کیا یاد دلا دیا تھا وہ ایک دم اداس ہو گئی۔

پتا نہیں، وہ کیوں بی جان کو نہیں بھولتی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی کوئی نہیں تھیں۔ پھر بھی وہ اسے بہت یاد آتی تھیں۔ رات کو بستر پر لیٹ کر آنکھیں موندے وہ انہیں بہت یاد کرتی۔ ان کی صورت آنکھوں کے سامنے ہی پھرتی رہتی تھی۔

کرن نے اس کی آنکھوں کی سطح کو گیلے ہوتے دیکھا اور فوراً جان گئی کہ اس کا دھیان بی جان کی طرف چلا گیا ہے۔ اس نے کئی بار اسے چپکے چپکے روتے دیکھا تھا اور سمجھتی تھی کہ اسے بی جان سے کتنی بے تحاشا محبت تھی۔

"ارے ہاں۔ وہ روم نمبر ۱۵ میں ایک نئی لڑکی آئی ہے۔ ہری پور سے گل وگلزار۔ بڑی شے ہے۔ مونا کہہ رہی تھی کہ ایک دم شو باز ہے۔ آتے ہی اتنی شیخیاں بگھاری ہیں کہ مونا تو بیزار ہو گئی ہے کہہ رہی تھی کہ وارڈن سے کہہ کر کمرہ تبدیل کروالوں گی۔" کرن نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے کہا۔

"ہاں چلو، اس کا ریکارڈ لگاتے ہیں۔" سمیرا بھی کھڑی ہو گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"چلو یار!" کرن نے بازو سے پکڑ کر اسے کھینچا تو اسے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

کالج لائف کے سحر نے اسے جکڑ لیا تھا اور وہ ایڈجسٹ ہو گئی تھی۔ فنکشنز، پارٹیاں، الیکشن کے ہنگامے ان سب کے بعد اب سنجیدگی سے پڑھائی ہو رہی تھی۔ سبھی ٹیچرز بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر مسز انور خورشید سے وہ بہت متاثر ہوئی تھی وہ اردو کی ٹیچر تھیں۔ بکھرے بکھرے بال، کھوئی کھوئی، کچھ ڈھونڈتی ہوئی، کھوجتی ہوئی سی آنکھیں، لباس کے معاملے میں اتنی بے پروا۔ ہمیشہ سفید شلوار پر کاٹن کی قمیض

پہنتی تھیں لیکن پھر بھی ان کی شخصیت میں ایک خاص وقار اور حسن تھا۔ پہلے روز جب وہ کلاس میں آئی تھیں تو انہوں نے پوچھا تھا۔

"آپ جانتی ہیں، میں کون ہوں؟"

"جی آپ مسز توفیق ہیں، اردو کی ٹیچر۔" کچھ لڑکیوں نے کہا تو ایک دم ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا

"میرا نام انور خورشید ہے۔ میں اپنے شوہر کے حوالے سے پہچانا جانا پسند نہیں کرتی، پلیز آپ مجھے انور خورشید کہہ سکتی ہیں--"

اور اس نے بے حد تاسف سے انہیں دیکھا تھا۔

"یقیناً ان کے شوہر کوئی انتہائی ظالم قسم کے شخص ہوں گے۔"

"کوئی المیہ۔" کرن نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

پہلے دن وہ ان سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی تھی لیکن پھر ہولے ہولے ان کی شخصیت کے جوہر کھلتے گئے۔ پڑھاتے ہوئے وہ کھو سی جاتی تھیں۔ لیکچر میں ڈوب جاتیں کہ پیریڈ گزرنے کا بھی احساس نہ ہوتا۔

سینئر لڑکوں سے پتا چلا تھا کہ وہ رائٹر ہیں اور دو تین کتابوں کی مصنف بھی۔ کچھ سیاسی قسم کے آرٹیکل لکھا کرتی تھیں۔ چونکہ میگزین کی انچارج تھیں اور نادرہ میگزین کی ایڈیٹر منتخب ہوئی تھی اس لئے نادرہ کو ان سے بہت واسطہ پڑا اور ان کے قریب جانے پر ہی ان کی شخصیت کا حسن اس پر واضح ہوا تھا اور وہ ان سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔ انکا نام اگرچہ مردانہ تھا لیکن انہیں شاید اپنے نام سے عشق تھا۔ وہ سائن کرتے ہوئے اپنا پورا نام لکھتی تھیں۔

اور پھر مس مبارک تھیں اسلامیات کی لیکچرار۔ سانولے سے رنگ کی موٹی سی۔ مس مبارک کو لڑکیاں اکثر گھیرے رکھتی تھیں اور وہ ان کے دائرے میں کھڑے ہو کر

بہت ہنس ہنس کر ان سے باتیں کرتی تھیں۔ اپنے خاندان کی اور اپنے گھر کی۔ اور اپنے بھائی کا ضرور ذکر کرتیں جو ڈاکٹر تھا اور جس کے لئے وہ رشتہ تلاش کر رہی تھیں اور یہ بھی ضرور بتاتی تھیں کہ ان کے گھر کا ماحول بڑا مذہبی سا ہے اور ان کی شادی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے والد خاندان سے باہر شادی کرنے کے قائل نہ تھے۔ اور جب وہ لڑکیوں کے ساتھ باتیں کر رہی ہوتیں تو وہ سوچتی کاش مس مبارک کسی دن سرخ رنگ کی لپ اسٹک کے بجائے کسی اور کلر کی لپ اسٹک لگائیں۔ وہ ہمیشہ سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگاتی تھیں۔

اور مس مشکور فاطمہ تھیں جو انگلش کی لیکچرار تھیں اور گولڈ میڈلسٹ تھیں لیکن جو پڑھانا بالکل نہ جانتی تھی۔۔ لڑکیاں ان کی کلاس میں اونگھتی رہتی تھیں ان کی ذہانت اور لیاقت کی ہر کوئی تعریف کرتا۔ پرنسپل نے اپنی پہلی تقریر میں ان کی ڈگریاں اور گولڈ میڈلز گنوائے تھے لیکن عجیب بات تھی کہ ان کا پڑھائی کا طریقہ ایسا تھا کہ ایک لفظ سمجھ نہ آتا تھا۔ وہ ایک انتہائی بوسیدہ برقع پہن کر آتی تھیں۔ لڑکیوں سے ہی پتا چلا تھا کہ وہ ایک انتہائی ماڈرن خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے سب بہن بھائی بڑے عہدوں پر ہیں لیکن وہ بے انتہا سادہ ہیں اور انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے لئے ملنے والا اسکالر شپ محض اس لئے رد کر دیا تھا کہ وہ امریکا کے ماحول سے متنفر تھیں۔ وہ گندمی رنگ کی کافی خوبصورت خاتون تھیں۔ نادرہ نے بارہا سوچا تھا کہ اگر وہ ڈھنگ کے کپڑے پہنیں اور اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھیں تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ہلچل پیدا کر سکتی ہیں۔ لیکن وہ انتہائی پرانے فیشن کے فلیٹ کے سرخ سبز اور پیلے سوٹوں میں نظر آتیں جن کی قمیصیں گھٹنوں سے اوپر ہوتیں۔ وہ میگزین کے انگلش حصے کی انچارج تھیں مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ لڑکیوں سے بات کرتے ہوئے بھی گھبرا جاتی تھیں اور ان کی ہتھیلی اور پیشانی پسینے سے بھیگ جاتی تھی۔

اور پھر فزکس کی لیکچرار تھیں مس آمنہ گیلانی۔

خوبصورت، ویل ڈریسڈ، ایکٹو ذہین۔

وہ پورے کالج میں مقبول تھیں۔

ان کے پڑھانے کا انداز۔

ان کی گفتگو سب کچھ متاثر کن تھا۔

کھیل کا میدان ہو تو وہ موجود۔

ڈرامے کی تیاری کروا رہی ہوں تو وہ ریہرسل کروا رہی ہیں۔

لڈی تیار کرنا ہے تو وہ دوپٹہ باندھے لڑکیوں کو سیٹ اپ بتا رہی ہیں۔

ڈھولک بجانی ہے تو وہ ڈھولک پر تھاپ دے رہی ہیں۔

"اللہ کیا کسی کی شخصیت اتنی مکمل اور بھرپور بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے ایک روز کرن حیدر سے کہا۔ "اور یہ کتنی حیران کن بات ہے کہ مس آمنہ کی شخصیت میں اتنی دلکشی اور جاذبیت ہے مگر پھر بھی ان کی شادی نہیں ہوئی۔"

"تمہیں نہیں پتا۔" کرن حیدر نے سینئر لڑکیوں سے حاصل کردہ معلومات اس کے سامنے اگل دیں۔ "مس آمنہ میریڈ ہیں۔ ان کی شادی ان کے کزن سے ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے، صرف نکاح ہوا تھا پھر ان کا کزن اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلا گیا اور وہاں ہی اس نے شادی کر لی پھر نہ وہ پلٹ کر آیا اور نہ اسے طلاق دی۔"

"ویری سیڈ۔" اسے سچ مچ دکھ ہوا لیکن دل یقین کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مس آمنہ تو بہت فریش دکھائی دیتی تھیں بہت ہنس مکھ ہر وقت مسکراتی رہتی تھیں۔

پتا نہیں ان ساری کہانیوں میں جو مختلف ٹیچرز کے متعلق سینئر لڑکیوں نے انہیں بتائی تھیں کتنا سچ تھا اور کتنا جھوٹ۔ اور ان سینئر لڑکیوں کو یہ کہانیاں ان کی سینئر لڑکیوں نے بتائی ہوں گی اور ان کو ان کی سینئر لڑکیوں نے اور ان تک پہنچتے پہنچتے جانے

ان میں کتنی رنگ آمیزی ہو چکی ہو گی۔ ممکن ہے کچھ بھی سچ نہ ہو کچھ بھی حقیقت نہ ہو جیسے مسز مہروز کے متعلق بتائی جانے والی کہانی۔

مسز مہروز کرسچین تھیں۔ ان کی عمر پچاس سال سے کم تو ہر گز نہ ہو گی۔ زیادہ تر ساری پہنتی تھیں اور پاؤں کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک غضب کی میچنگ ہوتی تھی۔ وہ بھی انگلش پڑھاتی تھیں۔ لڑکیوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے لو میرج کی تھی۔

❀

مہروز صاحب ایک بہت اونچی فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ والدین کے اکلوتے بیٹے، کروڑوں کی جائداد کے مالک تھے۔ ماں باپ ایک کرسچین لڑکی سے ان کی شادی پر رضامند نہ تھے اور وہ کسی اور سے شادی کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ ان سے شادی کر کے انگلینڈ چلے گئے اور وہیں کسی کالج میں یا شاید کہیں یونیورسٹی میں انہیں جاب مل گئی کیونکہ انہوں نے تعلیم بھی وہاں سے حاصل کی تھی۔ لہٰذا ایڈجسٹ ہونا مشکل نہ لگا۔ سنا تھا کہ انہیں اپنی بیوی سے عشق تھا۔ بیوی کھانا پکانا نہ جانتی تھی وہ خود پکاتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے تک استری کر دیتے تھے لیکن بد قسمتی سے ایک سال بعد اچانک ایک حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو لے کر ان کے والدین کے پاس چلی جائیں۔ وہ پاکستان آئیں مگر شوہر کے والدین نے انہیں قبول نہ کیا۔ البتہ ان کے بیٹے کو ان سے چھین لیا۔ وہ خاموش رہیں کہ ان کے شوہر کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا انکے والدین کے پاس پرورش پائے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے اپنے شوہر کے والدین سے بیٹے کے عوض کروڑوں روپے کی جائیداد لی تھی۔ ان کے پاس ایک محل نما گھر تھا جسے انہوں نے ایک چھوٹے سے ہوسٹل میں تبدیل کر رکھا تھا اور جہاں ملازمت پیشہ خواتین رہتی تھیں۔

مسز ایلس مہروز کی گردن ہر وقت تنی رہتی تھی۔ وہ سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھے بغیر

چلتی تھیں۔ وہ کوئی بہت خوبصورت خاتون نہیں تھیں عام سی شکل وصورت کی سانولی سی خاتون تھیں۔ مگر ان کی چال میں ایک وقار تھا ایک غرور، ایک بڑا پن سا تھا۔

"سنا ہے، ان کے میاں بے انتہا خوبصورت تھے۔" لڑکیوں نے اسے بتایا۔

"اور وہ جوانی میں بھی کوئی بہت زیادہ خوبصورت نہیں رہی ہوں گی۔" اس نے بارہا ان کا جائزہ لیا تھا۔

پھر مہروز صاحب نے ان کی خاطر سب کچھ کیوں چھوڑ دیا، ماں باپ، وطن سب کچھ۔

اسے حیرت ہوتی یقین نہ آتا۔

اور اگر انہیں ایلس مہروز سے اتنی ہی شدید محبت تھی تو پھر مسز مہروز کو بھی تو ان سے اتنی ہی محبت ہونی چاہئے تھی مگر یہ کیسی محبت تھی کہ مسز مہروز اپنے آپ کو صدیقہ مہروز کے بجائے ایلس مہروز لکھتی تھیں اور اسی نام سے پکارا جانا پسند کرتی تھیں حالانکہ شادی سے پہلے جب وہ مسلمان ہوئی تھیں تو ان کا نام ان کے میاں نے صدیقہ رکھا تھا۔ مگر انہوں نے ان کی وفات کے بعد ان کا دیا ہوا نام چھوڑ دیا تھا۔

یہ وفا تو نہ تھی۔

یہ محبت تو نہیں تھی۔

اور پھر مسز مہروز نے اپنا بیٹا بھی تو......

اور لڑکیاں تو ان کے متعلق اور بھی باتیں کرتی تھیں--

یہ کہ کبھی کبھی جو بیس اکیس سالہ لڑکا انکی گاڑی ڈرائیو کر کے لاتا ہے وہ--

اکثر وہ خود ہی ڈرائیو کر کے آتی تھیں۔ ہاں ہاں کبھی کبھی وہ اسمارٹ سا، خوبصورت سا ینگ سا لڑکا ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

اور اسے لڑکیوں کی باتوں پر کبھی یقین نہ آیا تھا۔ کیسی کیسی عجیب باتیں کرتی تھیں لڑکیاں۔

وہ یہاں آکر نئے نئے تجربوں سے روشناس ہو رہی تھی۔ اس نے بہت سی ایسی باتوں کو جانا تھا جن سے پہلے وہ باخبر نہ تھی۔ اب اسے پتا چل رہا تھا کہ دنیا میں ہزار طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ہر آدمی کی اپنی ایک الگ کہانی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس کے لئے نیا اور تھرل پیدا کرنے والا تھا۔ وہاں مری میں زندگی بہت محدود تھی۔ اسکول میں سفید بالوں اور سفید لباس والی سسٹرز تھیں۔ سسٹر میری، سسٹر ہلنا، سسٹر جوزی اور مدر جائس۔ سب کی سب اس اجنبی دیس میں اجنبی ملک کی بچیوں کو تعلیم دے رہی تھیں مگر یہاں لاہور میں آکر اسے پتا چلا تھا کہ دنیا کیا ہے۔

سفید برف پوش پہاڑوں سے دور

بہت وسیع اور رنگا رنگ

اسے یہاں آکر لگا تھا جیسے وہ دنیا اور لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس کے اندر ایک نئی نادرہ بیدار ہو رہی تھی۔

لاعلمی سے آگہی کی طرف

متجسس، پر شوق

ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی، سولہ یا سترہ برس لیکن اسے لگتا جیسے وہ ایک دم بہت بڑی ہو گئی ہو-- اس کے اندر اعتماد پیدا ہو رہا تھا۔ پہلے کی طرح اب وہ ہوسٹل کے کمرے میں اندھیرا ہو جانے سے ڈرتی نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی اور گالوں کے گلاب نکھر آئے تھے۔

وہ سب میں یکساں مقبول تھی۔

کلاس فیلوز اور ٹیچرز سب میں۔

اس کے چہرے میں ایک خاص طرح کی معصومیت اور پاکیزگی تھی۔ میک اپ سے بے نیاز دمکتی رنگت۔

گلابی ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ۔

خوبصورت آنکھوں میں کچھ جان جانے کی خوشی۔

اکثر سینئر لڑکیاں اس کے پاس سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک کر رک جاتیں۔

"یہ نئی لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔"

اور پھر وہ صرف خوبصورت ہی تو نہ تھی۔ اس میں بے شمار صلاحیتیں تھیں۔ وہ ہر فنکشن میں نمایاں نظر آتی۔ اردو مباحثہ ہو یا انگلش مشاعرہ یا کھیل کا میدان، سواسے مقبول تو ہونا ہی تھا۔ سمیرا حسن کو بالکل یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی چھ ماہ پہلے آنے والی سہمی سہمی سی لڑکی ہے جو کالج کے برآمدے میں یوں اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے کھولے کھڑی تھی جیسے کوئی ہرنی راستہ بھول بیٹھی ہو اور جو اپنی بی جان کی موت کا سن کر چیخیں مار مار کر روئی تھی اور جو راتوں کو اکثر کرن حیدر کا ہاتھ پکڑ کر سوتی تھی۔

"سچی ندیا! تو نے بڑی جلدی پر نکالے۔" ایک شام کھانے کے بعد جب وہ تینوں نیچے کالج لان میں ٹہل رہی تھیں تو سمیرا نے کہا۔

"میں نے کیا کیا ہے سمو--؟" اس نے بڑی حیرانی سے پوچھا۔

"بھئی جسے دیکھو تمہارا نام لے رہا ہے۔ حتیٰ کہ فورتھ ایئر کی باجیاں بھی۔"

"مگر اس میں میرا کیا قصور؟" اس نے پریشانی سے سمیرا کی طرف دیکھا۔ "اور کیا یہ کوئی غلط بات ہے۔ میں تو وہاں بھی ڈیبیٹ میں حصہ لیا کرتی تھی اور پیرینٹس ڈے پر ہونے والے ڈراموں میں بھی مگر بی جان نے تو مجھے کبھی منع نہیں کیا تھا بلکہ وہ ہمیشہ بڑے اشتیاق سے مجھ سے یہ سب کچھ سنا کرتی تھی۔"

"تم سچ مچ بہت معصوم ہو ندی۔" سمیرا نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔ "میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ کوئی غلط بات ہے بلکہ مجھے تو تم سے حسد ہو رہا ہے۔ پتا ہے کل مس آمنہ تمہاری تعریف کر رہی تھیں۔"

"ریئلی۔" وہ ایک دم خوش ہو گئی۔ "مس آمنہ نے میری تعریف کی تھی۔ سچ؟"

وہ تو اس کی آئیڈیل ٹیچر تھیں۔ وہ خود بھی ان جیسا بننا چاہتی تھی۔ زندگی کے اتنے بڑے المیے کے باوجود ہنس مکھ، خوش دل اور بہادر، اور پتا نہیں وہ سب کچھ سچ بھی تھا یا جھوٹ جو لڑکیاں مس آمنہ یا دوسری ٹیچرز کے بارے میں بتایا کرتی تھیں۔ آخر انہیں یہ سب کیسے پتا چلا تھا۔ وہ کیسے جانتی تھیں کہ مسز مہروز کے میاں بہت حسین و جمیل تھے اور یہ کہ --

"کیا سوچ رہی ہو ندیا!"

"کچھ نہیں۔" اس نے چونک کر کرن کی طرف دیکھا۔

"تم کچھ زیادہ نہیں سوچتی ہو؟"

"ہاں شاید۔" وہ ہنس دی۔

"کیا سوچتی ہو؟" کرن نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنے کزن کو سوچتی ہو گی۔" سمیرا احسن کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"نہیں تو۔" اس کے رخسار شفق رنگ ہو گئے۔ "تم بہت فضول باتیں کرتی سمو۔"

"ہائے فضول کہاں، تمہارا وہ کزن اتنا ہینڈسم ہے کہ اس کو نہ سوچنا اس کے ساتھ زیادتی ہے۔"

"مجھے تو اس میں کوئی خاص بات نہیں لگتی۔ اس جیسے سینکڑوں لڑکے ادھر ادھر......"

"تم انتہائی بدذوق ہو۔" سمیرا نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"دراصل اس کا قصور نہیں ہے۔ اس کا نام ہی ایسا ہے بھاری اور بوجھل سا۔ سچی ندو! تمہارا یہ نام کس نے رکھا تھا اتنا اولڈ-؟" کرن نے پوچھا۔

"دادا ابا نے-" وہ افسردہ ہو گئی۔ اسے خود اپنا نام پسند نہیں تھا۔ وہاں کانونٹ میں

بھی میری اور ٹونی اس کے نام کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔

"ویسے نام صحیح ہی رکھا ہے رکھنے والے نے یہ ہے نادر و نایاب چیز۔" سمیرا نے تعریف کی۔ "تم نے دیکھی ہے پورے کالج میں کوئی ایسی بیوٹی کوئین۔"

"بناؤ نہیں۔" وہ جھینپ گئی۔ اور سفیدے کے پرانے درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

سامنے کالج کی وسیع و عریض عمارت ملگجے سے اندھیرے میں بڑی عجیب لگ رہی تھی اوپر کمروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ پڑھاکو قسم کی چند لڑکیاں اپنی روم میٹس کے شور و غل سے گھبرا کر برآمدے میں بیٹھی پڑھ رہی تھیں اور چند ان جیسی لاابالی لڑکیاں ٹہل رہی تھیں۔ فضا میں خنکی تھی اس نے اپنے ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈال لئے اور ادھر ادھر دیکھا۔

سرو اور سفیدے کے درخت آم اور اناس کے درختوں کے سائے ملگجی سی روشنی میں عجیب سا تاثر دے رہے تھے۔

"اس سب میں کتنی مسٹری ہے کرن!"

"ایک تو تم بندوں کے بجائے چیزوں سے زیادہ متاثر ہوتی ہو، سمیرا تمہارے اس ہینڈسم کزن کی بات کر رہی تھی۔ جو پچھلے دو ہفتوں سے نہیں آیا۔"

"وہ شاید گاؤں گیا ہوا ہے۔"

"ہمیں بھی لے چلو نا کسی دن اپنے گاؤں میں۔ تمہاری پھپھو نے کتنے خلوص سے انوائیٹ کیا تھا اور تم اتنی بے حس ہو کہ ایک بار بھی نہیں کہا کہ بے چاری لڑکیاں ہوسٹل کی ابلی دالیں اور سوکھی روٹیاں کھاتے کھاتے کمزور ہو گئی ہیں، انہیں گاؤں کے مکھن پیڑے کھلا لائیں۔"

"تم گاؤں چلو گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا اور پھپھو کے گھر کا نقشہ اس کی

آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

صحن میں، برآمدوں میں اور کمروں میں بے تکلفی سے گھومتی ہوئی مرغیاں۔ حقہ پیتی ہوئی پھپھو اور سر سر بہتی ناکوں والے ان کے بیٹے۔ مگر انہیں اب بھلا ان کی ناکیں کہاں بہتی ہوں گی۔ اب تو وہ سب ہی شیر دل کی طرح بڑے ہو گئے ہوں گے۔ بلکہ شیر دل نے تو بتایا تھا کہ ٹیپو سلطان آرمی میں چلا گیا ہے اور آج کل کاکول میں ٹریننگ لے رہا ہے۔"

"ہاں۔ بچی ذرا آؤٹنگ ہو جائے گی۔"

"اچھا چلیں گے کسی دن۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"تمہارا وہ کسی دن جانے کب آئے گا۔ میں خود تمہارے کزن سے کہوں گی کہ ہمیں ذرا گاؤں لے چلے۔" سمیرا نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے سمو! یوں اس طرح اندھیرے میں گھاس پر مت بیٹھو کہیں کوئی چیز نہ کاٹ لے۔" کرن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا۔

"بی بی، چھوٹی وارڈن کہہ رہی ہیں، اب اپنے کمرے میں جائیں بہت رات ہو گئی ہے۔" بابا شفیق نے انہیں دیکھ کر آواز لگائی۔

"ایک تو یہ چھوٹی وارڈن جانے اس نے آنکھوں کی جگہ کتنے پاور کے لینس فٹ کروا رکھے ہیں کہ کمرے میں بیٹھ کر بھی ہمیں دیکھ لیتی ہے۔" سمیرا بڑبڑائی۔

"جی، انہوں نے تو آپ کو نہیں دیکھا۔" بابا شفیق نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "بلکہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کچھ لڑکیاں گھوم رہی ہوں تو ان سے کہو کمروں میں جائیں۔"

"تو پھر۔" کرن حیدر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "ہم نہیں گھوم رہے ہیں۔ تم جاؤ۔"

"جی مگر وہ چھوٹی وارڈن......" بابا شفیق کا نام تو شفیق تھا لیکن وہ ہرگز شفیق نہیں

تھا۔ فرسٹ ایئر کی لڑکیوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے پیسے وصولنا اس کی خاص ہابی تھی۔ جو لڑکی اس کی جیب گرم رکھتی، وہ وقت بے وقت جب دل چاہتا گیٹ سے باہر نکل جاتی اور جو بے چاریاں اس گر سے ناواقف تھیں۔ وہ کسی ضروری کام سے بھی جاتیں تو ان کی پیشی ہو جاتی، البتہ سیکنڈ ایئر تک پہنچتے پہنچتے لڑکیاں بہت سی چالاکیاں سیکھ جاتی تھیں اور وہ شفیق بابا کی دھمکیوں کی پروا نہیں کرتی تھیں۔

"چھوٹی وارڈن کو خواب تو نہیں آتے اور نہ ہی الہام ہوتا ہے۔" سمیرا نے بابا کی بات کاٹ دی۔ "تم مت بتانا ہم ابھی کچھ دیر بعد چلے جائیں گے۔"

"جی پھر جلدی چلی جائیے گا ورنہ وارڈن مجھے ڈانٹے گی۔"

"چلے جائیں گے بھائی! اب جان بھی چھوڑو۔" کرن بیزار سی ہو گئی تھی۔

"میرا خیال ہے چلیں، بابا شفیق شکایت ہی نہ کر دے۔"

"نہیں کرے گا۔ ابھی کل ہی تو میں نے اسے پورا دس کا نوٹ دیا ہے۔" سمیرا نے نادرہ کو اطمینان دلایا۔ اور وہ تینوں پھر ٹہلنے لگیں۔

کرن ہولے ہولے گنگنانے لگی۔ خنکی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ نادرہ کی انگلیاں یخ ہو گئیں تو اس نے کرن کے رخساروں کو چھوا۔

"اف کس قدر ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔" کرن بے اختیار پیچھے ہٹ گئی۔ "چلو چلیں، کہیں بیمار نہ پڑ جائیں۔ اس وقت جب آدھے سے زیادہ ہوسٹل خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہے، ہم جیسا بھی کوئی پاگل ہو گا جو اتنی ٹھنڈ میں چہل قدمی کر رہا ہو۔" سمیرا نے اپنے کمرے کی طرف واپس جاتے ہوئے کہا۔

"خاموشی سے۔" کرن نے تائید کی۔ "مس حبیب کے کان بڑے تیز ہیں۔"

اور تب وہ تینوں دبے قدموں مس حبیب کے کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھیں تو عین اس لمحے مس حبیب نے دروازہ کھول کر انہیں دیکھا۔

"ادھر آؤ، تینوں کہاں سے آ رہی ہو؟"

اور وہ تینوں ٹھٹک کر رک گئیں۔

"توبہ کتنی کرخت آواز ہے۔" کرن بڑبڑائی۔

برآمدے میں زیرو کا مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ مس حبیب نے اپنے کمرے کا دروازہ پورا کھول دیا روشنی میں ان تینوں کے دروازے واضح نظر آنے لگے۔

"ذرا درشن تو کراؤ۔" لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

تینوں کے چہرے جھک گئے۔

"آخاہ مس نادرہ ہیں۔" وارڈن ان کے قریب چلی آئی۔ "اور یہ کرن بی بی بھی اور سمیرا بیگم بھی۔" سر سے پاؤں تک انہوں نے ان کا جائزہ لیا۔ پھر یکایک غصے سے چیخیں "کہاں تھیں تم؟"

"جی وہ۔" کرن نے ڈرتے ڈرتے کہا "ہم ٹہل رہے تھے۔"

"بہت اچھا وقت ہے ٹہلنے کا۔ اتنی سردی میں رات کو بیمار پڑ گئیں تو مصیبت ہمارے لئے۔" ان کا لہجہ پھر بدلا۔

"سچ بتاؤ کس کو ٹائم دیا ہوا تھا۔"

"جی!" تینوں نے بے حد حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"ہاں۔ ہاں مجھے کیا خبر تم نے کس کو چار دیواری کے باہر کھڑا کر رکھا ہے۔"

نادرہ کو ان کی ذہنیت پر افسوس ہوا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا تھا۔

"ہم ایسی لڑکیاں نہیں ہیں مس حبیب۔" اس نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ سارا خون اکٹھا ہو کر اس کے رخساروں پر جمع ہو گیا تھا اور وہ بڑی ناگواری سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

مس حبیب نے اس کے لہجے کی تیزی محسوس کی اور آواز میں ذرا سی نرمی پیدا

کر لی۔ مگر ان کی اونچی آواز سارے برآمدے میں گونج رہی تھی۔

"کیا کریں بھئی، ذمے داری ہوتی ہے وارڈن کی کل کلاں کو کوئی بات ہو جائے تو تمہارے والدین تو ہمیں ہی پکڑیں گے۔ پچھلے سال بھی ایک لڑکی یونہی ٹہلنے کے بہانے اپنے بوائے فرینڈ سے باتیں کیا کرتی تھی پھر ایک روز---"

دو تین کمروں کے دروازے کھلے اور لڑکیاں سر باہر نکال کر جھانکنے لگیں۔

"سوری میڈم۔" کرن نے فوراً معذرت کر لی۔ "آئندہ خیال رکھیں گے کہ اتنی دیر تک نہ ٹہلیں۔"

مس حبیب نے دروازہ بند کر لیا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"شکر ہے ندیا۔ آج تمہاری وجہ سے بچ گئے۔"

"میری وجہ سے کیوں؟" نادرہ کو حیرت ہوئی۔

"یار! تمہارے یونین میں ہونے کی وجہ سے۔"

"اچھا تبھی میں بھی کہوں یہ آج مس حبیب نے اتنی جلدی پیچھا کیوں چھوڑ دیا۔"

سمیرا نے سر ہلایا۔

"ہیلو!" فورتھ ایئر کی ماریہ احمد نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے انہیں پکارا۔ "ڈانٹ پڑ گئی۔"

"ہاں۔" کرن ہنسی۔ "پہلی بار۔"

"بس اب محتاط رہنا۔ آج سے تم مس حبیب کی نظروں میں آ گئی ہو۔" ماریہ نے اپنا تجربہ بتایا۔

"یار، یہ پچھلے برس والی لڑکی کا کیا قصہ ہے۔" سمیرا نے اپنا چہرہ کھڑکی کے ساتھ لگا لیا۔ اس روز بھی مس حبیب رومانہ وغیرہ سے کہہ رہی تھیں۔"

"آ---" ماریہ دل کھول کر ہنسی۔ "ہر سال مس حبیب نئی آنے والی لڑکیوں سے

کہتی ہیں کہ پچھلے سال ایک لڑکی-- حالانکہ مجھے چار سال ہو گئے ہیں ہوسٹل میں ان چار سالوں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا اور اس سے پچھلے چار برسوں میں بھی ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا کیونکہ میری کزن اسی ہوسٹل میں رہی ہیں، تقریباً چھ برس تک مس حبیب کے آنے سے پہلے وہی مسز نواز کو اسسٹ کرتی تھیں پھر ان کی شادی ہوئی تقریباً چار برس پہلے تو مس حبیب ان کی جگہ آئیں۔" ماریہ نے تفصیل بتائی تو سمیرا حسن نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بے چاری نفسیاتی کیس ہیں۔" نادرہ نے سوچا۔ "جانے ان کی نفسیات کیا ہے۔"

پھر وہ ماریہ کو شب بخیر کہتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئیں۔ ہوسٹل کی عمارت بہت بڑی تھی۔ تقریباً ساڑھے تین سو لڑکیاں ہوسٹل میں مقیم تھیں۔ مسز نواز کی عمر زیادہ تھی اور وہ اکیلے اتنی لڑکیوں کو کنٹرول نہیں کر سکتی تھیں۔ چنانچہ پچھلے سات آٹھ برسوں سے ان کی درخواست پر انہیں ایک اسسٹنٹ ملی ہوئی تھی اور اب چار برسوں سے تو مس حبیب بطور وارڈن یہاں کام کر رہی تھیں دراصل مسز نواز نے بیماری کی وجہ سے چھ ماہ کی رخصت لے لی تھی اور ان کی جگہ مس حبیب کو عارضی طور پر بھیجا گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کوئین میری میں تھیں۔ مسز نواز کے آجانے کے باوجود مس حبیب بدستور کام کر رہی تھیں اور چھوٹی وارڈن کہلاتی تھیں۔ اپنے مزاج کی تندی کی وجہ سے کوئی بھی انہیں پسند نہیں کرتا تھا۔ اور مسز نواز سے بھی ان کی نہیں بنتی تھی اور مسز نواز بھی انہیں سخت ناپسند کرتی تھیں کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ مس حبیب کی موجودگی کی وجہ سے انہیں جلد ریٹائر کر دیا جائے گا۔ ایک بار پہلے بھی ان کے ریٹائرمنٹ کے آرڈر آئے تھے لیکن پرنسپل کی سفارش پر ان کی مدت ملازمت میں توسیع کر دی گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں۔ مس حبیب تو اونچی کرخت آواز میں خوب چیخ چیخ کر ان کی پارسائی کا بھانڈا پھوڑتیں۔ جبکہ وہ دبے دبے

لفظوں اور دھیمے لہجے میں ان کے خلاف زہر اگلتیں۔

"اگر مسز نواز ملکی سیاست میں حصہ لیتی تو بہت کامیاب رہتیں۔" یہ کرن کی رائے تھی ان کے بارے میں۔

جبکہ سمیرا کا خیال تھا کہ وہ انتہائی گھنی اور مکار ہیں۔

نادرہ بہت دیر تک بستر پر لیٹی مس حبیب کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر یونہی سو گئی۔

نادرہ کو اچانک ہی درد اٹھا تھا۔ بہت شدید اور ناقابل برداشت درد۔ درد کے ساتھ ہی اسے بار بار قے بھی ہو رہی تھی۔ ایک گھونٹ پانی کا پیتی تو وہ بھی نکل جاتا۔ وہ بڑی بہادری سے درد برداشت کر رہی تھی۔ ڈسپنسری میں موجود ساری دوائیں اس نے استعمال کر ڈالی تھیں مگر درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا، مسز نواز اپنے بیٹے کے پاس گئی ہوئی تھیں (وہ اکثر جمعرات کی شام چلی جایا کرتی تھیں) اور مس حبیب کے پاس جاتے ہوئے کرن حیدر کو ڈر لگ رہا تھا مگر پھر نادرہ کی حالت کے پیش نظر وہ ڈرتے ڈرتے مس حبیب کے پاس گئی۔

"دہی بڑے کھائے ہوں گے یا پھر چاٹ کھا کر آئی ہو گی۔"

"نہیں، ہم لوگ بازار تو گئے ہی نہیں۔ صبح سے ہی نادرہ کو درد ہو رہا تھا۔"

"صبح سے ہو رہا تھا اور اب بتانے آئی ہو رات کو! جیسے سارے شہر کے ڈاکٹر میرے ملازم ہیں ناکہ جب بھی جاؤں گی، ہاتھ باندھے خدمت کو موجود ہوں گے۔"

"جی پہلے وہ ڈسپنسری سے......"

"ہاں جاؤ سسٹر زبیدہ کے پاس، کہو درد کا ٹیکا لگا دے۔"

"انجکشن تو صبح زبیدہ نے لگا دیا تھا۔"

"اچھا تو پھر جاؤ میں کیا کروں۔ صبح ہی ڈاکٹر کے پاس بھجواؤں گی۔"

وہ مایوسی سے واپس پلٹ آئی لیکن نادرہ کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔ وہ درد سے دہری ہورہی تھی اور اس کا رنگ خطرناک حد تک زرد ہورہا تھا۔

"سمو کیا کریں اب؟" کرن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "شام کو میں نے کہا بھی تھا کہ ڈاکٹر کے ہاں چلتے ہیں مگر ندیا نے مانا ہی نہیں۔"

"تم باجی خالدہ کے پاس جاؤنا۔ وہ کس مرض کی دوا ہیں۔" سمیرا نے ہوسٹل کی ہیڈ گرل کا نام لیا۔ "ہم نے ان کو اس لئے تو ووٹ نہیں دیا تھا کہ وہ صرف وارڈن کی چمچہ گیری کرتی رہیں۔"

"اچھا تم بیٹھو ندیا کے پاس میں جاتی ہوں۔"

کرن پھر واپس چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد باجی خالدہ اور مس حبیب کے ساتھ واپس آئی جو مسلسل بڑبڑارہی تھیں۔

"جانے کیا اوٹ پٹانگ چیزیں کھاتی پھرتی ہیں اور مصیبت ہمارے لئے بن جاتی ہے۔ آج شام شاپنگ ڈے تھانا۔ کھا آئی ہوں گی بھینس کے کباب اور کچے نان۔"

"میڈم ہم بازار نہیں گئے۔" کرن نے پھر ان کی تصحیح کی تو انہوں نے لال لال آنکھوں سے گھورا۔ اور نادرہ کو دیکھنے لگیں۔

"کیا تکلیف ہے بھئی؟"

"بہت شدید درد ہے میڈم!" نادرہ نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" انہوں نے پیچھے مڑ کر ڈسپنسری انچارج، سسٹر زبیدہ کو دیکھا جو گرم پانی کی بوتل لارہی تھیں۔

"یہ بوتل رکھو، ٹھنڈ لگ گئی ہوگی۔ ان کو سردی میں چہل قدمی کا بھی تو شوق ہے رات کو پھر......"

"نو میڈم۔" کرن حیدر نے ان کی بات کاٹی "ہم تو اس روز کے بعد پھر۔

"لڑکی!" مس حبیب کو اس کے اس طرح بات کاٹنے پر شدید غصہ آیا۔ "تم کمرے سے باہر نکل جاؤ۔"

ایک تو اس سردی میں وہ اپنے کمرے سے اٹھ کر آئی تھیں، دوسرے لڑکی کی حالت واقعی انہیں خطرناک لگ رہی تھی۔

"خواہ مخواہ کی مصیبت، ایک تو مسز نواز کو بھی سیر کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔ بھئی اتنی ہی محبت ہے اپنے بیٹے سے تو ریزائن دے کر گھر بیٹھو اس کے گھٹنے سے لگ کر۔ میں اب کیا کروں؟" وہ آپ ہی آپ بڑبڑارہی تھیں۔

"صبح سے کئی بار پانی کی بوتل گرم کرکے دے چکی ہوں۔" زبیدہ نے بوتل نادرہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں اپنڈکس نہ ہو۔"

"اور یہ خیال اب رات کے دس بجے ظاہر ہورہا ہے۔" مس حبیب نے سارا غصہ اس پر نکالا۔ "میں تنہا کوئی ذمے داری نہیں لے سکتی، مسز نواز بھی نہیں ہیں اور-- اسے تو موقع چاہیئے کوئی بات ہوگئی تو--" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر نادرہ کو مخاطب کیا۔ "تمہارا یہاں لاہور میں گارجین کون ہے۔ فون نمبر ہے اس کا؟"

"جی پتا نہیں۔" نادرہ نے سسکی لی۔

"یعنی تمہیں اپنے گارجین کا فون نمبر بھی نہیں معلوم--"

"جی، وہ سنی ماموں نے ہی فارم فل کیا تھا۔"

"سمجھتے ہیں ہمارے دماغ خراب ہیں جو ہم گارجین کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اب ایسے موقعوں پر ضرورت پڑسکتی ہے مگر رسمی کارروائی کردیتے ہیں جس کا دل چاہا گارجین کے طور پر پتا لکھ دیا۔ پچھلے برس بھی ایک لڑکی کے ساتھ ایسا ہوا تھا، دور دراز کے ایک ملنے والے کا نام پتا لکھوادیا اور جب لڑکی کو اچانک ایسی ہی ایمرجنسی مین بھجوانا پڑا تو--" ان کے زرخیز ذہن نے فوراً پچھلے برس کا ایک واقعہ ترتیب دے لیا تھا۔

"میرا خیال ہے انہیں ایمرجنسی میں لے جائیں۔" اب کے باجی خالدہ نے ان کی بات کاٹی تھی اس لئے وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"اس کا ایک کزن بھی ہے یہاں گورنمنٹ کالج کے ہوسٹل میں ہوتا ہے۔" سمیرا نے بتایا۔

"رہنے دو لڑکی! یہ کزن وغیرہ کا رشتہ انتہائی مشکوک رشتہ ہے۔ مجھے کیا خبر کہ وہ اس کا کزن ہے یا......"

"میڈم پلیز۔ آپ جائیں میرا درد خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

نادرہ نے کروٹ بدل لی۔

مس حبیب اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آؤ خالدہ! ذرا اس کے گارجین کا فون نمبر تو دیکھو رجسٹر میں۔ اگر کوئی ہے۔ نہیں تو ایڈریس لکھ لو-- بھجوا دو اسے مقامی گارجین کے ہاں، وہی لے جائے گا ایمرجنسی میں۔"

"اب کیا ہوگا؟" کرن حیدر نے بے حد پریشان ہو کر نادرہ کی طرف دیکھا۔ "یہ جو تمہارے گارجین ہیں کیسے آدمی ہیں۔"

"پتا نہیں۔" نادرہ درد کی شدت سے بے حال ہو رہی تھی۔ "مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ وہ سنی ماموں کے دوست ہیں۔"

"پھر تو قابل اعتماد ہی ہوں گے۔" کرن نے تشویش سے کہا۔ اس کے ذہن میں مس حبیب کے الفاظ گونج رہے تھے-- "میریڈ ہیں یا--؟"

"پتا نہیں۔" نادرہ کی آنکھوں میں آنسو مچل اٹھے۔ اب درد برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ "سمو میں مر جاؤں گی۔"

"حوصلہ کرو ندیا! ہم تمہیں ابھی ہسپتال لے چلتے ہیں۔" سمیرا نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"نہیں سمو! یہ درد-- نہیں، میں نہیں بچوں گی اب۔ مجھے بی جان کے قریب

دفن کرنا۔ سنی ماموں کو بتا دینا۔ یہ میری وصیت ہے اور ممی پاپا سے کہہ دینا کہ میں نے ان سے بہت محبت کی ہے۔"

"ندو! ایسی باتیں نہ کرو۔" کرن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تب ہی باجی خالدہ نے اندر جھانکا۔ "کیا حال ہے؟"

"خالدہ باجی، پلیز کچھ کریں اگر مس حبیب نہیں مان رہیں تو ہم خود اسے اسپتال میں لے جائیں گے اور......"

"اور--" کرن نے غصے سے سمیرا کی بات کاٹ دی۔ "اگر ندیا کو کچھ ہو گیا تو پھر مس حبیب بھی زندہ نہیں رہ سکیں گی ہم کوئی گئے گزرے لوگ نہیں ہیں میرے ڈیڈی......"

"تم یونہی جذباتی ہو رہی ہو، باجی خالدہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بابا رحمت ٹیکسی لینے گیا ہے اور بابا شفیق ساتھ جائے گا اور ندیا کو اس کے گارجین کے گھر پہنچا آئے گا۔"

"کیا ہم اسپتال نہیں چل رہے؟" سمیرا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، مس حبیب نے کہا ہے کہ نادرہ کو مبشر صاحب کے گھر پہنچا دیا جائے۔ دراصل رجسٹر میں اور فارم میں ان کے آفس کا فون نمبر لکھا ہوا ہے گھر کا نہیں۔"

"لیکن کیا بہتر نہیں تھا باجی خالدہ کو ہم انہیں کسی بھی اسپتال کی ایمرجنسی میں لے جاتے۔ ممکن ہے مبشر صاحب گھر نہ ہوں ممکن ہے وہ......" سمیرا نے بحث کی۔

"بہتر تو تھا مگر مس حبیب کا حکم ہے۔" باجی خالدہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر میں اور سمیرا بھی نادرہ کے ساتھ جائیں گے۔ کیا پتا وہ صاحب کیسے ہوں۔ نادرہ کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں یا نہ جائیں۔ نادرہ تکلیف میں ہے اور بابا شفیق کا کیا ہے خدا جانے کہاں چھوڑ آئے۔"

"ٹھیک ہے تم چلی جاؤ۔"

"کیا مس حبیب اجازت دے دیں گی؟" سمیرا نے پوچھا۔

"میں بات کرلوں گی ان سے۔"

ٹیکسی آگئی تو باجی خالدہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی۔ وہ دونوں بھی نادرہ کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھیں۔ خالدہ نے اچھی طرح بابا شفیق کو ایڈریس سمجھا دیا تھا۔

شادمان میں مبشر حسن کا گھر تلاش کرنے میں انہیں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی لیکن مبشر حسن براؤن گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا الجھا الجھا سا انہیں دیکھ رہا تھا۔ بابا شفیق شاید ٹھیک طرح سے انہیں اپنی بات سمجھا نہیں سکا تھا۔

"میں تو نادرہ نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا بھائی۔"

"دیکھئے مسٹر! شاید کیا یقیناً آپ نادرہ کو نہیں جانتے ہوں گے لیکن اس کی بد قسمتی یہ ہے کہ اس کے ہوسٹل کے ایڈمیشن فارم میں مقامی گارجین کی حیثیت سے آپ کا نام لکھا ہے۔ یقیناً سنی ماموں نے کسی بھروسے پر ہی آپ کا نام لکھوایا ہو گا۔"

"سنی" اس نے کچھ سوچا۔ "اوہ مائی گاڈ! یہ نادرہ سنی کی بھانجی ہیں۔ پلیز اندر چلیں اور مجھے ساری بات بتائیں لیکن میری بیوی وہ--" وہ کچھ ہچکچا گیا۔

"جی آپ کی بیوی کو اعتراض ہو گا کیا؟" کرن کی زبان خاص تیز تھی۔

"نہیں، نہیں۔" وہ کچھ گھبرا گیا۔ "پلیز آپ چلیں لیکن کوئی ایسی ویسی بات مت کیجئے گا اس کے سامنے۔"

"کرن" نادرہ نے جو ٹیکسی سے ٹیک لگائے ہونٹ بھینچے کھڑی تھی، نقاہت سے بولی۔ "چلو، شفیق بابا سے کہو ہمیں سروس اسپتال پہنچا دے اور--" اس نے پلکیں اٹھا کر مبشر حسن کو دیکھا۔ "ہم ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔"

مبشر حسن کی نگاہیں اس کے چہرے کے جمال پر ٹھہر سی گئیں۔

"آپ اتنی اجازت تو دیں گے نا کہ ہم ایک فون کر کے نادرہ کے کزن کو بلا لیں اور مصیبت تو یہ تھی کہ اگر مس حبیب جان جاتیں تو اب تک انہیں اسپتال میں ایڈمٹ بھی کرایا جا چکا ہوتا۔ مگر--" کرن یکایک نادرہ کی طرف پلٹ گئی۔ "رات تو کسی طرح گزرے اور صبح ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ سنی ماموں کو بلا کر اپنے گارجین کا نام بدلو-- اگر شیر دل ہوتا تا......"

"آپ یونہی ناراض ہو رہی ہیں۔" مبشر حسن کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ آئی۔ "آپ اتنا وقت تو مجھے دیں تاکہ میں گاڑی نکال لوں۔"

"پہلے اپنی مسز سے تو پوچھ لیں۔" کرن بے حد تلخ ہو رہی تھی۔

اس کے چہرے پر سایہ سا آکر گزر گیا۔ اور وہ کرن کی بات نظر انداز کر کے شفیق سے کہنے لگا کہ وہ ٹیکسی پر چلا جائے۔ تب ہی اندر سے ایک خاتون باہر آئیں۔ گہرے نیلے اور ہلکے پیلے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھولوں والی نائیٹی پہنے کھلے بالوں کے ساتھ وہ کافی دلکش لگ رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر ایک کرختگی تھی جس نے ان کے چہرے کی جاذبیت کو کم کر دیا تھا۔ بہت ناگواری سے اس نے انہیں دیکھا۔

"موبی! کیا مسئلہ ہے۔ ایک تو یہ لڑکیاں رات کو بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

"نہیں...... وہ...... یہ نادرہ ہیں۔ یہاں-- ہولے ہولے اس نے ساری بات اسے بتائی۔

مگر وہ بے یقینی اور شک سے انہیں دیکھتی رہی۔ نادرہ کو سخت توہین کا احساس ہو رہا تھا۔ مبشر انہیں وہیں چھوڑ کر خود لباس تبدیل کرنے چلا گیا تھا اور اس کی بیوی نے اس دوران خاصا سخت انٹرویو لے ڈالا تھا ان کا۔ نادرہ کے اختیار میں ہوتا تو وہ ایک لمحہ بھی نہ رکتی۔ اسے سنی ماموں پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے اس قدر کمزور ارادہ شخص کا نام لکھوا دیا تھا اور اگر جو کرن نے اس طرح باتیں نہ کی ہوتیں تو شاید بیوی کے خوف سے وہ رات

کے اس پہر اسے گھر سے ہی نکال دیتا۔

"اوہ گاڈ!" درد کی شدت سے اس نے آنکھیں موند لیں۔

کرن نے اس کا ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔

"چلیں۔" وہ گاڑی کی چابی ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

کرن نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور تمام راستہ خاموش رہی۔ اسپتال نزدیک ہی تھا۔ فوراً ہی اسے ایمرجنسی میں لے جا کر ڈرپ لگا دی گئی پھر ڈاکٹر آئے انہوں نے چیک کیا۔ اسے اپنڈکس تھی آپریشن ضروری تھا۔ اسے آپریشن روم میں لے جایا جا رہا تھا۔ وہ کچھ بے سدھ سی پڑی تھی۔ کرن بار بار مبشر حسن سے التجا کر رہی تھی کہ وہ گھر جانے سے پہلے شیر دل کو خبر کر دے نادرہ چاہتی تھی کہ کرن کو منع کر دے کہ خواہ مخواہ وہ اس شخص کی منت نہ کرے لیکن اس پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔

کب آپریشن ہوا۔ کب مبشر حسن گھر واپس گئے۔ کب شیر دل آیا اسے کسی بات کی خبر نہ تھی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے بازو میں ڈرپ لگی تھی۔ کرن اس کے بیڈ کے قریب زمین پر اپنی چادر بچھائے سو رہی تھی اور سمیرا بنچ پر بیٹھی جھوم رہی تھی۔ اور اسے درد کا احساس ہو رہا تھا۔

"سمو!" اس نے نقاہت سے پکارا۔

"ندیا!" سمیرا اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی۔

"میرا آپریشن ہو گیا؟" آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہو گئے۔ اس طرح یوں کسمپرسی کے عالم میں کہ کوئی بھی اپنا پاس نہیں تھا اور اسے ایک شخص کا احسان مند ہونا پڑا تھا۔

"ارے ارے روؤ نہیں۔" سمیرا نے اس کے آنسو پونچھے۔ تب ہی دروازہ کھلا۔ دروازے میں مبشر حسن کھڑے تھے۔ نادرہ نے آنسو پونچھ کر انہیں دیکھا وہ مسکرائے

اور ایک قدم آگے بڑھ آئے۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"شکریہ۔ ٹھیک ہوں۔"

"میں نے سنی کو اطلاع کر دی ہے۔ وہ پہلی فلائٹ سے پہنچ رہے ہیں۔"

"شکریہ۔" اس نے پھر شکریہ ادا کیا۔ تو ان کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی باسکٹ ٹیبل پر رکھ دی۔

"لڑکیو، آپ کے لئے ناشتا۔"

"اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی ہم کینٹین سے منگوا لیتے۔" سمیرا نے رسماً کہا۔

"یہ بھی کینٹین سے لائے ہوں گے بل پے کر دو۔" کرن بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ بہت خفا ہیں؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ نے شیر دل کو اطلاع دی۔" وہ اس کا سوال ہی نظر انداز کر گئی۔

"ہاں میں گیا تھا لیکن وہ گاؤں گیا ہوا ہے۔"

کرن کے ساتھ نادرہ کو بھی افسوس ہوا۔ وہ کم از کم مزید اس شخص کا احسان مند نہیں ہونا چاہتی تھی۔ بلا سے وہ سنی کا دوست ہی کیوں نہ ہو۔

"یہ میرے آفس کا فون نمبر ہے۔" اس نے اپنا کارڈ سمیرا کو دے دیا۔ "آفس سے واپسی پر تو میں آؤں گا لیکن اس سے پہلے اگر کوئی پرابلم ہو جائے تو مجھے فون کر دیجئے گا۔"

سمیرا نے کارڈ لے لیا۔ نادرہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اس کو آنکھیں بند کرتے دیکھ کر باہر نکل گیا۔

سنی ماموں آ گئے تھے۔ ان کے آنے سے اسے بڑی ڈھارس ہوئی۔ سارا دن ہوسٹل سے لڑکیاں اسے دیکھنے آتی رہیں۔

وہ سنی ماموں کے آنے کے بعد بھی کئی بار اسپتال میں آیا۔ لیکن اس کے پاس کوئی

لڑکی موجود ہوتی۔ سنی ماموں سے بات کرتے کرتے کبھی کبھی وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتا تو اسے عجیب سا احساس ہوتا۔ وہ اس شخص کے سامنے پہلی بار عجیب کسمپرسی کی حالت میں گئی تھی۔ کاش! کاش، ایسا نہ ہوتا۔ وہ اس سے کسی اور طرح ملی ہوتی کسی اور پوزیشن۔

لیکن کیوں، میں بھلا ایسا کیوں سوچ رہی ہوں، وہ حیران ہو کر خود ہی سوچتی اور پھر خود ہی سر جھٹک کر یہ خیال ذہن سے نکال دیتی۔

جیسے ہی ڈاکٹر نے اجازت دی، سنی ماموں سے گھر لے آئے۔ آنے سے پہلے اسپتال میں اس کی موجودگی میں ہی کرن نے سنی ماموں کے سامنے تجویز پیش کی کہ گارجین کی جگہ اس کے بجائے شیر دل کا نام لکھوا دیا جائے۔

"کیوں؟" سنی ماموں نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر کبھی خدانخواستہ ایسی صورت حال ہو جائے تو ان کے لئے پرابلم ہو گا۔ اس روز بھی ان کی مسز کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اور مجبوراً انہیں آنا پڑا۔" کرن اسے کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔ "کیا خبر پھر کبھی بچے کی طبیعت خراب ہو جائے۔"

"بچے تو خیر اس کے بھی اپنی طرح نہیں ہیں۔ مگر شیر دل ہوسٹل میں رہتا ہے اور......"

"کیا آپ بھی یہی چاہتی ہیں نادرہ کہ آپ کا گارجین کوئی اور ہو۔" اس نے ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی تو اس کا دل عجیب طرح سے دھڑک اٹھا۔ اسکی آنکھوں کے سحر نے جیسے اسے جکڑ سا لیا۔

"نہیں--" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "جو نام اب لکھا ہوا ہے، وہ صحیح ہے۔
سنی ماموں ضروری تو نہیں کہ روز ایسی ہی کوئی بات ہو۔"

اس نے انتہائی جلا دینے والے انداز میں کرن کو دیکھا۔ تو کرن برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تھینکس۔" اس نے جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

سنی ماموں اب نرس کی طرف متوجہ تھے اور کرن، سمیرا سے محو گفتگو تھی اور وہ جانے کیوں گھبرا رہی تھی۔ اس کی پلکیں بار بار اٹھ اور گر رہی تھیں اس کی گھبراہٹ دیکھ کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مبشر نے اپنا رخ سنی کی طرف کر لیا۔

گھر میں سنی ماموں اور آنٹی نے اس کا بہت خیال رکھا۔ آنٹی تو اسے بستر سے ہلنے بھی نہ دیتی تھیں اور انہوں نے اس کا اتنا خیال رکھا کہ اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ وہ یونہی ان کے بارے میں بدگمان رہتی تھی۔ اس نے تو خود ہی کبھی ان کے کسی طور پر قریب ہونے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی کبھی ان کا درد جاننا چاہا تھا۔ وہ تو بس بی جان سے ہی چمٹی رہتی تھی اور سمجھتی تھی کہ آنٹی سنکی ہیں، تلخ مزاج ہیں اور اگر وہ تلخ مزاج بھی تھیں تو اس کی وجہ شاید اولاد سے محرومی تھی-- تنہائی کا احساس تھا۔ آخر وہ کیا کرتیں۔ اپنی محرومیوں کا بدلہ کس سے لیتیں۔ اس لئے وہ چیختی تھیں، غصے میں رہتی تھیں۔ اور وہ انہیں انتہائی بے حس سمجھا کرتی تھی اور اکثر سوچتی تھی کہ اتنی اچھی بی جان کی ایسی بے حس بیٹی کیسے پیدا ہو گئی اور اب جس طرح وہ اس کے لئے پریشان تھیں اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ اس کا دل گداز ہوتا رہتا۔ کئی بار اس کا دل چاہا وہ ان سے کوئی بات کرے۔ ان کی اس بے تحاشا محبت کا شکریہ ادا کرے لیکن عجیب سی جھجک تھی۔ وہ بس نم آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہتی لیکن جس روز وہ واپس آ رہی تھی تو انہوں نے گلے لگاتے ہوئے اس کی پیشانی کا بوسہ دیا تو وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، زور زور سے۔

"ارے ارے۔" سنی ماموں بوکھلا گئے۔

آنٹی نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"آنٹی، آپ بہت اچھی ہیں، بہت اچھی۔" روتے روتے سسکیاں لیتے ہوئے اس

نے بمشکل اتنا ہی کہا اور دوڑ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ وہیں گیٹ کے پاس کھڑی تھیں اور
آنسو ان کی آنکھوں کے کناروں پر چمک رہے تھے۔

سارا راستہ وہ آنٹی کے متعلق سوچتی رہی۔

'ایک نیا درد --' اس نے سوچا، ایک اور آگہی-

آدمی کو سمجھنا اور پہچاننا کتنا مشکل ہے اور ہم لوگ بعض اوقات کسی کو دیکھ کر یونہی
کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں، کوئی اچھی یا بری رائے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بہت لوگوں
کو ہم بہت اچھا سمجھتے ہیں لیکن وہ اتنے اچھے نہیں ہوتے اور بہت سے لوگوں کو ہم برا
سمجھتے ہیں اور وہ برے نہیں ہوتے اور وہ جو کسی نے کہا ہے کہ فرسٹ امپریشن از دی
لاسٹ تو غلط کہا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے مبشر حسن کی بیوی کا چہرہ آ گیا۔

خوبصورت لیکن کرخت

پیشانی پر ناگواری کی شکنیں لئے۔

بیزار بیزار سا۔

کیا پتا اندر سے وہ عورت اتنی کرخت نہ ہو جتنی کہ چہرے سے لگتی ہے۔ کیا پتا اندر
سے اس کا دل بہت نرم ہو۔

اور یہ ناگواری اور بیزاری۔

شاید سنی ماموں کا دوست اچھا نہ ہو۔

"مگر نہیں --" اس کے دل نے خود ہی تردید کر دی۔ "وہ تو۔"

اور دل یک دم زور سے دھڑکا۔

اس نے گھبرا کر سنی ماموں کی طرف دیکھا جو اس سے بے نیاز گاڑی ڈرائیو کر
رہے تھے۔

"سنی ماموں۔ آپ کے یہ دوست......"

"کون مبشر؟"

"جی ہاں۔"

"گھبراؤ نہیں گڑیا، وہ بہت پیارا شخص ہے۔ کچھ کوتاہی اس سے ہوئی ہے اور اس
کے لئے وہ مجھ سے معذرت کر چکا ہے۔ دراصل پہلے تو وہ ملک سے باہر گیا ہوا تھا پھر آیا
تو تمہارا خیال ہی نہ رہا اور نہ خبر لیتا۔"

"یہ بات نہیں۔ میں تو پوچھ رہی تھی کہ آپ نے ان کی بیوی دیکھی ہے، کتنی
پیاری ہیں لیکن کچھ اکھڑی اکھڑی سی لگتی ہیں۔"

"اوہ...... ہا...... ہا......" سنی ماموں نے قہقہہ لگایا۔ دراصل ہما کا مسئلہ یہ ہے کہ
اسے موبی کے لئے اپنے والدین کو چھوڑنا پڑا ہے۔ لو میرج ہے دونوں کی، موبی نے
بھی ہومی کے لئے بڑی جنگ لڑی ہے۔ بہت پریشان رہا ہے۔ دونوں کے والدین رضا
مند نہ تھے۔ عقیدوں کا فرق تھا۔ پھر آخر موبی جیت گیا تو اس کا اکھڑا ہونا فطری ہے۔
ہما بھابی بھی اپنے گھر میں بہت لاڈلی تھیں۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہیں۔"

'اچھا --' اس نے سوچا، تو ہر بات کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ آنٹی اس لئے سنکی ہیں کہ
ان کی اولاد نہیں ہے۔

"ہما اس لئے کرخت لگتی ہے کہ جدائی کا کرب سہہ رہی ہے۔ اسے ایک شخص کو
پانے کے لئے اتنے بہت سوں کو چھوڑنا پڑا ہے۔ اور اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو کیا میں
ایک شخص کے لئے سب کو چھوڑ دیتی مگر میرا ہے ہی کون --؟"

"ماما اور پاپا اور وہ بھی سال میں صرف ایک ماہ کی رسمی ملاقات۔

اور اگر کوئی مجھے اس طرح چاہتا اتنی شدت سے کہ میرے لئے مبشر حسن کی طرح
جنگ لڑتا سب سے - تو - تو شاید......"

اللہ، یہ محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔

ایک مرد کی محبت

کس قدر خوبصورت اور دلنشین۔

جیسے...... جیسے مہروز نے مسز ایلس سے محبت کی تھی۔

کیسی طوفانی اور شدید محبت۔

لیکن انجام -- یہ تو مقدر کی بات تھی نا اور اگر مہروز زندہ ہوتے تو......

"کیا مجھے بھی - مجھے بھی کوئی چاہے گا کبھی اس طرح۔ یوں اتنی شدتوں سے؟"

یونہی لمحہ بھر کو اسے خیال سا آیا اور اسکے رخسار تپ اٹھے۔ اس نے چور نظروں سے سنی ماموں کی طرف دیکھا۔

"اللہ۔ اگر سنی ماموں کو پتا چل جائے کہ میں کیا سوچ رہی ہوں تو کیا کہیں گے اور میں ابھی صرف سولہ سال کی ہوں اور--"

"کچھ ہو گی؟" سنی ماموں نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روکی تو اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

❀

ہوسٹل میں سب نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ کرن نے تو فوراً اس کی صحت یابی کی خوشی میں پارٹی ترتیب دے ڈالی۔ سمیرا نے چاٹ بنائی۔ کرن اور رافعہ نے چندہ اکٹھا کر کے بازار سے سموسے اور کیک منگوایا۔ اور اپنی لائن کے ہر کمرے سے بسکٹ اور نمکو اکٹھا کر کے فوراً چارپائیاں ایک طرف کر کے ٹیبلز لگادیں اور خاص خاص لڑکیوں کو شام کی چائے کی دعوت بھی دے آئی۔

"غیر متعلق لوگوں کو تو نہیں بلایا؟" سمیرا نے مختلف کمروں سے مانگی ہوئی پیالیوں کو میز پر ترتیب سے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف دو بندوں کو۔" کرن اطمینان سے پاؤں پھیلاتے ہوئے بولی۔ "ایک

چھوٹی وارڈن کو ایک باجی خالدہ کو۔"

"چھوٹی وارڈن کو ہائے۔" سمیرا پیالی ہاتھ میں تھامے بستر پر دراز ہو گئی۔ تو نے یہ کیا غضب کیا!"

"تمہارا دماغ تو صحیح تھانا--" رافعہ نے جو پلیٹیں اور چمچ اٹھائے آ رہی تھی، حیرت سے اسے دیکھا۔

"دماغ تو صحیح ہے۔" کرن بہت مطمئن تھی۔

"پھر یہ حماقت۔"

"یار! بے چاری چھوٹی وارڈن کیسی خشک اور بور زندگی ہے اس کی۔ سارا دن چخ چخ - اور رات کو اکیلی تنہا اداس۔ میں نے سوچا آج انجوائے کر لے۔"

"خاک انجوائے کرے گی۔" سمیرا نے جل کر کہا۔ "الٹا ہمارا موڈ بھی خراب ہو گا۔"

"ایمان سے اتنی خوشی ہوئی تھی جب میں نے بلا کر کہا۔ ہنسی ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ فوراً ہی باجی خالدہ کو بلا کر کہا، ذرا شام کو پارٹی میں جانے کے لئے اس کے کپڑے نکال کر استری کر دے۔"

چھوٹی وارڈن کے آنے کا سن کر سب کچھ بیزار سی ہو گئیں لیکن شام ہوتے ہی سمیرا اور کرن کی جاننے والی سب لڑکیاں نئے کپڑے پہن کر میک اپ کیے چہکتی ہوئی آ گئیں۔

مس حبیب نے بھی ہلکا پیازی سوٹ پہنا ہوا تھا-- لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی اور اچھی خاصی دلکش لگ رہی تھیں۔

"مس حبیب ہنس رہی ہیں۔" سمیرا نے کرن کے کان میں سرگوشی کی۔

"اچھا" کرن نے مڑ کر انہیں دیکھا اور چاٹ کی پلیٹ اٹھائے ان کے قریب آ گئی۔

"مس حبیب! آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔"

"رئیلی!" مس حبیب ایک دم بہت خوش ہو گئی تھیں۔

"بے شک نادرہ سے پوچھ لیں۔ ندی! ادھر تو آؤ۔"

نادرہ نے، جو ایک لڑکی کا ہاتھ تھامے خدا جانے کیا کہہ رہی تھی، ایک دم چونک کر انہیں دیکھا۔

"دیکھ مس حبیب آج پیاری لگ رہی ہیں نا؟"

"ہاں، بہت پیاری۔"

"تھینک یو۔" وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھیں۔ پھر وہ نادرہ سے بولیں۔

"نادو! آپ مونا کا ہاتھ دیکھ رہی تھیں، ہاتھ دیکھنا آتا ہے آپ کو لکیروں کا پتا ہے؟"

"جی" نادرہ کو شرارت سوجھی۔ "مجھے پامسٹری سے کافی دلچسپی ہے، میں نے کیرو، ایم اے ملک، نیاز فتح پوری وغیرہ کو بہت پڑھا ہے۔"

"اچھا" ان کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔ پھر وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولیں۔ "بھلا یہ کس چیز کی لکیر ہے۔"

"یہ دل کی--یہ زندگی......" اسے اتفاق سے لکیروں کی کچھ شدبد تھی۔ پھر اس نے فوراً موضوع بدل دیا اور بولی۔ "مس حبیب! یہ راکھی ڈانس کر لے؟ بہت اچھا ڈانس کرتی ہے۔ پچھلے سال گولڈن نائٹ پہ--"

"ہاں ہاں کر لے۔" انہوں نے فراخ دلی سے اجازت دے دی۔

راکھی کا نام تو رخسانہ تھا لیکن سب اسے راکھی کہتے تھے لڑکیوں نے برتن سمیٹ کر میزیں باہر نکال دیں راکھی دوپٹہ باندھ کر درمیان میں آگئی۔ کرن نے ڈیک لگا دیا۔

"میں ناگن تو سپیرا۔"

راکھی نے رقص کیا۔ نادرہ دم بخود سی دیکھا کی۔ اس کا بل کھانا، اس کا اٹھنا، بازو پھیلانا، جھکنا۔ سب کچھ ہی دم بخود کر دینے والا تھا۔ نئی لڑکیاں دم بخود سی بیٹھی تھیں۔ پرانی لڑکیاں تالیاں بجا بجا کر داد دے رہی تھیں۔

راکھی کے بعد نیا نے بنگالی لڑکیوں کی طرح ساری کو تھوڑا اونچا باندھ کر رقص کیا تھا۔

"تمہارے آنے سے پہلے نیا اس کالج کی بیوٹی کوئین تھی۔" سکینڈ ایئر کی طالبہ نے اسے بتایا تو وہ چونک کر نیا کو دیکھنے لگی۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔

"وہ اب بھی بیوٹی کوئین ہے۔"

"نہیں بھئی لوگ کہتے ہیں اس کالج کی بیوٹی کوئین اب نادر مومن ہے۔"

"ویسے ہی۔" وہ جھینپ گئی۔

نیا کا رقص ختم ہوا تو لڑکیوں نے زور زور سے تالیاں بجا بجا کر اسے داد دی اور راکھی کو دوبارہ رقص کے لئے کہا۔

"نہیں بھئی اب ختم کرتے ہیں، بے چاری پڑھاکو لڑکیاں پانی پی پی کر ہمیں کوس رہی ہوں گی۔" نادرہ کو سب کا خیال رہتا تھا۔

"ہاں مسز نواز کی طرف بھی شور جا رہا ہو گا۔" مس حبیب نے بھی تائید کی۔ پھر بڑی دیر سے جو سوال ان کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا، بالآخر لبوں تک آ ہی گیا۔ "تم نے انہیں بلایا نہیں؟"

"ارے نہیں مس حبیب! ہم بھلا انہیں کیوں بلاتے-" کرن نے آنکھیں پٹپٹائیں اور مسکہ لگایا۔ "ہمیں تو بس آپ ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"مگر وہ برا نہ مان جائیں۔" انہوں نے بظاہر سنجیدگی سے کہا لیکن اندر ہی اندر وہ بے حد خوش ہو رہی تھیں کہ چلو اچھا ہے۔ صبح انہیں خوب نمک مرچ لگا کر اس پارٹی کا حال بتاؤں گی تو کتنا جلیں گی کہ میں لڑکیوں میں اتنی مقبول ہوں کہ وہ مجھے اپنے کمروں میں بلاتی ہیں۔

"انہیں پتا تھوڑا ہی چلے گا۔" کرن بھی شاید ان کی دلی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

"اور اگر چل بھی جائے تو کیا ہے جس کو جس کا دل چاہے بلائے۔ اب کوئی زبردستی والی بات تو نہیں ہے۔" کرن باقاعدہ ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔ "ویسے بھی یہ وقت تو ان کی عبادت کا ہے۔"

"عبادت ---" مس حبیب نے قہقہہ لگایا۔ "صرف نمائش، اگر اللہ میاں سے اتنی ہی دوستی تھی تو پھر میاں کو نہ مرنے دیتیں۔ اگر بیٹا پسند سے شادی نہ کرتا اور بہو تو انہیں ایک آنکھ نظر دیکھ بھی نہیں سکتی۔ یہ جو ہر جمعرات کو بیٹے کے گھر جانے کا بہانہ کرتی ہیں نا تو بیٹے کے گھر نہیں جاتیں۔ ایک سہیلی کے گھر جاتی ہیں، بلال گنج میں اور بیٹا رہتا ہے گلبرگ میں۔"

نادرہ ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھے دھیان سے ان کی بات سن رہی تھی اور اس کے اندر نامعلوم سی اداسی گھلنے لگی تھی۔ پتا نہیں کیوں مسز نواز کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔

"آخر اس میں اداسی کی کیا بات ہے۔ اس نے سر جھٹک کر مس حبیب کی طرف دیکھا۔"

لڑکیاں سب چلی گئی تھیں اور مس حبیب بڑے خلوص سے کرن سے کہہ رہی تھیں۔

"بھئی، جب ٹی وی دیکھنا ہو تو میرے کمرے میں آجایا کرو۔ بلا تکلف، اکیلی ہوتی ہوں میں بلیک میں کیا مزہ کل، تنہائیاں کی قسط آ رہی ہے نا کلر پہ دیکھنا۔"

وہ تینوں بہت تھک گئی تھیں۔ سب کے جاتے ہی بغیر کوئی تبصرہ کئے بستر پر لیٹ گئیں۔ لیکن نادرہ بہت دیر تک جاگتی رہی۔

وہ یہاں خوش تھیں۔

مطمئن تھی۔

پھر بھی اس خوشی، اس اطمینان پر جیسے کوئی دبیز دھند چھائی ہوئی تھی۔ شاید وہ اتنی خوش اتنی مطمئن نہیں تھی جتنی کرن سمیرا اور دوسری لڑکیاں رہتی ہیں اور وہ زندگی کو اتنا انجوائے نہیں کرتی جتنا باقی سب کرتے ہیں۔

"کیوں --- کیوں نہیں۔" وہ اکثر اپنے آپ سے پوچھتی تھی۔ مگر اس کیوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

شاید اس لئے کہ وہ پاپا اور ماما سے دور ہے اتنے عرصے سے اگر وہ ان کے پاس ہوتی یا وہ اس کے پاس ہوتے تو پھر ایسا نہ ہوتا شاید اس کی خوشیوں پر دھند کی چادر نہ ہوتی اور جس طرح دھندلاہٹ جانے کے بعد چیزیں صاف اور واضح ہو جاتی ہیں اسی طرح اس کی خوشیاں بھی ہوتیں۔

صاف، روشن اور واضح۔

آج کرن اور سمیرا نے مل کر جو ہنگامہ بپا کیا تھا، صرف اس کے لئے۔ وہ خوش تھی لیکن اس خوشی پر اداسی کا غبار چھایا ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں، شاید وہ مس حبیب کے لئے اداس ہو رہی تھی جو اتنا چیخ چیخ کر بولتی تھیں۔ لیکن اندر سے کسی بچے کی طرح معصوم تھیں یا پھر مسز نواز کے لئے جن کا بیٹا ان سے تعلق توڑے ہوئے تھا اور وہ اپنا بھرم رکھنے کے لئے ہر جمعرات کو اس کے گھر جانے کا بہانہ کرتی تھیں۔ لیکن کیا پتا مس حبیب جھوٹ بول رہی ہوں۔ وہ تو یوں بھی ہر لحہ مسز نواز کو نیچا دکھانے کے لئے کوشاں رہتی ہیں اور شاید اس طرح غلط بیانی کر کے وہ اپنے دل کو سکون پہنچا رہی ہوں --- پتا نہیں، حقیقت کیا ہے۔

اور میں ابھی اتنی چھوٹی ہوں کہ کسی بھی بات کا صحیح ادراک نہیں کر پاتی ہوں۔

شاید میں اتنی باشعور نہیں ہوں۔

اور کرن کتنی جلدی بات کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔

حالانکہ وہ میری ہم عمر ہی ہے۔

اور میں تو اپنی اداسی کی وجہ سے بھی نہیں سمجھ پاتی ہوں۔ آنسو اس کی پلکوں کی نوک سے ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہونے لگے اور وہ یونہی بے آواز رونے لگی۔ بلاوجہ، بے جواز۔

اس بات سے ناآشنا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ وہ روتی رہی اور یونہی روتے روتے سو گئی۔

صبح چھوٹی تھی اس لئے وہ دیر تک سوتی رہی۔ اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ نو بجے کے قریب کرن نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ ”اب اٹھو بھی بابا!“

”کیا ہے، سونے دو۔“ اس نے آنکھیں موندے موندے کہا۔

”میری بلا سے، تم چاہے سارا دن سوتی رہتیں، لیکن صبح سے اب تک کوئی سات بندے تمہیں بلانے آ چکے ہیں۔“

”کون بندے؟“ وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

”مس حبیب کے فرستادہ۔“

”مس حبیب۔“

”جی مس حبیب تمہیں یاد فرما رہی ہیں۔ غالباً رات پارٹی میں تمہارا رخِ روشن......“

”فضول بکواس بند کرو کرن۔“ وہ پریشان ہو گئی۔ ”خیریت تو ہے نا۔ انہوں نے مجھے کیوں بلایا ہے۔“

”ارے جاؤ بھئی، تمہاری یاد آ رہی ہو گی۔ چیز ہی ایسی ہو تم۔“

کرن مذاق کے موڈ میں تھی۔ اس لئے وہ خاموشی سے باتھ روم میں گھس گئی اور جلدی منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئی تیز تیز برش کرتے ہوئے اس نے کرن سے التجا کی۔

”کرن، تم بھی چلو نا میرے ساتھ۔“

”نہیں یار، میں تو نہانے جا رہی ہوں اور تمہیں پتا ہے، آج کے دن باقاعدہ پہرا دینا پڑتا ہے، گرم پانی ختم ہو گیا تو پھر ٹھنڈے پانی سے نہایا نہیں جائے گا مجھ سے۔ سمیرا نہا رہی ہے اور رافعہ کو باتھ روم کے باہر بٹھا کر آئی ہوں کہ جوں ہی وہ باہر نکلے باتھ روم پر قبضہ کر لے۔“

نادرہ کے ہونٹوں پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔

”ویسے تم جاؤ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ ڈرنے والی کوئی بات نہیں کیونکہ وہ بے چاری صبح ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہی تھیں، چائے غالباً انہوں نے اب تک آپ کی خاطر نہیں پی ہو گی۔ لہٰذا آثار بتاتے ہیں کہ قطعی دوستانہ ماحول میں وہ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔ البتہ میں آپ کی تسلی کو سمیرا کو آپ کی خبر لینے بھیجوں گی!“

نادرہ نے اس کی اس طرز گفتگو پر زچ ہو کر اسے دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

❀

آج ہوسٹل میں بہت رونق تھی۔ ہر کمرے سے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ لڑکیاں نہا رہی تھیں، کچھ تیاری کر رہی تھیں۔ کچھ اپنے کپڑے دھو کر دھوپ میں پھیلا رہی تھیں۔ چھٹی کے دن یونہی رونق ہوا کرتی تھی۔ وہ سر جھکائے تیزی سے نکل گئی۔

مس حبیب نے بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ ”آؤ آؤ ندیا، آج بہت سوئیں۔ کمزور بھی بہت ہو نا۔“

”آپ نے مجھے بلایا تھا میڈم؟“

”بیٹھو نا -- چلو چائے تو بناؤ۔ میں نے ابھی تک تمہارے انتظار میں چائے نہیں پی۔“

اس نے چائے دانی اپنی طرف کھسکائی اور بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ کو سر جھکا کر چھپا لیا۔

"کرن کمبخت آدھی نجومی تھی۔ کیسے صحیح صحیح اندازے لگاتی تھی۔ ایک وہ تھی جو کبھی کسی کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کر سکی تھی۔ مثلاً جیسے آنٹی تھیں جنہیں ہمیشہ اس نے سخت دل اور بے حس سمجھا تھا۔

مس حبیب تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور پھر اپنے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔

"تم کہہ رہی تھیں، تمہیں پامسٹری سے بہت دلچسپی ہے۔ ذرا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ۔"

"کیا میڈم! کیا بتاؤں؟" وہ گھبرا گئی۔

"یہی کچھ قسمت کا حال۔"

ذرا سا جھوٹ بول کر وہ بری طرح پھنس گئی تھی۔ اس نے مس حبیب کا ہاتھ تھام لیا۔

"میڈم آپ کی قسمت اچھی ہے۔ بالکل صاف اور سیدھی لکیر ہے کہیں کوئی نشیب و فراز نہیں۔ آپ کا دل بہت نرم ہے اور---" وہ یونہی ان کا ہاتھ پکڑے بولتی رہی۔ مس حبیب نے اچانک اسے ٹوک دیا۔

"یہ سب باتیں تو مجھے بھی پتا ہیں کہ میرا کردار کیسا ہے۔ تم کچھ اور بتاؤ نا---"

"کیا میڈم، آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان کے بے تاثر اور کرخت چہرے پر ایک نرم سا تاثر ابھرا۔ ایک ایسا تاثر جس میں نرمی بھی تھی اور کچھ جھجک سی بھی۔

"شادی--- میرا مطلب ہے شادی کی لکیر ہے۔"

"شادی کی لکیر!" وہ اپنی حیرت کو چھپا نہ سکی لیکن مس حبیب نے کچھ محسوس نہ کیا، وہ جانے کس دنیا میں تھیں۔

"ہاں، ہاں بتاؤ نا۔" ان کے لہجے میں کم عمر لڑکیوں والا اشتیاق تھا۔

"یا اللہ! اب وہ انہیں کیا بتائے، حیرت کے شدید دھچکے سے سنبھلنے کے بعد اس نے

ان کے ہاتھ کو پلٹا، تب ہی کرن نے اندر جھانکا۔

"میڈم پلیز مے آئی کم ان!"

"یس۔"

"اتنی دیر سے ندیا نہیں آئی تو مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ کہیں خدانخواستہ میڈم کی طبیعت نہ خراب ہو۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا میڈم؟"

"ہاں، ہاں ٹھیک ہوں بیٹھو۔" انہوں نے اپنے پاس کھسک کر اس کے لئے جگہ بنا دی۔ وہ اس سے کافی خوش تھیں۔

"ہاتھ دکھایا جا رہا ہے میڈم۔" اس کی نظریں لمحوں میں سب کچھ تاڑ لیتی تھیں۔

"ہاں بھئی، بتاؤ نا ندیا۔" مس حبیب پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جی، جی میڈم! یہ لکیریں ہیں تو سہی شادی کی مگر---" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کرن کی طرف دیکھا جو اپنی گول گول آنکھیں چمکا رہی تھی۔ اور پھر مس حبیب کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"میرا علم اتنا کچھ زیادہ نہیں ہے، بعض اوقات کسی کے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہوتی بھی ہے مگر اس کی شادی نہیں ہوتی۔"

"ارے نہیں، میڈم کے ہاتھ میں یہ لکیر شادی کی ہے۔" کرن نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔ "اور یہ جو باقی لکیریں ہیں نا یہ سب پسندیدگی کی ہوتی ہیں۔ لگتا ہے کسی نے میڈم کو بہت پسند کیا تھا، اس حد تک کہ پرپوزل وغیرہ تک بھجوایا ہو شاید کیوں میڈم-؟" وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں۔" مس حبیب کی آنکھوں میں اداسی گھل گئی۔

نادرہ کے اندر دھواں سا اٹھنے لگا۔ گہرا مٹیالا دھواں۔

"میڈم آپ پر تو بہت لوگ مرتے ہوں گے سچی، اب بھی آپ کی شخصیت میں

بڑا حسن ہے، دلکشی ہے۔"

نادرہ نے غور کیا، مس حبیب کی آنکھوں کی اداسی میں رنگ سے گھل رہے تھے۔

"ہاں بہت لوگوں نے خواہش کی بہت نے چاہا۔"

"تو پھر میڈم آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔ خواہ مخواہ ان کی دل توڑ دیا۔

"کرن!" نادرہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ کی۔ اسکا دل مس حبیب کے لئے پگھل رہا تھا اور کرن پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ ان کے جذبات سے کھیل رہی تھی لیکن کرن نے اس کی طرف سے نظریں ہٹالیں۔ جیسے وہ نادرہ کی بات سمجھ ہی نہ رہی ہو۔

"وہ آپ کو یاد تو کرتے ہوں گے۔ میڈم آپ نے بڑا ظلم کیا ہے ان پر۔"

مس حبیب چپ تھیں جیسے کچھ سوچ رہی ہوں، ان کا ہاتھ ابھی تک کرن کے ہاتھ میں تھا۔

"ویسے مس یہ جو شادی کی لکیر ہے نا۔" اس نے چھوٹی انگلی کے نیچے والی لکیر پر انگلی رکھی۔ "یہ اگر اس کے اوپر یہ چھوٹا سا کراس نہ ہوتا نا تو پھر اسی سال آپ کی شادی یقینی تھی لیکن یہ کراس، ساری گڑبڑ تو اس کراس نے کر دی ہے۔ لیکن لکیریں بدلتی رہتی ہیں۔ ویسے تو اب بھی آپ کی شخصیت میں اتنی ڈگنٹی ہے، وہ شخص بڑا خوش نصیب ہو گا۔"

نادرہ کو کرن کا یہ مذاق بالکل پسند نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے داب کر میز پر پڑی مس حبیب کی تصویر اٹھالی۔ اس تصویر میں وہ گاؤن پہنے ڈگری لے رہی تھیں۔

"میڈم، آپ کی یہ تصویر بہت اچھی ہے۔" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں، یہ یونیورسٹی کی ہے۔ ٹھہرو میں اپنی کالج لائف کی اور یونیورسٹی کی دوسری تصویریں دکھاتی ہوں۔" انہوں نے دراز میں سے البم نکالی اور تصویریں دکھانے لگیں۔

نادرہ بے دلی سے بیٹھی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اٹھ کر بھاگ جائے۔ یہ ایم اے پاس مس حبیب جن کی عمر کم از کم ۴۵ سال تو ہو گی، اس وقت بالکل کم عمر لڑکیوں کے سے انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔ اور یہ بے بسی کا جانے کون سا موڑ تھا۔

خدایا! یہ میں کیا جان رہی ہوں اور جاننا، جان لینا کتنا بڑا عذاب ہے۔ ایک بار سنی ماموں نے جانے کس بات پر کہا تھا۔

"گڑیا! آگہی بہت کرب دیتی ہے، لاعلمی اچھی بات ہے۔"

اور تب وہ سنی ماموں کی بات نہیں سمجھی تھی لیکن آج اسے پتا چلا تھا کہ واقعی جان لینا عذاب ہے۔ وہ ہولے ہولے حقیقتوں سے آشنا ہو رہی تھی اور یہ آشنائی تکلیف دہ تھی۔ دل چیر دینے والی۔

کرن ابھی تک ایک تصویر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی اور مس حبیب خوش ہو رہی تھیں۔

"میڈم! آپ نے شادی کیوں نہیں کی، کوئی وجہ تو ہو گی نا۔۔؟"

"کوئی خاص وجہ نہیں۔" انہوں نے البم بند کر دی۔ "یہ تو میرے والدین کا شعبہ تھا انہوں نے مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔"

"کیا مطلب! شادی کو مناسب نہیں سمجھا۔" کرن نے استفسار کیا۔

"نہیں بھئی، وہ پروپوزل جو میرے لئے آئے۔"

"اچھی میڈم!" نادرہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

کرن نے اس کی بیزاری محسوس کر لی تھی۔ سو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"میڈم، شام کو آئیں گے، ٹی وی بھی دیکھ لیں گے کیونکہ وہاں ہال میں تو اس قدر ہنگامہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ سمجھ نہیں آتا۔"

"ہاں ہاں، ضرور آنا، میں تو بہت تنہائی محسوس کرتی ہوں۔ وہاں کوئین میری میں

تو لڑکیاں آتی رہتی تھیں۔ اکثر گفٹ وغیرہ بھی یاد کرتی تھیں۔"

"یہاں کی لڑکیاں ایک دم کنجوس ہیں، گفٹ وغیرہ دینے کا تو انہیں پتا بھی نہیں ہے۔ نالائق ہیں نری۔" کرن باہر نکلتے ہوئے بڑبڑائی۔

"مگر نادرہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا وہ بے حد چپ تھی۔ کمرے میں آتے ہی کرن نے نعرہ لگایا۔

"اے سمیرا، ایک بمباسٹک نیوز، جو اپنی مس حبیب ہیں نا، بہت جلد ان کی شادی ہونے والی ہے--"

"ارے نہیں۔" سمیرا کے ہاتھ سے برش گر پڑا۔

"رئیلی۔ ابھی ابھی میں نے ان کا ہاتھ دیکھ کر پیش گوئی کی ہے لیکن ایک پرابلم ہے، ان کی شادی کی لکیر پر ایک کراس ہے اس لئے یہ شادی شاید پینڈنگ میں پڑ جائے۔"

"کرن!--" نادرہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا-- "اس طرح کسی کی بے بسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔ کیا خبر کبھی قسمت ہمیں بھی اس موڑ پر لے آئے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، پینتالیس سال کی عمر میں ہم طوطے سے فال نکلوایا کریں گے کہ میاں طوطے بتاؤ، ہماری شادی ہوگی یا نہیں۔ اللہ اللہ کریں گے بھئی اور دوسروں کی شادیاں کرواکے خوش ہوں گے نہ کہ مس حبیب کی طرح......"

"کرن پلیز!" وہ روہانسی ہوگئی اور کرن کی طرف سے رخ موڑ کر اپنی الماری میں کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔ کرن دھڑام سے بیڈ پر گر کر ہنسنے لگی۔

"سچی سمو! بڑا مزہ آئے گا۔ اب مس حبیب صبح و شام اپنے ہاتھ کی لکیریں دیکھا کریں گی کہ کراس ختم ہوا یا نہیں۔"

"سچی کرن! شادی کی لکیر پر کراس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ پر بھی تو کراس ہے، کہیں میری شادی بھی تو پینڈنگ میں نہیں پڑ جائے گی، تمہیں معلوم ہے

مجھے اپنے ماموں کا بیٹا بہت پسند ہے جبکہ میری اماں کا خیال ہے کہ اس کی چاروں خالائیں اس پر دانت لگائے بیٹھی ہیں، کہیں کوئی پھانس ہی نہ لے۔ سو میں اس کراس کو چھری سے ہی مٹا نہ ڈالوں۔"

"بچہ!" کرن آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ "تو فکر نہ کر، تیری لکیریں ابھی پختہ نہیں ہوئیں۔ بدلتی رہیں گی۔ اپنی اماں کو لکھ، لڑکے کو اچھی طرح اپنی گرفت میں رکھیں اور آج شام کو اگر تو بانو بازار کی چاٹ کھلادے تو پھر تیرے لئے چلہ کاٹیں گے۔ کراس کا مطلب بدل جائے گا۔"

"مذاق نہیں کرن! صحیح بتاؤ، کراس کا کیا مطلب ہے؟"

"مجھے کیا خبر۔ بلکہ میرے فرشتوں کو بھی نہیں پتا۔ وہ تو بے چاری مس حبیب اتنی آس و امید سے مجھے دیکھ رہی تھیں تو میں نے سوچا کہ چلو، بابا انہیں خوش کردیں کہ مستقبل قریب میں شادی کا امکان ہے لیکن پھر اس خوف سے کہیں انہیں شادی مرگ نہ ہوجائے۔ میں نے یہ کراس والا شوشہ چھوڑ دیا۔ لہٰذا اب امید و ناامیدی کی درمیانی کیفیت میں ہارٹ فیلیر کا کوئی خطرہ نہیں۔"

"کرن تم سے خدا سمجھے۔" سمیرا ہنس دی تو کرن نے رخ موڑ کر نادرہ کو دیکھا۔

"اے تم کتابوں میں گھسی کیا کررہی ہو؟"

نادرہ خاموش رہی تو کرن اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی اور نرمی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اس کی پلکیں نم ہو رہی تھیں۔

"تم رو رہی ہو ندیا!" کرن نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"نہیں کچھ تو ہے؟"

"وہ بی جان یاد آرہی ہیں۔"

”یہ بی جان بے وقت کیوں یاد آ گئی ہیں؟“

”یاد آنا اور یاد کرنا اپنے اختیار میں تو نہیں ہوتا نا۔“

”ادھر دیکھو ندی، میری طرف، تمہیں اس وقت بی جان نہیں یاد آ رہی ہیں تم مس حبیب کے لئے رو رہی ہو۔ یہ کانچ سا دل لے کر کیسے جیو گی ندیا۔ اسٹیج پر اتنی دھواں دھار تقریریں کرتی ہو اور دل چڑیا جتنا ہے۔ اور یہ تم دوسروں کے لئے روتی رہو گی نا تو تمہارے آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ کچھ آنسو اپنے لئے بھی بچا کر رکھ لو۔ کیا خبر کبھی ضرورت پڑ جائے۔“

”خدا نہ کرے کرن! تم یونہی سوچے سمجھے بغیر بولتی رہتی ہو۔“

”سوری! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ کرن نے اسے پیار کر لیا۔

لیکن وہ یونہی کرن کے کندھے پر سر رکھے ہولے ہولے سسکتی رہی۔

وہ انار کلی کا چکر لگا کر لدی پھندی ہوسٹل گیٹ میں داخل ہوئیں تو بابا شفیق نے بتایا۔

”ندیا بی بی کے وزیٹر آئے ہیں۔“

”شیر دل ہو گا۔“ سمیرا نے اندازہ لگایا۔

”یار، تیرا یہ کزن مجھے بہت پسند ہے۔ کسی دن سفارش کر دے گا۔“ کرن کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

”جس لڑکے کی کزن ندیا جیسی ہو۔ وہ تمہارے ایسی بلیوں کو گھاس نہیں ڈالا کرتے۔“ سمیرا نے اسے ٹھوکا دیا۔ ”چل اب۔“

”لیکن ندیا کو شیر دل سے دلچسپی نہیں ہے۔ ہے نا ندیا؟“ اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لیتے ہوئے کرن نے پوچھا۔

”میں پھوپھو کے سامنے تمہارا نام تجویز کر دوں گی، جب شیر دل کی شادی کی بات چلی، ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے۔“

”وعدہ!“ کرن نے دانت نکالے۔

”ہاں، وعدہ۔“ اس نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور ہنستی ہوئی ان کی طرف بڑھ گئی۔

املتاس کے درخت سے ٹیک لگائے مبشر حسن کھڑے تھے۔

”آپ!“ وہ چند قدم پر ٹھٹک کر رک گئی۔

”میں ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ کی خبر لیتا چلوں۔“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سگریٹ نیچے پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ ”کیسی ہیں آپ؟“

”جی ٹھیک ہوں۔“ اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ اور مبشر حسن کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

”ہوسٹل میں کھانا وغیرہ تو اچھا ملتا ہے؟“

”جی۔“ اس نے مسلسل اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر بے چینی سے پہلو بدلا۔

”یہ میرے کارڈز ہیں، رکھ لیں۔ گھر کا اور آفس کا دونوں ایڈریس جب کبھی ضرورت پڑے کوئی پرابلم ہو تو بلا جھجک آ جائیے۔“

”جی بہتر مگر......“

”مگر کیا؟“ اس نے بھویں اچکائیں۔ ”بی بی۔ میں پہلے ہی سنی سے بہت شرمندہ ہوں اپنی کوتاہی پر کہ آپ کی خبر گیری نہ کر سکا۔“

”میں کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہوں کہ آپ میری خبر گیری کرتے۔“

”اچھا آپ بچی نہیں۔“ اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ جل کر رہ گئی۔

”بہر حال اگر کبھی ہوسٹل کے کھانے سے جی اوب جائے تو میرے آفس فون کر دیجئے گا، میں اپنے کک سے کہہ کر آپ کی پسند کے کھانے بنوا دوں گا۔ آپ اپنی دونوں روم میٹ کے ساتھ آ جائیے گا۔“

"اور آپ کی مسز--" وہ کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن منہ سے نکل گیا۔ مگر اس نے جملہ مکمل نہیں کیا۔

"میری مسز!" ناگواری سے اس کی پیشانی پر لکیریں سی پڑ گئیں۔ "اب میری کوئی مسز نہیں ہیں اگر ہوتیں بھی تو آپ کو کاٹ نہ کھاتیں۔ او کے۔ بائے۔"

وہ اس کے جملے پر غور کرتی رہ گئی اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔ وہ وہیں املتاس کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کے اردگرد ابھی تک اس کی خوشبو موجود تھی۔ اس شخص کی شخصیت میں کتنا سحر ہے۔ اور-- اور یہ کیا کہہ رہا تھا کہ مسز نہیں ہیں۔ کیا جھگڑا ہو گیا۔ ناراضگی یا علیحدگی۔

"اوہ نہیں۔"

اُسے افسوس سا ہوا۔ اور اس کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ خوبصورت، دلکش لیکن اپنی دلکشی میں بھی ایک کرختگی لئے۔

"اے شیر دل چلا گیا۔" کرن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑی۔

"شیر دل نہیں تھا۔"

"تو کیا سنی ماموں تھے؟"

"نہیں مبشر حسن تھے۔"

"کیا کہتے تھے؟" کرن نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"خیریت دریافت کرنے آئے تھے۔"

"لگتا ہے سنی ماموں نے سیدھا کر دیا ہے۔ کیا اکیلے تھے یا وہ ان کی کلف لگی نصف بہتر بھی ان کے ساتھ تھیں۔"

"اکیلے تھے۔"

"چلو ذرا مس حبیب کی خیر خبر لے آئیں۔"

"نہیں کرن، میں بہت تھک گئی ہوں، اپنے کمرے میں چلو۔

اور وہ کرن کے ساتھ چلتے ہوئے اسی کے متعلق سوچتی رہی۔

فرسٹ ایئر کے پرموشن ٹیسٹ ہو گئے تھے۔ اور نادرہ اپنے آپ کو بہت فریش محسوس کر رہی تھی۔ وہ کرسی کی پشت پر سر رکھے ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔ کرن کپڑے استری کر رہی تھی۔

"سنو ندیا! آج خوب گھومیں گے۔ مینار پاکستان-- گلشن اقبال۔ ریس کورس......"

"بس بس زیادہ خواب نہ دیکھو۔" سمیرا نے اسے ٹوک دیا۔ "مینار پاکستان تک ٹھیک ہے۔ اس سے آگے داخلہ بند-- واپسی پر بہت دیر ہو جائے گی اور ہوسٹل کا بند گیٹ آپ کی ساری تفریح کا مزہ کرکرا کر دے گا۔"

"کوئی بات نہیں یار، آج کل مس حبیب سے گاڑھی چھنتی ہے۔ پتا ہے کل صبح کیا کہہ رہی تھیں مجھ سے؟"

"کل صبح تم ان کے پاس گئی تھیں۔ یہ بات غلط ہے بھئی۔ اب تم چوری چوری ان سے ملاقات کرنے لگی ہو۔"

"نہیں بھئی، وہ آمنہ وغیرہ پکڑی گئی تھی نا جعلی پاس بنا کر باہر چلی گئی تھیں، تو ذرا ان کی سفارش کے لئے گئی تھی۔ ورنہ مس حبیب تو یہ لمبے لمبے لیٹر بھجوا رہی تھیں ان کے گھر۔ وہ سب چلی گئیں تو مس مجھ سے کہنے لگیں۔

"تمہیں اپنے بوائے فرینڈ سے ملنا ہے تو جاؤ بھئی۔ میں منع نہیں کرتی۔ ضرور بناؤ بوائے فرینڈز، ملو ان سے، اگر چانس مل رہا ہے تو اسے ضائع مت کرو۔ کل کو پچھتاؤ گی۔ لیکن مجھے بتا کر جاؤ۔ مجھے پتا تو چلے کہ بھئی لڑکی اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے گئی ہے-"

"یہ-- یہ کہا مس حبیب نے؟" نادرہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"ہاں بھئی بلکہ انہوں نے تو مجھے پورے خلوص سے مشورہ دیا ہے کہ مجھے اگر اس

طرح کا چانس ملے تو اسے بالکل ضائع نہ کروں۔"

کرن نے اپنی بائیں آنکھ کا کونا دبایا "اور ایک تم ہو اتنی ظالم کہ شیر دل سے میری سفارش نہیں کرتیں۔ اب مس حبیب سے ہی کہوں گی کہ کوئی اچھا سا بوائے فرینڈ......"

"لعنت بھیجو بوائے فرینڈ پر اور مس حبیب سے جا کر پاس بنوالاؤ۔ تاکہ گھومیں پھریں۔ اس طرح کچھ تو امتحانوں کی تھکن اترے گی۔" سمیرا نے اسے ٹوک دیا تو وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔

وہ تینوں کالج گیٹ کے باہر ویگن کے انتظار میں کھڑی تھیں کہ سلور کلر کی مزدا بالکل ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔

مبشر حسن نے باہر جھانکا۔ "ہیلو لیڈیز!"

"السلام علیکم سر!" سمیرا نے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ "کیسے ہیں آپ؟"

"فائن۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور نادرہ کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے بولا "آپ کیسی ہیں؟"

"اچھی ہوں۔" نادرہ کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ پتا نہیں کیوں اس کی موجودگی سے اسے گھبراہٹ سی ہونے لگتی تھی۔ اس روز کے بعد وہ آج نظر آیا تھا۔

"مجھے آپ کے فون کا انتظار ہی رہا۔"

"بس ضرورت ہی نہیں پڑی۔" اس کے دیئے ہوئے کارڈ اب بھی اس کے بیگ میں پڑے تھے۔

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

"یونہی گھومنے نکلے تھے۔ لیکن لگتا ہے، آج سواری نہیں ملے گی۔"

"چلیں کہاں جانا ہے۔ میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں شکریہ۔" نادرہ نے فوراً کہا۔

"بھئی میں فارغ ہوں۔ یونہی اتفاقاً ادھر آنکلا تھا۔ اور بے مقصد چکر لگا رہا تھا۔ آج آپ کے ساتھ آؤٹنگ ہو جائے گی تو میرا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔"

"تو ٹھیک ہے پھر چلیئے۔" کرن فوراً اپنا پروگرام اسے بتانے لگی۔

نادرہ نہیں جانا چاہتی تھی لیکن کرن تو فوراً ہی دروازہ کھول کر بیٹھ چکی تھی۔ مجبوراً اسے بھی بیٹھنا پڑا۔

آئس کریم کھاتے ہوئے کرن کو اچانک اس کی بیوی کا خیال آگیا۔

"سر، آپ اکیلے کیوں گھوم رہے تھے، وہ آپ کی مسز کیا میکے چلی گئی ہیں؟"

"جی، میری مسز ہمیشہ کے لئے میکے چلی گئی ہیں۔"

"مگر کیوں؟" کرن نے بے حد حیرت سے پوچھا۔ "آپ تو بے ٹھیک ٹھاک بندے لگتے ہیں۔ کیا شکایت تھی انہیں آپ سے؟"

"معلوم نہیں۔" اب وہ نارمل ہو گیا تھا۔ نادرہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"دراصل ہماری شادی ہی غلط ہوئی تھی اور اسے واپس تو جانا ہی تھا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ غلط تھا۔" اس نے مختصراً بتایا اور بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل ڈالا۔

نادرہ کا دل اس کے لئے اداس ہو گیا وہ کس قدر تنہا اور اکیلا لگ رہا تھا۔ وہ زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی۔ البتہ سمیرا اور کرن خوب باتیں کرتی رہی تھیں اور انہوں نے بہت انجوائے بھی کیا تھا۔ انہیں ہوسٹل کے گیٹ پر اتارتے ہوئے مبشر حسن نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"آپ اتنی خاموش کیوں رہتی ہیں، آپ کی عمر کی لڑکیاں ایسی تو نہیں ہوتیں، اتنی سنجیدہ اور خاموش۔ اینی پرابلم؟"

"نو سر!" اس کی آواز جانے کیوں بھرا گئی۔ "نو پرابلم۔"

"پھر؟" اس کی سوالیہ نظریں لمحہ بھر اس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہیں۔

"یونہی، میں ایسی ہی ہوں، شروع سے ہی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"خوش رہا کریں بی بی، اس عمر میں اتنی سنجیدگی اچھی بات نہیں۔" وہ اسے نصیحت کرتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اور وہ بہت دیر تک وہاں ہی کھڑی سوچتی رہی کہ پتا نہیں کیوں اس کے اندر کی اداسی نہیں جاتی۔ جبکہ اسے کوئی پرابلم نہیں، کوئی جواز نہیں اس کے پاس، یوں بے وجہ اداس ہونے کا۔

خدا جانے وہ کیا سوچتی ہے۔

کاش! کبھی وہ خود پر، اپنے آپ پر کھل جائے۔ اسے پتا چل جائے کہ یہ بے نام اداسی، یہ بے وجہ ملال کیوں ہے۔

"بندہ اچھا ہے لیکن اتنا بھی اچھا نہیں کہ آپ گیٹ سے ہی چپک جائیں اور یہ بھول جائیں کہ مس حبیب اندر ٹہل رہی ہیں اور اتنی دیر سے واپس آنے پر باز پرس بھی ہو سکتی ہے۔"

"فضول باتیں نہ کیا کرو کرن!" اس نے بیزاری سے کہا۔

"بڑی دیر کر دی جی!" شفیق بابا نے ان کا نوٹس لیا۔

"ہاں بابا آج اتنے دنوں بعد تو نکلے تھے، دیر ہو گئی سیر کرتے کرتے۔" سمیرا نے بابا کو بتایا۔

مس حبیب شاید اپنے کمرے میں تھیں اور کھانے کی بیل ہو رہی تھی۔ لیکن مبشر حسن نے اتنا کچھ کھلا پلا دیا تھا کہ تینوں کو بھوک نہ تھی۔ کرن نے بستر پر گرتے ہوئے فل آواز میں ٹیپ لگا دیا۔

"اے کھانے کے لئے نہیں جانا کیا؟" رافعہ نے اندر جھانکا۔

"نہیں یار! ہم لوگ باہر کھا آئے تھے۔" کرن نے زور زور سے ٹانگیں ہلاتے ہوئے کہا۔

"مس حبیب تمہیں پوچھ رہی تھیں۔ میں نے بتا دیا تھا کہ کمرے میں ہیں۔" رافعہ نے دروازہ بند کر دیا تو کرن زور زور سے بولنے لگی۔

"جل تو جلال تو۔ سمو! لائٹ آف کر دو۔ ابھی آ کر کان کھائیں گی، سچی بالکل موڈ نہیں ہے ان کی باتیں سننے کا۔"

"صبح کے لئے مجھے اپنا یونیفارم استری کرنا ہے، کپڑے بدلنے ہیں۔"

"صبح کر لینا نا۔" وہ منمنائی۔

تب ہی مس حبیب نے دروازہ کھولا۔ تو کرن فٹ سے لیٹ کر سوتی بن گئی۔

"آ گئے آپ لوگ؟"

"یس میڈم آ جائیں۔" نادرہ نے بستر پر ان کے لئے جگہ بنائی۔

"کہاں کہاں گئے تھے؟" وہ نادرہ کے پاس بیٹھ گئیں۔

"بس یونہی گھومتے پھرے۔"

"میرا دل آج بہت گھبرا رہا تھا، دو تین دفعہ تمہارا پتا کیا۔ کبھی کبھی بڑا دل گھبراتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کمرے کی چاروں دیواریں اپنی جگہ سے کھسک رہی ہیں اور ابھی کچھ دیر میں مجھے پیس ڈالیں گی۔ جیسے -- جیسے میں ان میں دب جاؤں گی کل رات میرا دل چاہا تھا چیخ چیخ کر رونے لگوں۔ بہت ڈر لگا، بہت خوف آیا۔"

نادرہ نے ان کا ہاتھ تھام کر ہولے سے دبایا اور بولی "آپ ادھر آ جائیں میڈم ہمارے کمرے میں۔"

"تم لوگ گھر جا رہی ہو نا چھٹیوں میں۔"

"کل چھٹیاں ہو جائیں گی اور ہم لوگ پرسوں چلے جائیں گے۔ آپ جائیں گی؟"

"میں!" وہ خاموشی سے اپنی انگلیاں مروڑتی رہیں۔ کہاں جاؤں گی؟" کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ "کون میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ بھائی اور بھابی کو میری پرواہ ہی نہیں،

بہن اپنے گھر میں مست ہے۔ جاؤں بھی تو اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ مجھ سے میرا دکھ پوچھے۔ بس اپنے بچوں کے پرابلم۔ سنی کو بخار ہے۔ مانی کا برتھ ڈے ہے، نزی کمزور ہو گئی ہے--"

"میڈم آپ کی امی اور ابو؟"

"میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ والدہ چھوٹی بھائی کے پاس کراچی میں ہوتی ہیں اور یہاں بڑے بھائی ہیں اور بہن ہیں۔"

❀

آج مس حبیب بہت دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔ بہت اپ سیٹ تھیں۔ کرن سوتی بن گئی تھی ورنہ اپنی مزیدار باتوں سے ان کا دل بہلا لیتی۔ اس کی آنکھوں میں بھی نیند بھری تھی۔ سمیرا بھی اونگھ رہی تھی اور مس حبیب باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں۔ جبکہ امتحانوں کی وجہ سے وہ کتنے دنوں سے جاگ رہی تھیں اور آج سونا چاہتی تھیں۔

"پتا ہے ندیا! میری بھابی مجھ سے ہمیشہ ایک ہی بات کہتی ہے ثرو! تم بھی شادی کر لیتیں بھئی اب--کیا میں خود شادی کرتی۔ اور میری بھابی......"

دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟"

"شفیق بابا ہوں جی، چھوٹی وارڈن ہیں؟

"ہاں۔"

"کیا بات ہے؟" مس حبیب نے پوچھا۔

"جی یہ روم نمبر ۳۶ کی نادرہ بی بی کی درخواست آئی ہے، چھٹی لینے کے لئے آئے ہیں۔"

"کون؟"

"یا اللہ خیر۔" نادرہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

کرن بھی ایک دم اٹھ بیٹھی۔ اس نے درخواست شفیق بابا سے جھپٹ لی۔

"شیر دل آیا ہے لینے تمہیں۔ تمہاری آنٹی بہت بیمار ہیں۔" اس نے درخواست مس حبیب کی طرف بڑھائی۔ "میڈم آپ سائن کر دیں۔ اور ہم ذرا پتا کر آئیں کیا بات ہے۔"

وہ نادرہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"سنی ماموں کا فون آیا ہے کچھ دیر پہلے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تمہیں لے کر فوراً پہنچوں۔ آنٹی کی طبیعت خراب ہے۔"

"مگر انہیں کیا ہوا ہے شیری؟" اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔

"پتا نہیں--"

مس حبیب بھی ان کے پیچھے آ گئی تھیں۔

"کیا نام ہے لڑکے تمہارا؟" ان کی تیز کرخت آواز نادرہ کے کانوں میں گونجی۔

"شیر دل!"

"کیا رشتہ ہے؟"

"کزن ہوں۔"

"کزن!" وہ عجب طرح سے ہنسیں۔ "بھئی، میں اس وقت تمہیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

"میڈم پلیز، میری آنٹی بیمار ہیں۔ خدا جانے کیا ہو۔ ماموں مجھے کبھی اس طرح نہ بلاتے، یقیناً کوئی بہت سیریس بات ہے، پلیز مجھے جانے دیں۔ یقین کریں، یہ میری پھوپی کا بیٹا ہے۔"

"نہیں بھئی۔" مس حبیب کے لہجے میں وہی سختی تھی۔ وہ چند لمحے پہلے کی مس

حبیب تو لگ ہی نہیں رہی تھیں۔ کرن نے جانے کیا کہا کہ وہ چیخ چیخ کر بولتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ نادرہ رونے لگی۔

"ندو! تم حوصلہ کرو، میں مسز نواز سے بات کرتی ہوں۔ شیر دل ایک ، اور درخواست لکھ دو۔" کرن نے شیر دل سے کہا اور درخواست لے کر مسز نواز کی طرف چلی گئی، مگر وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔

اس نے کتنے ہی چکر لگا ڈالے تھے۔

"جانے کتنی لمبی نماز پڑھتی ہیں۔" کرن بڑبڑائی۔

اچانک نادرہ کو مبشر کا خیال آگیا۔

"شیری! تم اس نمبر پر ذرا فون کر کے انہیں بلا لو۔" اس نے ان کا کارڈ نکال کر اسے دیا۔

کچھ ہی دیر بعد مبشر موجود تھے۔

کرن مسز نواز سے بحث کر رہی تھی کہ وہ آگئے اور پھر خدا جانے انہوں نے کیا کہا، یوں بھی وہ گارجین تھے اس کے اور مسز نواز نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ تینوں اسے گیٹ تک چھوڑنے آئیں۔ وہ بے حد زرد ہو رہی تھی۔ کرن نے اسے حوصلہ دیا تو وہ رو پڑی۔

"دعا کرنا۔" اس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا- اور شیر دل کی طرف دیکھا جو ابھی باہر کھڑا تھا۔

"تم نہیں چل رہے؟"

"اس کے پیپرز ہو رہے ہیں۔ میں نے خود ہی منع کیا ہے۔ ایک پیپر مس ہو جائے گا۔" مبشر بولے۔

"مگر۔" وہ گھبرا گئی۔

"پلیز، آپ گھبرائیں نہیں اعتماد کریں مجھ پر۔"

"میں ابھی سنی ماموں کو فون کر دیتا ہوں کہ تم مبشر بھائی کے ساتھ آرہی ہو۔"

"اچھا۔"

"اگر تم کہتی ہو تو میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" شیر دل نے شاید اس کی گھبراہٹ محسوس کر لی تھی۔

"نہیں شیری، تمہارا پیپر مس ہو جائے گا۔"

تمام راستہ خاموشی سے ہی کٹا۔ وہ آنکھیں موندے آنٹی کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی اور مبشر حسن خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے۔

آنٹی کو شدید اٹیک ہوا تھا ڈاکٹر اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سنی ماموں کے گلے لگ کر بہت روئی اور آنٹی کے زرد ہاتھ کو ہاتھوں میں لئے بہت دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ مبشر حسن دوسرے دن چلے گئے تھے اور وہ صبح سے شام تک اسپتال ہی میں رہتی۔ آنٹی ہولے ہولے سنبھل رہی تھیں لیکن ابھی اسپتال ہی میں تھیں ان چند دنوں میں اس کی آنٹی سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ بالکل بی جان کی طرح۔ وہ ان سے باتیں کرتی رہتی۔ ہوسٹل کی ٹیچرز کی، مس حبیب کی اور ان کے چہرے پر بڑی مہربان کی مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔

"آنٹی! آنٹی! آپ بہت اچھی ہیں۔ آئی لو یو آنٹی۔"

ان کے بال بناتے ہوئے اس نے ایک روز ان کے رخساروں کو چوم لیا تو انہوں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اور اس کے رخساروں پر اور اس کی آنکھوں پر بے تحاشا پیار کرنے لگیں۔

"میری بیٹی! میری چاند! میری گڑیا!" آنسو ان کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"ارے تو میرے پاس تھی میری گڑیا! میری بیٹی اور میں تیرے ہوتے ہوئے بھی اکیلی

رہی۔ تنہا رہی۔ کتنی پاگل تھی۔ میں۔ بس تو مجھے اپنی ماں ہی سمجھ، تو میری بیٹی ہے میرا
میری جان، میری زندگی!"

"آپ سب کچھ ہیں میری ماں، دوست، بہن۔" اس نے اپنی بانہیں ان کے گلے
میں ڈال دیں۔

آنٹی کے چہرے کی سختی نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ اسپتال سے گھر آنے پر وہ چند
روز ہی گھر پر رہی۔ چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اور رزلٹ آ گیا تھا۔ کرن نے لکھا تھا کہ اس
نے چاروں سیکشنز میں ٹاپ کیا ہے۔ آنٹی نے اس کی اتنی شاندار کامیابی کی خوشی میں
ایک چھوٹی سی پارٹی ترتیب دے ڈالی تھی۔ رات کو تھک کر جب وہ بستر پر لیٹی تو اچانک
اسے احساس ہوا کہ وہ بے نام سی اداسی کا غبار جو بی جان کی موت کے بعد ہر وقت اس کے
دل پر چھایا رہتا تھا، خود بخود آپوں آپ ہی ڈھل گیا ہے -- تب بے حد مطمئن ہو کر بڑی
طمانیت کے ساتھ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے اندر سکون سا پھیلتا چلا گیا۔

املتاس کے تنے سے ٹیک لگائے لگائے اس نے چاروں اور دیکھا کتنی گہری خاموشی
اور سناٹا تھا۔ عجیب سی ویرانی اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ زیادہ تر لڑکیاں اپنے گھروں کو
جا چکی تھیں۔ چند ایک جو دور دراز سے آئی تھیں، وہ اپنے کمروں میں تھیں شاید ایک دو
روز میں وہ بھی چلی جائیں گی۔ ایک ہفتے کی یہ چھٹیاں اچانک ہی ہوئی تھیں گورنمنٹ
کالج کا کوئی لڑکا قتل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کالجوں میں ہنگامے ہو رہے تھے۔

پرنسپل مسز مرشد نے ان کا کالج بھی ایک ہفتے کے لئے بند کر دیا تھا۔ پتا نہیں
والدین نے اس لڑکے کے لئے کتنے خواب دیکھے ہوں گے اور کتنی آرزوئیں دل میں
رکھی ہوں گی۔ مگر وہ سارے خواب اور ساری آرزوئیں یونہی تشنہ چھوڑ کر چلا گیا۔ پتا
نہیں، کتنے لوگ یونہی اپنے والدین کے خوابوں کو بیچ راہ میں ادھورا چھوڑ کر مر جاتے
ہوں گے اور اب نہ جانے اور کتنے......

اس نے املتاس کے تنے سے ٹیک لگائے لگائے سوچا۔

"جانے اس کی ماں بہنوں نے اس کی موت کی خبر کیسے سنی ہو گی۔ شاید ان کے دل
پھٹ گئے ہوں گے۔ ان کا سینہ فگار ہو گیا ہو گا۔ اور اس کا باپ اپنے خوابوں کے ٹوٹنے
اور اپنی تمناؤں کے پورا نہ ہونے پر کس طرح اسے پکارتا ہو گا۔"

سب لڑکیاں خوش خوش گھر جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں لیکن وہ بہت اداس
تھی۔ رہ رہ کر اسے اس لڑکے کا خیال آ رہا تھا۔ جو دو جماعتوں کے جھگڑے میں مارا گیا تھا۔

"تم نے سنی ماموں کو فون کر دیا؟" کرن نے جلدی جلدی بیگ میں کپڑے
ٹھونستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے جھوٹ بولا تھا۔

اس کا کہیں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا وہ یہ چھٹیاں ہوسٹل میں
ہی رہ کر گزارے گی مگر دو ہی دن میں اس کا دل گھبرا گیا تھا۔ مسز نواز اپنے بیٹے کے پاس
چلی گئی تھیں۔ صرف مس حبیب تھیں۔ وہ تھی اور چند لڑکیاں..... اور یہ چند لڑکیاں
بھی شاید کل تک چلی جائیں گی۔

کرن اور سمیرا نے کتنی منتیں کی تھیں کہ اس بار وہ ان کے ساتھ چلے۔ لیکن اس
نے ٹال دیا۔

"نہیں سمو! اسلام آباد ہی جاؤں گی۔ سنی ماموں وہاں اتنے اداس ہوتے ہیں۔ آنٹی
کے بعد انہوں نے اپنی پروا کرنا بالکل چھوڑ دی ہے۔"

لیکن وہ نہیں گئی تھی۔ اسلام آباد جانے کے تصور سے ہی اس کا دل گھبرانے لگتا
تھا۔ وہاں اس اتنے بڑے گھر میں اس کا دم گھٹتا تھا۔ چاروں طرف سے آنٹی کی آوازیں
آتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آنٹی ابھی کسی طرف سے نکل آئیں گی اور اس کے
رخساروں اور اس کی پیشانی کو بے تحاشا چومنے لگی گی۔

"میری گڑیا، میری بیٹی!"

محبتیں شاید اس کا نصیب نہیں تھیں۔ وہ کتنی خوش، خوش ہوسٹل واپس آئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اب کے چھٹیاں جو اسلام آباد میں گزریں گی تو کتنا مزہ آیا کرے گا۔ وہ آنٹی سے ڈھیروں باتیں کیا کرے گی۔ ان کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی بے معنی اور بے قصور باتیں۔ بچپن سے ہی اس کا دل چاہتا تھا کہ کوئی ہو جو اس کی بے معنی اور فضول باتوں کو بہت دھیان سے سنے اور آنٹی نے ہاسپٹل سے آنے کے بعد کس طرح شوق اور اشتیاق سے اس کی باتیں سنی تھیں۔

لایعنی اور فضول باتیں۔

بے کار اوٹ پٹانگ خواب۔

آنٹی نے اس کے کسی خواب کا مذاق نہیں اڑایا تھا وہ کہتی۔

"آنٹی! میں اپنی تعلیم ختم کروں تو پھر دنیا گھومیں گے۔ سائیکل پر۔ آپ بھی میرے ساتھ چلنا۔"

"اچھا چلیں گے۔" وہ مسکرا دیتیں۔

اور......

اس نے سوچا تھا۔ وہ آنٹی سے اچھے اچھے کام کرنا سیکھے گی۔ آنٹی کے ہاتھ میں کتنی نفاست تھی۔ وہ کتنے خوبصورت پھول کاڑھتی تھیں۔ کیسی خوبصورت چیزیں بناتی تھیں۔ ہوسٹل میں رہنے کی وجہ سے اسے سوائے چائے بنانے کے کچھ نہیں آتا تھا اس نے سوچا تھا، وہ آنٹی سے ہر طرح کے کھانے پکانے سیکھے گی اور جب کبھی چھٹیوں میں ماما اور پاپا آئیں گے تو وہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کھانے کھلا کر انہیں حیران کر دے گی۔

مگر اس کے سارے خواب بے تعبیر رہ گئے تھے۔

واپس آنے کے صرف چند ہفتوں بعد آنٹی نے دنیا سے ناتا توڑ لیا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا ہفتوں۔ مہینوں وہ اداس رہی تھی۔ وہی نامعلوم اداسی کا غبار اس کے اندر پھیلتا رہتا اور کبھی کبھی یہ غبار اتنا گہرا ہو جاتا کہ اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا جاتی۔ گہری دبیز دھند تب اس کا دل چاہتا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے اور کوئی اسے منع نہ کرے، چپ نہ کرائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی ورنہ ہوسٹل میں کہانیاں بن جاتیں۔ لڑکیاں اسے مریض سمجھتیں۔ ترس اور ہمدردی سے دیکھتیں۔

زندگی کے تین طویل برس یہاں گزر گئے تھے۔ اب وہ بی اے فائنل میں تھی۔ اس کی معصومیت میں ایک وقار سا پیدا ہو گیا تھا۔ بے تحاشا خوبصورت آنکھوں اور گھنے بالوں والی نادرہ مومن آج بھی کالج کی ہر دلعزیز طالبہ تھی۔ اسے بے تحاشا پسند کیا گیا تھا۔

ٹیچرز نے......

لڑکیوں نے......

اور کالج میں آنے والے مہمانوں نے۔

وہ بلاشبہ اپنے کالج کا مان تھی۔

لیکن پھر بھی وہ اندر سے خوش نہیں تھی، خوش نہیں ہو پاتی تھی۔ کوئی چیز۔ کوئی نامعلوم احساس جیسے اس کی خوشیوں کی راہ میں حائل ہو گیا تھا۔

اس کی الماری انعام کی کتابوں اور ٹرافیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کا تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا۔

تین سالوں سے مسلسل وہ آل راؤنڈ بیسٹ اسٹوڈنٹ آف دی ایئر قرار دی جا رہی تھی۔ پھر بھی کوئی کانٹا سا اس کے اندر چبھا تھا جو نکلتا نہیں تھا۔ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ان تینوں سالوں میں دو بار ماما اور پاپا آئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح دعوتیں کھاتے کھاتے ان کی چھٹیاں گزر گئی تھیں۔ ممی بالکل ویسے ہی تھیں، ینگ اور خوبصورت، پاپا

پہلے سے زیادہ گریس فل ہوگئے تھے کنپٹیوں پر تھوڑے تھوڑے سفید بال ان کی شخصیت کے حسن میں اضافہ کرنے لگے تھے۔

شیر دل تعلیم ختم کرکے جاب کرنے لگا تھا۔ وہ اب ہر ویک اینڈ پر اس کی خبر لینے آتا تھا۔ لیکن اب کبھی کبھی کوئی ذو معنی بات کہہ کر وہ اسے اپ سیٹ کر دیتا تھا۔ سمیرا نے ایک بار کہا تھا۔

''سنو ندیا! تمہارا یہ کزن شاید تم سے محبت کرنے لگا ہے۔''

''فضول۔'' اس نے بیزاری سے منہ بنالیا تھا۔ اسے اس طرح کی غیر سنجیدہ محبتیں پسند نہیں تھیں۔ اس کا محبت کا نظریہ بالکل مختلف تھا۔ یہ فلمی کہانیوں والی محبت اسے محض تفریح لگتی تھی ایک سستی تفریح۔ دوسری کئی تفریحات کے مقابلے میں نسبتاً کم خرچ۔

یہ بھی کوئی محبت ہوتی ہے، وہ بیزاری سے سوچتی۔ محبت میں تو ایک وقار ہونا چاہئے۔ ایک خاص حسن۔ اس نے سوچا تھا اگر زندگی میں اس نے کسی سے محبت کی تو وہ بڑی میچور محبت ہوگی۔ بہت مختلف، بہت باوقار۔ یہ کیا کہ محبت میں آدمی اپنی انا اپنی غیرت سب کا سودا کر دے فلموں میں ہیروئن کے پیچھے پیچھے بھاگ کر گانے گاتا ہوا ہیرو اسے زہر لگتا تھا۔

سمیرا کی منگنی اپنے ماموں زاد سے ہوگئی تھی اور بی اے کے بعد اس کی شادی تھی۔

سنی ماموں آنٹی کے بعد بہت اداس بہت خاموش ہوگئے تھے۔ وہ بہت کم باتیں کرتے تھے نہ پہلے کی طرح گھومنے جانا نہ ہنسی نہ مذاق۔ بس آفس سے آکر کمرے میں گھس جاتے۔ وہ جتنے دن گھر رہتی، ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ سنی ماموں کے لئے اس کا دل بڑا دکھتا تھا ماما نے بہت چاہا تھا کہ وہ شادی کرلیں لیکن وہ نہ مانے تھے۔ حالانکہ ابھی وہ بالکل ینگ تھے۔

مگر کچھ لوگ اپنی محبتوں میں بڑے پختہ ہوتے ہیں۔ سات سال ازدواجی زندگی میں انہوں نے شاید کبھی آنٹی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی، کبھی اولاد نہ ہونے کا شکوہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کئی بار آنٹی نے انہیں دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتے تھے۔

مبشر حسن اکثر اب اسلام آباد جانے لگے تھے۔

جب بھی وہ چھٹیوں میں وہاں ہوتی، وہ ایک آدھ چکر ضرور لگاتے تھے۔ ان تین سالوں کی سات آٹھ ملاقاتوں میں وہ ان کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جان سکی تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ ٹی وی پروڈیوسر کی جاب کرتا ہے اور اپنی ایک تھیٹر کمپنی بھی ہے جس سے کبھی کبھی سالوں بعد وہ کوئی ڈراما پروڈیوس کرتا ہے اور یہ کہ اپنی بیوی ہما کے جانے کے بعد وہ ابھی تک اکیلا ہے۔ سنی ماموں نے اسے بتایا تھا کہ ہما بڑی آئیڈیلسٹک لڑکی تھی اس نے موبی کی محبت میں والدین اور بھائیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر وہ بہت جلد اپنے فیصلے پر پچھتانے لگی تھی وہ ان سے بچھڑ کر موبی کے ساتھ خوش نہ رہ سکی تھی۔ سو واپس چلی گئی۔ موبی نے تو بہت کوشش کی تھی کہ کوئی متبادل صورت نکل آئے۔ وہ اس کے بھائیوں کی منت کرنے کو بھی تیار تھا لیکن ہما کو ایک دم جانے کیا ہوگیا تھا اس نے طلاق لے لی۔

اسے دکھ ہوا تھا یہ سب جان کر اور اس کے دل میں خود بخود ہی مبشر حسن کے لئے ایک نرم گوشہ پیدا ہوگیا تھا۔ کھڑے کھڑے وہ تھک گئی تھی تو وہیں تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی ہوسٹل اور کالج کی اس شاندار عمارت میں کتنی کشش ہے۔ سرخ اینٹوں سے بنی یہ عمارت۔

لمبے لمبے اندھیرے کوریڈور۔

اونچی چھتوں والے کمرے۔ ان سب سے کتنی اپنائیت کا رشتہ ہوگیا ہے۔

یوں جیسے برسوں سے اسی چار دیواری میں رہ رہی ہوں۔ اور جب چند ماہ بعد یہ ہوسٹل، یہ کالج چھوٹ جائے گا تو کتنا یاد آئے گا سب...... یہ دیواریں، یہ دروازے۔ یہ اونچی چھتوں والے کمرے۔

بابا شفیق۔

مس حبیب۔

املتاس کا یہ اتنا پرانا درخت جو اس وقت بھی پیلے پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور ذرا سی ہوا سے ڈھیروں پھول اس کے آس پاس گر جاتے تھے۔ اسے یہاں اس درخت کے پاس بیٹھنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان تین سالوں میں اس نے کتنی بہت سی شامیں یہاں اس درخت کے نیچے بیٹھ کر گزاری تھیں۔ یونہی لایعنی باتیں سوچتے ہوئے۔

”ہیلو!“

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ایک لمبا تڑنگا لڑکا اس کے قریب کھڑا تھا، گھبرا کر اس نے گیٹ کی طرف دیکھا بابا شفیق جانے کہاں گیا تھا وہ سیدھا اندر ہی چلا آیا تھا۔

”آپ کو کس سے ملنا ہے؟“ اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

”مسز نواز سے۔“

”مسز نواز تو اپنے بیٹے کے گھر گئی ہوئی ہیں۔“

”بیٹے کے گھر!“ لڑکے کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

”جی، ان کا بیٹا یہاں لاہور میں ہی رہتا ہے وہ ہر ویک اینڈ پر اس کے گھر چلی جاتی ہیں۔“ اس نے تفصیل بتائی۔

وہ بہت مضطرب دکھائی دیتا تھا وہ بار بار دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتا پھر کھول دیتا اور اس کی طرف دیکھتا۔

”آپ مس حبیب سے مل لیں چھوٹی وارڈن سے۔“

”نہیں، مجھے مسز نواز سے ملنا تھا اگر وہ آئیں تو انہیں بتا دیجئے گا کہ میں آیا تھا ان سے ملنے۔“

مگر آپ کا نام، میں ان سے کیا کہوں کہ کون آیا تھا۔“

”میں ہی ان کا بیٹا ہوں اور وہ سات سال سے میرے گھر نہیں آئیں۔“ وہ ایک دم تیزی سے پلٹ گیا۔

”نہیں۔“ اس کے اندر چھناکا سا ہوا۔

اس کی صحت یابی والی پارٹی میں مس حبیب نے کہا تھا۔ مسز نواز بلال گنج جاتی ہیں۔ اپنی سہیلی کے پاس اور بیٹا تو گلبرگ میں رہتا ہے اور انہیں پوچھتا بھی نہیں۔

”اور کیسے کیسے کس کس طرح اپنا بھرم رکھنا پڑتا ہے، اس کے اندر سے جیسے کچھ پگھل پگھل کر باہر آنے لگا۔“ اور یہ شخص بیدردی سے ان کا بھرم توڑ گیا تھا۔ جسے نہ جانے کیسے اب تک انہوں نے بنا رکھا تھا۔“

آدمی کبھی کبھی نہ جانے کیوں اپنے اردگرد جھوٹ کر دیواریں کھڑی کر لیتا ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر مسز نواز اپنے گرد جھوٹ کی یہ دیوار کھڑی نہ کرتیں، بتا دیتیں کہ ان کا بیٹا ان کی بہو انہیں پوچھتے نہیں لوگ الٹا ان سے ہمدردی ہی کرتے۔

مگر نہیں فرق پڑتا ہے۔

آدمی کا کوئی نہ ہو۔

اس کا پوچھنے والا، اسے چاہنے والا تو آدمی بڑا بے وقعت ہو جاتا ہے۔ بڑا چھوٹا بڑا معمولی۔ اس کی گردن جھک جاتی ہے اور مسز نواز جب ہر ویک اینڈ پر اپنے بیٹے کے گھر جا رہی ہوتی تھیں تو ان کا سر اٹھا ہوا ہوتا تھا۔

مگر کیا ان کے اندر بھی یہ فخر ہوتا ہو گا۔

اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔ ابھی کل تک اسے مسز نواز سے

کراہٹ سی آرہی تھی۔ جس طرح انہوں نے مس حبیب کے خلاف لڑکیوں سے پرنسپل کی طرف خط لکھوائے تھے۔اس سے مسز نوازا سے بہت بری لگنے لگی تھیں۔ مگر اب اسے ان پر رحم آرہا تھا ترس آرہا تھا۔وہ اس طرح کی ساری حرکتیں اس لئے کر رہی تھیں کہ وہ ریٹائر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ یہاں سے نکل کر کہاں جاتیں وہ۔ بیٹا انہیں پاس نہ رکھتا۔وہ بے بھرم ہو جاتیں۔وہ ٹوٹ جاتیں۔

دکھ بے حد گہرا دکھ اندر ہی اندر اس کے دل کو چھیلنے لگا۔ وہ ہولے ہولے سر جھکائے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سیڑھیوں پر اسے مس حبیب ملیں۔ شاکنگ پنک بھڑکیلے لباس میں پرس جھلاتی وہ کہیں جارہی تھیں۔

"تم گئیں نہیں ندیا!"

"نو میڈم میں نے سوچا یہاں رہ کر پڑھوں گی، آپ کہاں جارہی ہیں؟"

"ایک فرینڈ کے پاس۔ تم بھی گھوم آؤ کہیں، وہ تمہارا کزن بھی تو ہے،اسی کے ساتھ سیر تفریح کر آؤ۔"

"جی۔" اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرت سی اتر کر معدوم ہو گئی۔

"کوئی چانس ملتا ہے تو اسے مس مت کرو۔ میرے تجربوں سے فائدہ اٹھاؤ۔"

اس کا جی چاہا، وہ ان سے پوچھے کہ کیا وہ شوخ رنگ کے کپڑے پہن کر اور تیز گلابی لپ اسٹک لگا کر کسی چانس کی تلاش میں جارہی ہیں۔ مگر وہ پلٹ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ یہ مسز حبیب بھی عجیب تھیں۔

رات کو دیواریں انہیں پیستی تھیں۔

کمرے کی چھت ان پر آگرتی تھی۔

اور صبح خوب چیخ چیخ کر وہ لڑکیوں کو ڈانٹتی پھرتیں۔ گیٹ کے پاس کھڑے دیکھتیں تو ایسی ایسی باتیں سناتیں کہ آدمی ڈوب کر مر جائے۔ کسی کو بہت ضروری شاپنگ کرنی

بھی ہوتی تو ہزار باتوں کے بعد پاس دیتیں۔

دس ہزار گھڑی گھڑائی کہانیاں ان کے پاس ریڈی میڈ تیار رہتی تھیں۔ ہوسٹل کی لڑکیاں ان کے خوف سے تھر تھر کانپتیں لیکن کبھی کبھی ان کا یہ ملمع اتر جاتا اور پھر وہ انہیں بوائے فرینڈز بنانے کے مشورے دیتیں اور......

اللہ یہ انسانی فطرت بھی کیا چیز ہے اور آدمی کی نفسیات کو سمجھنا کتنا مشکل اور شاید تنہائی اور اکیلا پن آدمی کو ایسا ہی بنا دیتا ہے۔ اتنا ہی پیچیدہ اور عجیب جتنی کہ مس حبیب ہیں لیکن شاید جب آدمی کو محبت نہ ملے۔

کوئی چاہنے والا۔

خوشیوں میں شریک ہونے والا۔

اور دکھوں کو شیئر کرنے والا نہ ہو تو شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور میں......

کیا میں بھی مس حبیب کی طرح ہو جاؤں گی۔

میرے چاہنے والے، مجھ سے محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ ماما پاپا نے بچپن سے ہی مجھے الگ کر دیا تھا۔

اپنی محبتوں سے اپنی چاہتوں سے دور۔

بی جان تھیں۔

جو چلی گئیں۔

پھر آنٹی نے ان کی جگہ لینی چاہی اور اب سنی ماموں تھے جو آنٹی کے بعد کھو گئے تھے۔ اپنے آپ میں گم ہو گئے تھے۔ وہ انہیں اپنا دوست سمجھتی تھی۔ مگر......

شیر دل تھا۔ پھوپھو تھیں۔ ان کے دوسرے بچے تھے مگر ان سب کے باوجود شاید اسے وہ محبت کہیں نہیں ملی تھی جو اس کے اندر چھائے اداسی کے غبار کو دھو دیتی۔

"تو کیا کبھی مجھے بھی مس حبیب کی طرح محسوس ہو گا کہ دیواریں مجھے پیس رہی ہیں؟" وہ خود سے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔" اس نے خود کو یقین دلایا۔ "میری عمر ابھی اٹھارہ سال ہے اور میرے سامنے تو ایک عمر پڑی ہے اور کہیں کوئی تو ہو گا جو مجھے چاہے گا جس کے دل میں میرے لئے بے تحاشا محبتیں ہوں گی، ہاں محبت ایک بڑی خوبصورت چیز ہے روح میں اتر جانے والے کسی بہت ہی حسین جذبے کا نام۔"

اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اعتراف کیا اور اٹھارہ سالہ نادرہ مومن نے اس لمحے اپنے دل کے سارے دروازے، ساری کھڑکیاں کھول کر ہر دروازے، ہر کھڑکی، ہر روشندان پر انتظار کا دیا جلا کر رکھ دیا۔

کسی بہت ہی اچھے، بہت ہی پیارے شخص کا انتظار کرنے کیلئے۔

جس کی محبت اس کی عمر بھر کی تشنگی کو ختم کر دے۔ جس کی محبت میں ایک وقار ہو۔ ایک بہت ہی مختلف، بہت ہی میچور قسم کی محبت جس میں چھچھورا پن نہ ہو۔ جو گھٹیا نہ ہو، تفریح نہ لگے۔ ایسی محبت جو آدمی کو خود اپنی نظروں میں بلند کر دے اونچا کر دے۔

اور چند لمحے پہلے کی اداسی یکا یک آپوں آپ ختم ہو گئی۔ اس نے اونچی آواز میں ٹیپ لگا دی اور اپنی کتابیں درست کرنے لگی۔ بہت دیر تک وہ گانے سنتی رہی اور اپنے نوٹس ترتیب دیتی رہی۔ چائے پینے بھی وہ نہیں گئی۔ کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر لائٹ جلا دی۔ تب ہی بابا شفیق نے دروازے پر دستک دی۔

"آپ کے مہمان جی۔" اس نے چٹ آگے بڑھائی۔

نادرہ مومن روم نمبر بتیس، مبشر حسن!

اس نے دھڑکتے دل سے چٹ تھام لی، پتا نہیں کیوں اس شخص کے سامنے وہ گھبرا جاتی تھی۔ عجیب سی بے چینی اور بے کلی محسوس ہوتی تھی اسے۔ دھڑکتے دل کو

سنبھالے وہ نیچے اتری۔ گیٹ کے پاس تھری پیس سوٹ میں بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" اس کا لہجہ گھمبیر اور ٹھہرا ٹھہرا سا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔"

"ادھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ کی خیریت کی خبر لیتا جاؤں۔" اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

نادرہ کی پلکیں جھک گئیں۔ لمحہ بھر مبشر حسن کی نظریں اس کے چہرے پر ٹکی رہیں پھر اس نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"آپ کی وہ منکر نکیر کہاں ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ گھر گئی ہیں۔ کالج بند ہے نا۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"آپ نہیں گئیں؟" اس کی نگاہوں نے پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"نہیں۔"

کیوں؟"

"بس یوں ہی دل نہیں چاہا۔"

"دل کیوں نہیں چاہا؟"

"ضروری نہیں کہ ہر بات کا کوئی جواز ہو سر! بعض اوقات یونہی بغیر کسی جواز کے بھی کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے۔" اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔

"آل رائیٹ میڈم! اگر آپ کا دل چاہے تو اس وقت ڈرائیور پر چلیں۔ ذرا آؤٹنگ ہو جائے گی، میرے خیال میں اس وقت تقریباً ہوسٹل خالی ہے۔"

"ہاں۔" اس نے مڑ کر دیکھا، صرف چند کمروں میں لائٹیں جل رہی تھیں۔

"مگر اس وقت میڈم بھی نہیں ہیں۔"

وہ ہچکچا رہی تھی لیکن اس کی بات سنے بغیر اس نے بابا شفیق کو بلایا۔

"ان کو کچھ ضروری شاپنگ کروانی ہے۔ لے کر جا رہا ہوں۔"

"پاس ہے۔" بابا نے فرض نبھایا۔

"ہاں...... کمرے میں ہے۔" پاس تو صبح ہی اس نے لے لیا تھا کہ کیا پتا دل نہ لگے اور وہ اسلام آباد یا پھوپھو کے پاس چلی جائے۔

"رہنے دو بابا ابھی تو آ جاؤں گا۔"

"آپ گھر نہیں جائیں گی؟" شفیق بابا نے پوچھا۔

"نہیں صبح جائیں گی۔ اس وقت شاپنگ کریں گی کچھ۔" اس نے مڑ کر نادرہ کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "چلیں۔"

وہ سحر زدہ سی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی۔ وہ آنا نہیں چاہتی تھی لیکن انکار بھی نہ کر سکی۔

"ادھر آ جائیں پلیز!" اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ لمحہ بھر یونہی کھڑی رہی۔

"پلیز۔" اس نے دوبارہ کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

پتا نہیں، وہ کون سی خوشبو لگاتا تھا جو اسے مسحور کیے دے رہی تھی، پھر اس کا دھیما دھیما ٹھہر ٹھہرا لہجہ، وہ مسحور سی بیٹھی رہی اور وہ یونہی باتیں کرتا رہا۔ اس کی اسٹڈی کے بارے میں اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کے بارے میں۔

"اخبار سے اکثر آپ کی کامیابیوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔"

"اچھا۔" اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی کہ وہ اخبار میں کالج فنکشنز کے بارے میں چھپنے والی رپورٹ بھی پڑھتا ہے۔

"آپ میں بہت ٹیلنٹ ہے۔"

"شکریہ سر۔"

"کیا ارادے ہیں بی اے کے بعد؟"

"پتا نہیں، ابھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ سنی ماموں سے پوچھوں گی۔"

"کیوں آپ کی اپنی کوئی رائے نہیں؟" اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"جی۔" وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر گھبرا گئی۔

"اب آپ بڑی ہو گئی ہیں، اپنے فیصلے خود کیا کریں۔" وہ پھر سامنے دیکھنے لگا۔

ہاں، وہ بڑی ہو گئی تھی آج شام، آج شام ہی تو اس کے دل میں ایک بڑی انہونی سی خواہش نے جنم لیا تھا۔ چاہے جانے کی خواہش، محبت کی طلب نے۔

تھوڑی دیر وہ یونہی گھومتے رہے پھر یونہی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے کباب کھائے اور کوک پی۔ ہوسٹل کے گیٹ پر اتارتے ہوئے وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"شکریہ اس کمپنی کا۔ میں آج بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ آپ نے میری تنہائی کو شیئر کیا تھینکس مچ۔"

پھر وہ تیزی سے گاڑی نکال لے گیا۔ وہ لمحہ بھر ششدر سی کھڑی رہی۔ پھر سر جھٹک کر گیٹ میں داخل ہو گئی۔

مسز نواز شاید ابھی کچھ دیر پہلے آئی تھیں اور بابا شفیق سے بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ پھر چلا کر بولیں۔ "ادھر آؤ لڑکی!"

"جی۔" وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"یہ تم ہو ندیا۔"

یونین میں ہونے کی وجہ سے سب ہی اسے جانتے تھے اور لحاظ کرتے تھے۔ مسز نواز نے بھی اسے ڈانٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اتنی دیر تک باہر نہ رہا کرو۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"بس میڈم! وہ ذرا دیر سے ہی گئی تھی کچھ کام تھا۔"

"اور یہ مس حبیب کب سے غائب ہیں، اچھی ذمے دار ہیں۔ بھائی میں نہیں تھی تو انہیں اس طرح ہوسٹل میں چند لڑکیوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"شام کو ہی گئی تھیں میڈم وہ۔"

"اچھا بھئی، تم لوگ بھی چلے جایا کرو چھٹیوں میں گھر۔" وہ آگے بڑھیں تو اچانک اسے یاد آیا۔

"میڈم وہ۔ وہ آئے تھے آپ کے بیٹے۔"

"کیا؟" مسز نواز یکدم اس کی طرف پلٹیں۔

"جی، وہ آپ کے بیٹے۔ کہہ رہے تھے بتا دیا انہیں۔"

"مظہر...... مظہر آیا تھا؟" انکی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"نام تو نہیں بتایا تھا لیکن کہا تھا آپکا بیٹا ہوں۔" وہ ایک قدم اٹھا کر ان کے قریب آ گئی۔ گیٹ کے قریب جلنے والے بلب کی روشنی میں ان کا چہرہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ بار بار رنگ بدلتا۔ جگہ جگہ سے چٹختا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"جی، میں یہاں تھی، ادھر کھڑی ہوئی تو وہ اندر آ گئے تھے۔ میں نے بتایا کہ آپ نہیں ہیں۔ بیٹے کے گھر گئی ہوئی ہیں۔"

انکا چہرہ یکدم سیاہ پڑ گیا اور آنکھیں جھلملانے لگیں لیکن فوراً ہی وہ مسکرا دیں۔

"ہاں...... ہاں مظہر ہی ہوگا۔ میں ذرا اپنی دوست کے گھر چلی گئی تھی نا۔ تو اس نے سمجھا ہوگا ہوسٹل آ گئی ہوں۔ بہت پیار کرتا ہے مجھ سے۔ جب جاتی ہوں آنے نہیں دیتا۔ کہتا ہے۔ بس ممی آپ میرے پاس رہیں اور چھوڑیں، یہ نوکری وغیرہ مگر کیا کروں گھر میں دل گھبراتا ہے۔ عادت نہیں ہے اس طرح بیٹھنے کی۔" ان کی آواز

بھرائی ہوئی تھی لیکن وہ بڑی ہنس ہنس کر بات کر رہی تھیں۔

'آپ کو کیا پتا میڈم! آپ کا یہ بہت اچھا بیٹا آپ کا بھرم توڑ گیا ہے جسے آپ اپنی دانست میں اب تک قائم رکھے ہوئے ہیں' اس نے بڑی دل گرفتگی سے سوچا۔'

"سنو۔" چلتے چلتے اچانک انہوں نے پوچھا۔

"یہ مس حبیب تو نہیں تھیں ادھر، اس وقت جب مظہر آیا تھا۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ مس حبیب سے تو نہیں ملا نا۔"

"نہیں میڈم!"

اور ان کے چہرے پر پھیلا اضطراب قدرے کم ہو گیا۔

"بھئی، تم لوگوں کو ڈر لگے نا تو جو چھ سات لڑکیاں ہو نا ایک ہی کمرے میں سو جانا۔" اپنے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"نو میڈم ڈر کیسا۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

لمحہ بھر کو تو کمرے کے سناٹے سے اس کا دل خوف کھا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اونچی آواز میں ٹیپ لگا دی۔

رات کو دیر سے سوئی تھی اس لئے صبح دیر سے اٹھی۔ فاطمہ زبیری اس کا ناشتا کمرے میں رکھ گئی تھی۔ وہ تقریباً نو بجے تک سوتی رہی۔ نو بجے فاطمہ نے ہی اسے اٹھایا تھا۔

"تم ابھی تک سو رہی ہو اور تمہارے انکل تمہیں لینے بھی آ گئے ہیں۔"

"سنی ماموں! اس نے بے حد حیرت سے سوچا۔ بھلا انہیں کیسے پتا چلا کہ میری چھٹیاں ہو گئی ہیں۔

وہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر نیچے کی طرف بھاگی لیکن وہاں مبشر حسن کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔

"آپ!"

"بی بی، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ جائیں بیگ لے آئیں جلدی سے۔"

"مگر میں آپ کے ساتھ کس طرح جاسکتی ہوں؟" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"جیسے پہلے جاتی رہی ہیں۔"

"مگر آپ تو بیگ لانے کا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں، وہ تو کہہ رہا ہوں۔" وہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"کیا آپ اسلام آباد جا رہے ہیں سنی ماموں کے پاس؟"

"اگر آپ کہتی ہیں تو اسلام آباد بھی لے جاؤں گا مگر اس وقت آپ کو گھر سے لے جا رہا ہوں۔"

"گھر۔" اس نے نگاہیں اٹھائیں تو وہ بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سوری سر! میں آپ کے گھر کس طرح جاسکتی ہوں۔ آپ وہاں اکیلے رہتے ہیں۔"

"ہاں، یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ میں اکیلا رہتا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"پھر۔" اس نے سوالیہ نظروں سے سے دیکھا۔

"آپ بیٹھیں کوک منگواؤں۔" نادرہ نے کہا۔

"نہیں۔" اس کے لب بھنچ گئے اور پیشانی پر لکیروں کا جال سا بن گیا۔ "آپ مجھے بیوقوف سمجھتی ہیں بی بی۔"

وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"میں آپ کو اپنی والدہ کے گھر لے جا رہا ہوں۔ بہنیں ہیں وہاں میری، یہاں اکیلی رہ کر کیا کریں گی۔ جائیں اپنا سامان لے آئیں۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔ ایک بار تو اس کا جی چاہا وہ انکار کر دے لیکن پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔

وہ اسے والدہ کے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ وہاں اس گھر میں اسکی والدہ کے علاوہ اس کی دو بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی تھا۔ سب لوگ اس سے بڑی محبت سے ملے۔ اس کی والدہ تو سنی ماموں کو یاد کرتی رہیں۔ انہیں آنٹی کی بے وقت موت کا بہت دکھ تھا۔ وہاں اس کا وقت بہت اچھا گزرا لیکن مبشر حسن تو شاید اسے وہاں چھوڑ کر بھول ہی گئے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر ان کا انتظار کرتی رہی تھی۔ چوتھے دن اس نے اپنا سامان سمیٹا۔

"میں اب جاؤں گی آنٹی، مدثر کو کہیں مجھے ہوسٹل چھوڑ آئے۔"

"ارے بیٹی، موبی آجاتا تو خود ہی لے جاتا تمہیں۔"

"نہیں آنٹی کل تو کالج کھل جائیں گے۔"

"عجیب بے پروا لڑکا ہے، پھر مڑ کر خبر ہی نہیں لی۔" وہ خود ہی بڑبڑائیں۔ "جب سے ہما گئی ہے اور بھی بے خبر ہو گیا ہے۔ ہزار بار کہا اب اکیلے ہو، ادھر ہی آجاؤ، مگر نہیں مانتا، مانا ہماری مرضی شامل نہیں تھی اس کی شادی میں لیکن ہم نے منع بھی نہیں کیا۔ پر عقیدوں کا فرق بڑا فرق ہوتا ہے۔ خود ہی چھوڑ گئی۔ مگر اس نے روگ لگالیا ہے خود کو...... وہاں اتنے بڑے گھر میں اکیلا رہتا ہے۔"

وہ آپ ہی آپ بولتی رہیں وہ چپ سر جھکائے سنتی رہی۔ تب ہی مدثر آگیا۔

"آئیں باجی، میں رکشا لے آیا ہوں۔"

اور وہ مدثر کے ساتھ واپس آگئی۔ ایک دو روز تک اسے افسوس سا ہوتا رہا کہ وہ پھر نہیں آیا تھا لیکن پھر وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی...... اور اس کا خیال اس کے ذہن سے جاتا رہا لیکن وہ جو اس شام اس نے اپنے دل کے دروازوں پر انتظار کے دیئے جلائے تھے وہ اسی آب و تاب سے جل رہے تھے۔ رات کو جب وہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں موندتی تو ایک دھندلی سی شبیہہ اس کے تصور میں چلی آتی۔

پتا نہیں کون ہو گا وہ جو اس کے اندر کے خلا کو پر کرے گا اور جو اس کے دل پر

چھائے اداسی کے اس نامعلوم غبار کو دھو دے گا۔ وہ آنکھیں موندے موندے سوچتی، کوئی تو ہو گا۔ خلوص وصدق ووفا کا پیکر۔

جو۔

مجھے مژدہ جانفزا دے۔

کوئی تو ہو گا۔

ایک امید کا چراغ اس کی آنکھوں میں جلنے لگا تھا۔

"اے لڑکی!" ایک روز کرن نے اس کی آنکھوں میں جلتے چراغوں کو دیکھ کر کہا۔

"تجھے کسی سے محبت تو نہیں ہو گئی؟"

"نہیں۔" وہ ہنس دی۔ "لیکن کرن میں محبت کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو کر لو اجازت ہے۔" اس نے فراخدلی سے کہا۔ "مگر کس سے، شیر دل سے؟"

"نہیں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "شیر دل نہیں۔"

"پھر کون؟"

"پتا نہیں۔ مگر وہ جو کوئی بھی ہو گا کرن، وہ عام لوگوں سے مختلف ہو گا۔ اس کی محبت اس طرح چھچھوری محبت نہیں ہو گی، جس طرح فلموں اور کہانیوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ بڑی میچور محبت ہوئی۔ بہت مختلف۔ اس کی محبت میں ایک وقار ہو گا مگر اس وقار کے باوجود وہ مجھے ٹوٹ کر چاہے گا۔ اتنا کہ دنیا میں کسی نے کسی کو نہ چاہا ہو گا اور میں بھی۔ میں بھی اسے۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں بلکہ......"

"آنکھوں آنکھوں میں معاملات طے کئے جائیں گے۔" کرن شرارت سے آنکھیں گھما رہی تھی۔

"مذاق نہیں کرن، میں سنجیدہ ہوں۔"

"رئیلی ندو! تم سنجیدہ ہو۔"

"ہاں۔"

کرن لمحہ بھر اسے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "ندیا! کبھی کبھی تمہاری باتیں مجھے ڈرا دیتی ہیں۔ تم اتنی مختلف مت بنو کہ کہیں ایڈجسٹ ہی نہ ہو پاؤ۔"

"کیوں کیا میں تمہارے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو پائی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میں اپنی بات نہیں کر رہی ندو! دنیا کی بات کر رہی ہوں۔ شیر دل اچھا لڑکا ہے۔ وہ خوبصورت......"

"نہیں کرن! پتا نہیں کیوں۔ میں نے شیر دل کے لئے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ یوں بھی وہ تو تم......"

"میں...... میں تو یونہی مذاق کرتی ہوں۔" کرن نے گھبرا کر اس کی بات کاٹی۔

"ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو کرن!"

"کیا؟" کرن نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔

"کیا تمہیں شیر دل اچھا نہیں لگتا؟"

"بھئی، وہ اچھا ہے تو اچھا ہی لگے گا نا۔" کرن نے کہا لیکن اس کے رخسار شفق رنگ ہو رہے تھے۔

"کرن! میں شیر دل سے اتنی بے تکلف تو نہیں ہوں لیکن پھر بھی اس سے بات کروں گی کہ کسی دن اور پھوپھو سے بھی کہوں گی۔ مجھے پتا ہے تم اس سے محبت کرنے لگی ہو۔"

"محبت --- پتا نہیں ندیا- لیکن اکثر میں نے سوچا ہے کہ زندگی کے سفر میں اگر وہ میرا ہمسفر بن جائے تو زندگی بڑی سہل ہو جائے گی بہت خوبصورت اور حسین۔"

"آئی۔ وش۔ یو۔ ٹو گڈ لک۔" نادرہ نے پورے خلوص سے اسے دعا دی اور سوچا

کہ وہ شیر دل سے کرن کی بات ضرور کرے گی۔

مگر اس روز کے بعد شیر دل آیا ہی نہیں۔ اس روز بھی وہ شیر دل کے خیال سے نیچے چلی آئی تھی، وزیٹنگ ڈے تھا۔ لڑکیاں ادھر ادھر لان میں اپنے اپنے عزیزوں کے پاس بیٹھی کھلتے چہروں اور مسکراتی آنکھوں سے باتیں کر رہی تھیں۔

کاش! اسے بھی کوئی ملنے آجائے اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوچا۔ کتنے سارے دنوں سے کوئی اسے ملنے نہیں آیا تھا نہ سنی ماموں اور نہ شیر دل۔

'شیر دل کو خدا جانے کیا ہوا تھا شاید گاؤں چلا گیا ہو گا۔

ماما پاپا کا بھی بہت دنوں سے نہ فون آیا تھا نہ خط۔

چنبیلی کے جھنڈ میں اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھتے بیٹھتے اس کی نگاہ گیٹ کی طرف اٹھی۔ مبشر حسن، بابا شفیق کے پاس کھڑا شاید اسے بلانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی کتنے سارے دنوں کے بعد وہ آیا تھا۔ جب وہ اسے بھلا چکی ہوتی تو وہ پھر آجاتا یونہی اچانک غیر متوقع۔ آج وہ شیر دل کا انتظار کر رہی تھی مبشر حسن نے بھی اسے دیکھ لیا اور وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس کے پاس آگیا۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" اس نے وہی مخصوص لہجے میں پوچھا۔

"جی ٹھیک ہوں......"

"ادھر سے گزر رہا تھا......"

"سوچا، آپ کی خیریت معلوم کرتا ہوں۔" نادرہ نے بالکل غیر ارادی طور پر اس کی بات مکمل کر دی تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"سوری بی بی! ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب کبھی آپ کے ہوسٹل کے سامنے سے گزرتا ہوں تو آپ کا خیال آجاتا ہے۔ ورنہ میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ......"

"میں گلہ تو نہیں کر رہی۔"

"نہیں آپ گلہ کریں۔ بلکہ آپکو مجھ سے ناراض ہونا چاہئے تھا کہ میں آپ کو امی کے پاس چھوڑ کے پھر گیا ہی نہیں۔ بور تو نہیں ہوئی تھیں آپ وہاں"

"نہیں۔" اس کو واقعی اپنے یوں نظر انداز کر دیئے جانے پر افسوس ہوا تھا لیکن اب وہ اس سے کیا کہتی۔

"آپ کی امی اور بہنیں بہت اچھی ہیں اچھا وقت گزرا، مدثر بھی پیارا بچہ ہے۔"

"ہاں، میں ہی بدنصیب ہوں جو ان کی محبتوں سے فیض یاب نہیں ہو پاتا۔" اس نے زیر لب کہا اور پھر نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ "آپ ناراض ہوں یا نہیں لیکن مجھے تو سوری کرنا چاہئے نا دراصل آپ کو پتا ہے نا، میں نے اپنی ایک تھیٹر کمپنی بنا رکھی ہے۔ اسی کے لئے ڈراما لکھ رہا تھا۔ پھر کرداروں کا چناؤ۔ کریکٹرز پر بحث اور یوں ایک دم سے بزی ہو گیا۔ اب کہیں جا کر سب سیٹ ہوا ہے تو ریہرسل شروع ہوئی ہے۔

"السلام علیکم۔" کرن اور سمیرا اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آگئی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔

سمیرا کوک لے آئی اور کوک پیتے ہوئے وہ تینوں سے باتیں کرتا رہا۔ کرن اپنی فطرت کے مطابق فوراً ہی اس سے بے تکلف ہو گئی تھی اور اس نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ انہیں ریہرسل دکھانے کے لئے اپنے آفس لے جائے گا۔

"آپ کل کالج ٹائم کے بعد اجازت نامہ لے کر رکھیں، میں لے جاؤں گا۔" جاتے جاتے اس نے کہا۔

کرن نے اس کے جانے کے بعد انکشاف کیا۔ "یہ شخص تم سے محبت کرنے کے تذبذب سے گزر رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ چونکی۔

بھئی، یہ جو مبشر حسن صاحب ہیں نا۔ یہ محبت کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے والے ہیں،

لیکن یہ تو پہلی کیا آخری سیڑھی تک چڑھ کر واپس بھی آ چکے ہیں سمیرا نے یاد دلایا۔"

"بھئی، پرانی محبتوں کو گولی مارو۔ یہ ایک نئی محبت کے لئے خود کو تیار کر رہے ہیں۔ اپنی ندیا کے ساتھ۔"

"جھوٹ۔" نادرہ نے یقین سے کہا۔ "ضروری نہیں کہ ہمیشہ تمہارا خیال صحیح ہو۔"

"دیکھ لینا۔" کرن نے کندھے اچکائے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

نادرہ مبشر کے متعلق سوچنے لگی۔ وہ جب بھی اسے ملتا وہ یونہی ڈسٹرب ہو جاتی تھی اور اسے اپنی اس ڈسٹربینس کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ خدا جانے اس کی شخصیت کا سحر تھا یا اس کی آنکھوں کا حزن تھا وہ گھنٹوں اس کے متعلق سوچتی رہتی تھی۔ کیا کرن صحیح کہتی ہے کہ وہ...... کبھی کبھی وہ دیکھتا تو اسی طرح ہے یوں جیسے گردش سے بے خبر ہو گیا ہو اور میں...... کیا میں بھی؟ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا مگر وہاں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ شاید محبت کے لئے ابھی میں کم عمر ہوں۔

اور شاید مبشر حسن وہ شخص نہیں ہے جس کے لئے میں نے اپنے دل کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

❁

"اے کیا سوچنے لگیں؟ سمیرا نے اسے بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

"مبشر حسن؟" کرن کی آنکھوں میں شریر سی چمک تھی۔

"فضول باتیں نہیں کیا کرو کرن!" وہ خفا ہو گئی۔

"ناراض نہیں ہو بھئی۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔ بائی دا وے محبت کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے۔ کیا محبت کی پکار پر لبیک نہیں کہنا چاہئے؟"

"محبت کی پکار۔" اس نے سوچتی نظروں سے کرن کو دیکھا۔ "ہاں، محبت تمہیں بلائے تو اس کے پیچھے ضرور جاؤ چاہے اس کے رستے کٹھن اور دشوار گزار ہی کیوں نہ

ہوں اور اگر وہ تمہیں......"

"بس بس۔" سمیرا نے ہاتھ اٹھایا۔ "ہمیں علم ہو گیا ہے کہ تم نے ہماری عدم موجودگی میں خلیل جبران کو گھول کر پی لیا ہے۔"

"ندو!" کرن نے مصنوعی تشویش سے اسے دیکھا۔ "ایک بات تو بتاؤ یہ تم ہماری غیر حاضری میں مس حبیب کی صحبت میں زیادہ تو نہیں بیٹھنے لگی تھیں؟"

"کیوں؟" اس نے بھویں اچکائیں۔

"یہ محبت کرنے کی خواہش اور یہ تمہارے نظریات میں اتنا زبردست چیلنج۔"

"محبت پانے کی خواہش کس کے دل میں نہیں ہوتی۔ ایک بچے سے لے کر ایک بوڑھے تک کے دل میں یہ چاہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے چاہیں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مس حبیب سے صرف ایک بار ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی۔ "مجھے شیر دل کے ساتھ باہر جانے کا مشورہ دیا تھا۔"

"رئیلی!" کرن اچھل پڑی۔

"سوچ رہی ہوں ان کا مشورہ اچھا تھا۔"

"یہ دھاندلی ہے بھئی۔" کرن نے اسے گھورا۔ "آپ مجھ سے وعدہ کر چکی ہیں۔"

"جی۔" وہ ہنس دی۔

"چلو پھر ذرا مس حبیب کی خیر خبر لے آئیں۔" سمیرا نے تجویز پیش کی۔ تو وہ تینوں مس حبیب کے کمرے کی طرف چل دیں۔

اس نے آخری پیریڈ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسے مبشر کے آفس جانا تھا۔ اس روز وہ ان تینوں کو ریہرسل دکھانے لے گیا تھا۔ ڈراما بالکل نیا اور عام موضوع سے ہٹ کر تھا۔ کام کرنے والے بھی سب ٹی وی کے منجھے ہوئے اداکار تھے۔

"اس سے پہلے ہماری کمپنی نے "الحمرا" سے ایک ڈراما پیش کیا تھا اگرچہ وہ عوامی

سطح پر کامیاب نہیں ہوا تھا لیکن میچور طبقے نے اسے پسند کیا تھا۔ اب یہ میرا دوسرا ڈرامہ ہے۔ میں عوام کو اچھے اور معیاری ڈراموں سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ڈراما بیہودہ اور فضول سے بے معنی مکالموں کا نام نہیں ہے۔"

"مگر شاید پہلے کی طرح اب بھی تمہارا یہ ڈراما کامیاب نہ ہو کیونکہ لوگ وہی بیہودہ مذاق دیکھنا چاہتے ہیں۔ تمہارا یہ اتنا سنجیدہ ڈراما کون دیکھے گا۔" ایک اداکار نے نرمی سے کہا۔

اس نے کندھے اچکائے۔ "نہ دیکھے مگر مجھے ڈرامے سے عشق ہے۔"

پھر وہ مختلف لوگوں کو ان کے کردار سمجھاتا رہا تھا۔

تینوں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اسے ادھر ادھر آتے جاتے دیکھتی رہی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح وہ انہیں لا کر بھول گیا تھا۔ کبھی کبھی کوئی اداکار یا ادارکارہ ان کے پاس آکر بیٹھ جاتی تھی۔ وہاں موجود تقریباً سبھی لڑکیوں نے اس کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی اور اسے ٹی۔وی پر آنے کی دعوت دی تھی۔ ہیروئن کا کردار نورین احمر کر رہی تھی۔

"کیسا لگا آپ کو ڈراما؟" جب وہ انہیں واپس چھوڑنے جا رہا تھا تو اس نے پوچھا۔

"اچھا۔ موضوع بہت خوبصورت اور منفرد ہے، کرداروں کا چناؤ بھی خوب ہے، سبھی اپنی اپنی جگہ حقیقی کردار لگ رہے تھے۔ لیکن نورین احمر کچھ جچی نہیں۔ ایک تو ڈرامے کی ہیروئن سولہ سالہ لڑکی ہے جبکہ نورین احمر کی عمر بہت زیادہ ہے۔ دوسرے ان کی ڈائیلاگ ڈیلیوری بھی کچھ صحیح نہیں تھی۔ چہرہ بالکل سپاٹ یوں لگتا ہے جیسے کسی روبوٹ کے منہ سے جملے نکل رہے ہوں۔ حالانکہ جب وہ کہتی ہے کہ:

"مل جی رہی ہوں۔ پلیز، یہ آگ بجھادو۔ سنو میں تمہیں سب کچھ دے دوں گی۔"

"تو ان سارے مکالموں میں اتنا تاثر ہونا چاہئے تھا کہ دیکھنے والا رو پڑے۔"

"ویری گڈ!" مبشر حسن نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ کا مشاہدہ غضب کا ہے۔"

"آپ سعدیہ رضا کو کیوں نہیں لیتے وہ کم عمر بھی ہے اور اس پر یہ کردار سوٹ بھی کرے گا۔"

"ہاں لیکن وہ آج کل ملک سے باہر ہے۔"

"اپنی ندیا بھی تو غضب کی ایکٹنگ کرتی ہے تین سال سے مسلسل پرائز جیت رہی ہے۔" کرن نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ مناسب ہے، ان سے پوچھ لیں......"

"نہیں۔" اس نے اس کی بات کاٹ دی

"کیوں نہیں؟"

"کیونکہ کالج کی اور بات ہے لیکن تھیٹر میں امپاسیبل ہے۔"

بظاہر بات ختم ہو گئی تھی لیکن چند دن بعد مبشر پھر آ گیا تھا۔

"پلیز ندیا! تم میری آفر پر غور کرو۔ وہ نورین تو خفا ہو کر چلی گئی ہے۔ میں نے کئی لڑکیوں کو آزمایا ہے مگر کوئی بھی میری ڈیمانڈ پر پورا نہیں اترتی۔ میں سنی سے بات کر لیتا ہوں۔"

"سنی ماموں کی بات نہیں ہے سر! میرے پاپا شاید اسے پسند نہ کریں۔ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے مجھے خود سے اس لئے دور کیا ہے کہ میں ایک اچھی مسلمان لڑکی بن سکوں۔"

"تم اپنے پاپا سے بات کرو نا۔ کیا خبر وہ اجازت دے دیں۔"

اور تب ہمیشہ کی طرح وہ اسکے سامنے مجبور ہو گئی۔ اس نے اس کے آفس سے ہی فون کیا لیکن پتا چلا کہ پاپا تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر کہیں تبلیغی دورے پر گئے ہوئے

ہیں۔ تب اس نے انہیں خط لکھ دیا لیکن مبشر بہت مضطرب تھا جانے خط کا جواب کب آئے اس طرح تو بہت وقت ضائع ہو گا۔

"تم پلیز، ریہرسل کے لئے آجایا کرو۔ مجھے یقین ہے تمہارے پاپا انکار نہیں کریں گے اور جب تک ان کی اجازت آئے گی تب ہم ریہرسل مکمل کر لیں گے۔"

اور یوں وہ اس کے آفس جانے لگی تھی۔ اس وقت بھی وہ آخری پیریڈ چھوڑ کر گیٹ کی طرف جا رہی تھی کیونکہ آج مبشر نے اسے جلدی بلایا تھا کہ مسز توفیق نے اسے بلا لیا...... ہمیشہ کی طرح ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ کاٹن کی پرنٹڈ قمیض اور سفید شلوار پہنے ہوئے تھیں۔

"ندیا! ادھر آجاؤ اردو روم میں، یہ میگزین کے لئے ایک مضمون ہے، ذرا اس پر ڈسکس کر لیں۔"

وہ دو سال سے میگزین کی ایڈیٹر چلی آرہی تھی اور مسز توفیق سے اس کی بہت دوستی ہو گئی تھی، وہ ہر موضوع پر بات کرتی تھیں۔ البتہ ان کی ازدواجی زندگی کبھی زیر بحث نہیں آئی تھی ان کے قریب آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ اندر سے کتنی نرم دل اور حساس ہیں وطن کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ پاکستان کو ایک دم سے صف اول کے ملکوں میں لا کھڑا کریں دراصل ان کا پورا خاندان باپ بھائی، ماں، بہنیں سب پاکستان ہجرت کرتے وقت شہید ہو گئے تھے اور وہ اپنے خاندان کی واحد بچی تھیں جو زندہ رہی تھیں۔ اس وقت وہ تقریباً دس سال کی تھیں۔ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے وہ بہت جذباتی ہو جاتی تھیں۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ وہی مسز توفیق ہیں جنہوں نے پہلے روز اپنا تعارف انور خورشید کے نام سے کروایا تھا۔

"یہ مضمون جو تم نے لگایا ہے میرے خیال میں پرنسپل اس پر اعتراض کریں گی۔"

انہوں نے اسے مضمون دیتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں میڈم؟"

"بھئی، مجھے تو پہلے ہی وہ اسلام دشمن سمجھتی ہیں۔ بلکہ سنا ہے وہ مسز نور الدین کو میگزین کا انچارج بنا رہی ہیں۔ اور انہوں نے سارا میٹر مانگا ہے دیکھنے کے لئے میرا خیال ہے، تم اسے ایک نظر دیکھ لو اور اگر کوئی اور مضمون افسانہ اس طرح کا ہے تو اسے نکال دو اور میں نے تمہارا وہ افسانہ بھی نکال دیا ہے جو تم نے نطشے کے اس جملے سے شروع کیا ہے کہ (نعوذ باللہ) آج خدا ....."

"مگر میڈم! اسے آپ نے پورا نہیں پڑھا، وہ بہت زبردست کہانی ہے۔"

"ہاں لیکن کسی اعلیٰ پائے کے ادبی پرچے کے لئے۔ بھئی کیوں میری نوکری کے پیچھے پڑی ہو۔"

"ٹھیک ہے میڈم!" وہ اداس ہو گئی۔ "میں یہ سب مواد ایک بار پھر دیکھ لوں گی۔"

"ابھی دیکھ لو۔ پرنسپل مانگ رہی تھیں۔"

"مگر ابھی تو میں جا رہی ہوں۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"دیکھو ندیا! تمہاری عمر ابھی بہت کم ہے۔ یہ شو بزنس کی دنیا اور وہاں کے لوگ بہت عجیب ہوتے ہیں اور تم بڑی پیاری بچی ہو۔"

"میڈم، وہ میرے ماموں کے دوست ہیں، ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر بیٹھو۔ اکٹھے چلتے ہیں۔ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔"

"تھینک یو میڈم!"

وہ ایک طرف بیٹھ گئی۔ اور سامنے بیٹھی مسز فیروز کو دیکھنے لگی جو اونچا جوڑا بنائے لیو ساری بلیو جوتے اور بلیو سی جرابیں پہنے تھیں ہمیشہ کی طرح مغرور اور اکڑی لگ رہی تھیں۔

"آئیں، چائے پی لیں۔" انہوں نے مسز توفیق کو بلایا۔

"آؤ ندیا، چائے بناؤ اپنے لئے بھی بنانا۔" مسز توفیق نے پیالیاں الماری سے نکال کر ٹیبل پر رکھیں۔

"نو میڈم! تھینکیو میں نہیں پیوں گی آپ کے لئے بناتی ہوں۔" وہ چائے بنانے لگی تب یہ تاج بی بی نے اندر جھانکا۔

"وہ ہنی بابا آئے ہیں۔"

"اچھا بھیج دو۔"

اس نے مڑ کر دیکھا وہ ایک دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔ بڑی بڑی بے تحاشا خوبصورت آنکھیں اور بھیگتی مسوں والا یہ لڑکا۔ مسز فیروز کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"ہیلو ممی!"

"ہیلو!" انہوں نے سرسری نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی، پوری کہانی اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی تھی۔

"بہت عرصے بعد آئے ہو؟"

"جی، میں دادا کے ساتھ باہر چلا گیا تھا اب چھ ماہ سے آیا ہوا ہوں لیکن پہلے کچھ بیمار رہا پھر موقع ہی نہ مل سکا آنے کا۔"

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"بیٹھو گے؟"

"نہیں چلتا ہوں۔" وہ بات کر کے لمحہ بھر رک کر ان کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر ایک دم مڑ گیا۔ اس کی دلکش آنکھوں میں کسی محرومی کے گہرے سائے تھے، چہرے پہ

حزن اور ملال کے بادل تھے۔

"نہیں۔" اس نے اپنے لب بھینچ لئے۔ یہ کیسی ماں ہیں وہ شاید سال بعد یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد آیا ہے مگر انہوں نے کس طرح اجنبیوں کی طرح اس کا سواگت کیا ہے۔ یوں...... یوں جیسے اس کا ان سے کوئی رشتہ نہ ہو، جیسے وہ کوئی غیر متعلق اجنبی لڑکا ہو۔ کتنا روکھا کتنا خشک لہجہ تھا جیسے کسی اسٹوڈنٹ سے بات کر رہی ہوں۔ ہمیشہ کی طرح کوئی چیز اس کے اندر پگھلنے لگی۔ کچھ ٹوٹنے لگا۔ دروازہ کھولتے ہوئے وہ مڑا۔

"میں شاید اب بہت عرصہ نہ آسکوں۔ دادا نے میرا ایڈمیشن امریکہ میں کروا دیا ہے۔ خدا حافظ!"

اسے لگا جیسے وہ چھوٹا سا معصوم سا لڑکا اندر سے ٹوٹ رہا ہے۔ اس کا جی چاہا وہ اٹھے، اسے سینے سے لگائے، پیار کرے۔ اور اس سے کہے اپنی آنکھوں سے محرومی کے یہ بادل ہٹا دو، میں تمہیں...... لیکن وہ باہر چلا گیا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر کھڑی ہو گئی تھی۔ نادم سی ہو کر اس نے مسز فیروز کو دیکھا وہ پہلے کے سے انداز میں ہی چائے کی چسکیاں لے رہی تھیں۔ سپاٹ اور بے جان چہرے کے ساتھ انہیں تو چاہئے تھا وہ اسے بھینچ لیتیں، پیار کرتیں۔ اس کے رخساروں پر اس کی آنکھوں پر، اس کے ہونٹوں پر اور اپنے آنسوؤں سے اس کا چہرہ بگھو ڈالتیں مگر...... کاش! کاش، وہ ان کے دل میں جھانک سکتی، پتا نہیں یہ کیسی دنیا ہے اور یہاں رشتے کیا اہمیت رکھتے ہیں، کیا ہوتے ہیں۔

مامتا کیا ہے۔ محبت کیا ہے۔

مامتا تو کبھی مجبور نہیں ہوتی۔

کسی نے روکا تھا انہیں، کون منع کرنے والا تھا۔ وہ جی بھر کر اسے پیار کرتیں سینے سے لگاتیں، چومتیں۔

اس بچے کے لئے اس کے دل میں درد جاگ اٹھا۔

کاش! وہ اس کے پیچھے جاکر اس کو روک لیتی اور اس کے اس آنسو کو جو باہر نہیں ٹپکا تھا لیکن اس کی آنکھ کے گوشے میں چمک رہا تھا۔ اپنی انگلی سے پونچھ ڈالتی اور اس سے کہتی:

"ہنی بابا۔ مجھے اپنی بہن بنالو۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ مجھے اپنا دوست سمجھ لو۔ ہم ایک دوسرے کی محرومیوں کا ازالہ کریں گے۔"

"چلو بھئی۔" مسز توفیق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑی۔ باہر آکر اس نے چپکے سے منہ موڑ کر اپنے آنسو صاف کئے لیکن مسز توفیق نے اسے دیکھ لیا۔

"بہت چھوٹا سے دل ہے تمہارا اندیا۔"

"میڈم۔" آنسو پھر اس کی آنکھوں میں مچلنے لگے۔

"اتنی حساس مت بنو کہ زندگی تمہارے لئے مشکل ہو جائے۔ یہ دنیا ہے۔ بہت پیارا بچہ ہے مسز فیروز کا۔" انہوں نے مختصر سا تبصرہ کیا۔ "تین سال پہلے پہلی بار ان سے ملنے آیا تھا۔ بچپن میں ہی دادا لے گئے تھے۔ مذہب کا پرابلم تھا شاید۔ اچھا ہے مسز فیروز بھی اس کی جدائی کو اتنا محسوس نہیں کرتیں۔"

"جی۔" وہ خاموشی سے ان کے برابر بیٹھ گئی۔ مسز توفیق خود ہی ڈرائیو کرتی تھیں۔

اور کیا پتا۔ وہ محسوس کرتی ہیں یا نہیں اور اندر کا حال تو خدا ہی جانتا ہے اور جانے کیسے اور کتنی مشکل سے انہوں نے اپنی ممتا کے آگے بند باندھ رکھے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے لئے سوچتی بھی نہ ہوں، اس بچے کے لئے جو ان کا تھا لیکن جو شاید ان کا نہیں تھا۔

وہ عجیب عجیب لایعنی اور اوٹ پٹانگ باتیں سوچتی رہی۔

"بی ایزی!" انہوں نے گاڑی روکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ میرا گھر ہے۔ مبشر صاحب کا آفس تو آگے ہے۔ میں ذرا ڈاکٹر کا نسخہ لے لوں۔ راستے سے

میڈیسن لے لوں گی۔ تم بھی اندر چلو۔"

وہ ان کے پیچھے پیچھے اتر آئی۔ وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لائی تھیں۔ چاروں طرف ریکس میں کتابیں پڑی تھیں۔ بستر پر بھی کتابیں پڑی تھیں۔ وہ کسی خاتون کے بجائے کسی بیچلر مرد کا کمرہ لگ رہا تھا اور بالکل سامنے ماؤزے تنگ کی فل سائز تصویر بھی۔ بڑے سے فریم میں جو زمین سے چھت تک تھا۔ وہ حیران سی تصویر کو دیکھتی رہی۔

"یہ...... یہ تصویر؟" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن مسز توفیق کمرے میں نہیں تھیں۔

اور جب وہ پلٹیں تو وہ خاموش ہی رہی۔ نہ کوئی سوال نہ استفسار۔ وہ تو اس انکشاف کے جھٹکوں کو سہہ رہی تھی۔ پتا نہیں، یہ سارے انکشاف صرف اسی پر ہوتے تھے یا سب پر اسی طرح آگہی وانکشاف کے دروازے کھلتے رہتے ہیں، ہولے ہولے دھیرے دھیرے۔

"چلو۔" انہوں نے ٹیبل پر کتاب کے نیچے دبا نسخہ اٹھایا۔

تب ہی ایک دبلا پتلا منحنی سا شخص اندر داخل ہوا۔ شکل سے وہ کوئی انتہائی شریف اور خاموش طبع سا اسکالر لگتا تھا۔

"توفیق صاحب!" انہوں نے آہستگی سے اسے مطلع کیا یا تعارف کروایا، وہ سمجھ نہ سکی۔ یہ ایک اور جھٹکا تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ ان کے میاں انتہائی خوفناک قسم کے جھگڑالو سے اجڈ گنوار اور جاہل قسم کے آدمی ہوں گے کہ مسز توفیق ان کے حوالے سے پہچانا جانا پسند نہیں کرتیں۔

اس نے سر جھکا کر شائستگی سے سلام کیا اور مسز توفیق کے پیچھے باہر نکل آئی۔

آفس میں بالکل خاموشی تھی۔ اس نے ریسپشن روم میں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔

"کیا ابھی تک کوئی نہیں آیا؟"

"جی، وہ صاحب تو اندر والے کمرے میں ہیں۔" جانے کہاں سے نصیر انکل کر اس

کے سامنے آگیا۔

"اور باقی لوگ؟"

"وہ تو ابھی نہیں آئے جی۔"

"اچھا۔"

وہ چھوٹے سے ہال سے گزر کر اس کمرے کے سامنے جا کر لمحہ بھر کو رکی جو مبشر کا ذاتی کمرہ تھا۔ مبشر نے اسے بتایا تھا کہ کبھی جب اس کا گھر جانے کو دل نہ چاہے تو وہ یہیں سو جاتا ہے۔ اس نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا۔ اندر سے ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی، شاید مبشر حسن دھیمے سروں میں گنگنا رہے تھے۔

کس سے کہوں کہ آج میرے ساتھ آ کے پی۔
اتریں گے کس کے حلق سے دلخراش گھونٹ۔
کس سے کہوں کہ آج......

آواز میں بڑا سوز اور درد تھا۔ لمحہ بھر ٹھہر کر اس نے دستک دی۔

"آجاؤ۔" بھاری سی آواز آئی۔

اس نے دروازہ کھولا، سامنے ہی آرام کرسی پر آنکھیں موندے مبشر حسن نیم دراز تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر گلاس میں کوئی مشروب تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے اسے دیکھا۔ نادرہ نے دیکھا اسکی آنکھیں ایک دم سرخ ہو رہی تھیں۔

"سر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"ہاں۔" وہ سیدھا ہو گیا اور میز پر پڑا ہوا گلاس اٹھا کر اس نے دراز میں رکھ دیا اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"سوری، میں تمہیں انفارم نہ کر سکا کہ آج ریہرسل نہیں ہو گی۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔"

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"پاپا کا جواب آیا؟"

"نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور نگاہیں جھکا لیں کیونکہ اس کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، وارفتگی لئے۔

بے چینی سے اس نے پہلو بدلا تو چونک کر اس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"سنو اگر ناگوار نہ ہو تو کپ بورڈ میں کافی بنانے کا سارا سامان ہے۔" پلیز۔

"جی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جب اس کی طرف پیٹھ کئے وہ کافی بنا رہی تھی تو جیسے کسی نے بہت نرمی سے اسے پکارا۔

"نادرہ!"

یوں اس طرح اس کا نام لے کر کسی نے پہلی بار اسے پکارا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا لیکن مبشر حسن آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھا تھا۔

"شاید مجھے وہم ہوا ہے۔ وہ پھر پلٹ کر چائے بنانے لگی۔

"نادرہ! سنو۔ تم نے اپنی آنکھوں میں خوابوں کے جو خزانے چھپا رکھے ہیں۔ انہیں میرے نام کر دو۔"

یکبارگی اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ لمحہ بھر وہ یونہی ساکت کھڑی رہی پھر بڑی آہستگی سے وہ مڑی، وہ آنکھیں کھولے بہت اشتیاق اور وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ ہولے سے مسکرایا اور پھر نگاہیں اس پر سے ہٹا لیں۔

کافی بناتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ نگاہیں جھکائے جھکائے اس نے پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔

"نادرہ! اگر تمہارے پاپا نے اجازت نہ دی تو پھر بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

چند لمحے پہلے والا تاثر اب اس کے چہرے پر کہیں نہیں تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھیں بے رنگ تھیں۔ کسی جذبے، کسی محبت، کسی خوشی کا رنگ ان میں نہ تھا وہی ملال کے دھندلے دھندلے سائے ان خوبصورت آنکھوں کی جھیلوں کو چھپائے ہوئے تھے۔

اسے اپنی سماعت بے اعتبار سی لگنے لگی۔

"ہاں نادرہ! تو کیا کریں گے پھر ہم؟"

"آپ...... آپ کسی اور لڑکی کو دیکھیں نا۔"

"کوئی لڑکی میرے معیار پر نہیں اترتی تم بہت ڈوب کر مکالمے بولتی ہو۔"

"اور کافی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تھینکس۔ نادرہ۔"

"آپ مجھے نادرہ کہہ کر بلا رہے ہیں، یہ نام آپ کو مشکل نہیں لگا۔ بھاری بھرکم سا نادرہ شاہ درّانی کی طرح۔"

"نہیں، یہ نام تو مجھے بالکل پھولوں کی طرح لگا، انار کے پھولوں کی طرح تمہیں پتا ہے انار کلی کا نام؟"

"ہاں۔" اس نے آج سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ انار کلی کا نام بھی نادرہ تھا اور انار کلی، انار کلی تو محروم محبت تھی، کیا میں بھی...... نہیں...... اس نے کپکپی سی لی۔

"کیا سوچنے لگی ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"پاگل ہو تم! ناموں سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارے سامنے تو ابھی ایک عمر پڑی ہے۔ بہت خوشیاں ملیں گی تمہیں۔"

وہ شاید اس کے اندر جھانک رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ ایک طمانیت بھری مسکراہٹ،

کافی پینے کے بعد وہ اسے لمبی ڈرائیو پر ساتھ لے گیا۔ گاڑی کھڑی کر کے وہ کچھ دیر راوی کے کنارے ٹہلتے رہے۔ انہوں نے آئس کریم کھائی۔ ماڈل ٹاؤن کی مخصوص دکان سے کباب کھائے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ سنی ماموں کی باتیں، ڈرامے کی باتیں، اس کی پڑھائی اور مستقبل کی باتیں۔ لیکن وہ ایک بات جو اس کے کان دوبارہ سننا چاہتے تھے وہ جسے کر کے بھول گیا تھا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے کبھی کبھی وہ گنگنانے لگتا۔

"کس سے کہوں......"

اور پھر ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگتا۔ کالج گیٹ پر اسے اتارتے ہوئے اس نے تھوڑا اس اس کی طرف جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

"تمہارا بہت شکریہ نادرہ! آج میں بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ اگر تم نہ آتیں تو شاید تنہائی مجھے ڈس لیتی۔" اور پھر ہمیشہ کی طرح وہ گاڑی آگے نکال لے گیا۔

اس روز جب وہ بیڈ پر لیٹی تو اس کے کانوں میں ایک ہی جملہ بار بار گونج رہا تھا۔

"نادرہ، خوابوں کے جو خزانے تم نے اپنی آنکھوں......"

اور پھر یونہی لیٹے لیٹے اس پر انکشاف ہوا کہ اس کے دل کے دروازوں پر جلتے چراغوں کی لو تیز ہو گئی ہے اور کوئی شخص ان کھلے دروازوں سے اندر آ گیا ہے۔

"نہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "میں ابھی...... ابھی میں محبت کا بار نہیں برداشت کر سکتی ابھی۔"

"محبت بار تو نہیں، یہ تو ایک بڑا لطیف جذبہ ہے۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

'لیکن یہ شخص۔'

دوسروں سے مختلف، باوقار اور پر سحر سی شخصیت والا۔ جس کی محبت میں بھی ایک وقار ہو گا ایک میچور محبت جس میں چھچھورا پن نہیں ہو گا۔

"لیکن کیا یہی محبت ہے؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

"ہاں، یہی محبت ہے۔"

مبشر حسن دل کے چوپٹ کھلے دروازے پر کھڑا ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔ یکدم اس کا دل بھر آیا۔ آج کا دن بہت تھکا دینے والا تھا۔ انکشافات سے بھرا ہوا۔ اسے دکھ دینے والا اور اسے مالا مال کر دینے والا بھی۔

اس نے تکیئے پر سر رکھ دیا اور آنسو خود بخود تکیئے کو بھگونے لگے۔ جانے یہ آنسو کس بات پر آئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح وہ یونہی بے جواز، بے وجہ روتے روتے سو گئی۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ پاپا نے اسے اجازت نہیں دی تھی۔ مبشر حسن کو اس بات کا بہت دکھ تھا لیکن اس نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔

"شاید تمہارے پاپا ٹھیک کہتے ہیں، تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہیں تو چھپا کر رکھنا چاہیے۔"

اور اس کا دل دھڑک دھڑک کر جیسے باہر آنے لگا تھا لیکن وہ تو یونہی چپکے سے، ہولے سے کوئی بات کہہ کر بالکل انجان بن جاتا تھا۔

نئی لڑکی عندلیب ایک کالج کی اسٹوڈنٹ تھی، خوش شکل تھی اور اسے ایکٹنگ کا بہت شوق تھا۔ مبشر نے نادرہ سے درخواست کی تھی کہ کبھی کبھی اگر اسے فرصت ملے تو وہ آجایا کرے۔

سو وہ کبھی کبھی چلی جاتی تھی۔ اس روز بھی یونہی بیٹھے بیٹھے اس کا دل چاہا تو وہ کرن کو ساتھ لے کر ہوسٹل سے نکل گئی۔ ریہرسل ہو رہی تھی۔ نئی لڑکی وسط میں کھڑی تھی۔

مبشر اسے دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔

"نادرہ! اسے بتاؤ، یہاں اس سین میں اسے کس طرح انٹری کرنی ہے۔ کس طرح ایکشن دینے ہیں اور چہرے کے تاثرات کیسے ہوں۔"

"ہیلو مس مومن!" ڈرامے کا ہیرو جہاں زیب مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو مبشر نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا۔

"زیب! تم اپنا جو مکالمہ بھول گئے ہو اسے یاد کرو مس مومن سے پھر بات کرنا۔"

مبشر، نادرہ کی متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "ہاں تو نادرہ، اسے بتاؤ۔"

نادرہ مسکراتی ہوئی کمرے کے وسط میں آئی۔ لمحہ بھر کچھ سوچتی رہی۔ عندلیب ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے عندلیب کی طرف دیکھا۔ پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اپنا سر گھٹنوں پر رکھ دیا لمحہ بھر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کے لب بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں عجیب سی ویرانی اتر آئی تھی۔

"اور تم۔" اس نے کھوجتی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ "اور تم۔"

اس کی آواز میں آنسو گھل گئے۔

"مجھ سے ڈر گئے۔"

وہ ہنسی، عجیب سی ہنسی۔

"حالانکہ میں تو...... میں تو"

وہ ایک دم کھڑی ہو کر تتلی کی طرح گھومی اور وسط میں کھڑی ہو گئی وہ ہولے ہولے لہرا رہی تھی جیسے اپنا بوجھ سہارنے سے قاصر ہو۔

"اور تم محبت سے ڈر گئے۔"

وہ دوبارہ ہنسنے لگی۔ ہذیانی ہنسی، پھر یکایک وہ اپنے قدم زمین پر جما کر کھڑی ہو گئی اور یوں حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے ابھی چند منٹ پہلے جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اور کر رہی تھی اس سے بالکل بے خبر ہو۔

"بس ایک بار۔"

اس کی آنکھیں پھر بند ہونے لگیں اور وہ لہرانے لگی۔

"بس ایک بار مجھے ٹوٹ کر ملے کوئی۔"

پھر--

اس نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی کھولا پھر بند کیا۔

"اس کے بعد بکھر جاؤں ریت کی صورت!"

اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے اپنا جھکا ہوا چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں کے کونوں پر آنسو اٹکے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا رہی تھی اور آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"بس ایک بار۔"

"اس کی آواز ٹوٹ گئی لیکن اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ گرتی جا رہی تھی۔

"ونڈر فل!" عندلیب اور کرن نے ایک ساتھ تالی بجائی۔ مبشر حسن کی آنکھوں میں تحسین تھی۔ جب وہ کرن کے پاس آئی، تب بھی اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔

"لگتا ہے۔ تم مکالمہ نہیں بولتی ہو بلکہ یہ تمہارے اندر کی آواز ہے، خاص طور پر اس آخری سین میں۔"

مبشر بالکل اس کے قریب کھڑا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی، پتا نہیں کیوں۔ اس کی قربت سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔

"آپ کیوں نہیں یہ کردار لے لیتیں۔" عندلیب اس کے قریب چلی آئی۔

"مجھے پسند نہیں ہے اسٹیج پر کام کرنا۔" اس نے نرمی سے کہا۔ اور جہاں زیب کی طرف متوجہ ہو گئی جو بڑی دیر سے اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔

"سنو۔" جب وہ واپس جا رہی تھی تو مبشر حسن نے کہا۔ "اس لڑکے جہاں زیب سے فری ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے ایک نظر اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"آل رائیٹ سر، یوں بھی اب امتحان ہونے والا ہے میں پڑھائی میں بزی ہو جاؤں گی اور شاید ادھر نہ ہی آؤں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ویسے بھی اب ہم فائنل ریہرسل "الحمرا" میں ہی کریں گے۔"

❁

وہ پڑھائی میں بے طرح مصروف ہو گئی تھی لیکن ذرا دیر کے لئے جب وہ ریلکس ہونے کے لئے کتابیں بند کر کے آنکھیں موندتی تو وہ اسکے تصور میں چلا آتا۔ ہولے ہولے، چپکے چپکے وہ اس سے محبت کر رہی تھی اور اپنے اس راز میں ابھی اس نے کسی کو بھی شریک نہ کیا تھا اور وہ شریک کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ یونہی ہولے ہولے چپکے چپکے محبت کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایسا ہی سوچا تھا کہ اگر کبھی اس نے کسی سے محبت کی تو وہ یونہی محبت کرے گی۔ اس طرح خاموشی سے چپکے چپکے۔ اس دوران مبشر صرف ایک بار آیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی خیریت معلوم کرنے اور اس نے بتایا تھا کہ وہ ڈراما پیش نہیں کر سکا تھا۔ کئی پرابلمز کھڑے ہو گئے تھے انہیں سلجھاتے سلجھاتے اداکار بکھر گئے تھے۔ کچھ لوگ ٹی وی کی نئی سیریل میں مصروف ہو گئے تھے۔ عندلیب کی شادی ہو گئی تھی...... مہ ناز سعودی عرب فنکاروں کی ایک ٹیم کے ساتھ چلی گئی تھی۔ یوں وہ ڈراما پیش ہونے سے پہلے ہی فلاپ ہو گیا تھا۔ وہ بہت افسردہ تھا، نادرہ کو بھی اس کی محنت رائیگاں جانے کا افسوس ہوا تھا۔ پھر وہ جلدی آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا اور وہ امتحان میں مصروف ہو گئی۔

امتحان سے فارغ ہو کر بے اختیار اس کا دل اس سے ملنے کو چاہا اور وہ اس سے ملنے آفس گئی مگر آفس بند تھا تب اس کے ماڈل ٹاؤن والے گھر وہ اس کی والدہ سے ملنے چلی گئی۔ وہ بڑی محبت سے ملیں مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ وہ اس کے شادمان والے گھر بھی

گئی مگر وہ گھر بھی بند تھا۔ عجیب سی تڑپ اور بے چینی تھی وہ جانے سے پہلے اس سے ملنا
چاہتی تھی اس کے دیئے ہوئے نمبروں پر وہ ہر روز دو تین بار فون کرتی لیکن وہ نہیں
مل رہا تھا۔ اور یونہی وقت گزر گیا۔

سنی ماموں اسے لینے کے لئے آگئے۔ وہ کتنے کمزور اور تھکے تھکے لگ رہے تھے وہ
یونہی بلاوجہ ان سے لپٹ کر رو دی۔ وہ ہولے ہولے اسے تھپکتے رہے۔

بہت سی باتیں اسے رلا رہی تھیں۔

مبشر حسن سے نہ ملنے کا دکھ۔

ہوسٹل کو چھوڑنے کا دکھ۔

چار سال، زندگی کے چار خوبصورت برس اس نے یہاں گزارے تھے۔ اس کے
در و دیوار سے خاصی وابستگی ہو گئی تھی۔ یہاں اس نے بہت کچھ پایا تھا، بہت کچھ سیکھا اور
جانا تھا۔

آگہی کے بہت سے در اُس پر وا ہوئے تھے۔

کرن اور سمیرا جیسی مخلص دوست ملی تھیں اور۔

اور۔

مس حبیب کا دکھ۔

مسز نواز کا غم۔

اور مسز فیروز کے اس بھیگتی مسوں والے بچے کا درد جس کی آنکھوں میں ایک
آنسو منجمد ہو گیا تھا جو بہا نہیں تھا لیکن جس سے اس کا سارا وجود بھیگتا رہتا تھا۔

کاش...... کاش، وہ بچہ اسے کہیں مل جاتا۔ تو وہ اسے اتنا پیار کرتی، اتنا پیار کرتی کہ
عمر بھر کی محرومیوں کی تلافی ہو جاتی۔

بھیگتی آنکھوں کے ساتھ سب ٹیچرز سے مل کر وہ سنی ماموں کے ساتھ اسلام

آباد آگئی۔

کرو جو بات کرنی ہے۔ اگر اس آس پر بیٹھے۔
کہ دنیا بس تمہیں سننے کی خاطر
گوش بر آواز ہو کر بیٹھ جائے گی۔
تو ایسا ہو نہیں سکتا۔
جسے تم وقت کہتے ہو، دھندلکا سا کوئی جیسے۔ زمیں سے آسماں تک ہے۔
یہ کوئی خواب ہے جیسے۔
نہیں معلوم کچھ اس خواب کی مدت کہاں تک ہے۔
کرو جو بات کرنی ہے۔
کرو جو بات کرنی ہے۔ کرو جو بات کرنی ہے۔

وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹیکے بڑی دیر سے یونہی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ
کیا بات کرے، کس طرح بات کرے۔ کیا کہے اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کے وجود سے
کچھ بے نیاز سا کرسی میں دھنسا بیٹھا تھا۔ وہ کتنے دنوں بعد آج اس سے ملنے آئی تھی اور
وہ اسے اگنور کئے ہوئے تھا۔ اس سے قطعی بے نیاز، اپنے آپ میں گم کچھ سوچتا ہوا آج
وہ مضطرب بہت بے چین ہو کر یونیورسٹی سے سیدھی اس اس کے آفس چلی آئی تھی۔
وہ جو کبھی کہتی تھی کہ وہ بڑی میچور قسم کی محبت کرے گی۔ ایسی محبت جس میں کچھ کہے بنا
لفظوں کا سہارا لئے بغیر خود بخود دل کی بات دل میں اتر جائے گی۔ اب کبھی کبھی اس کا
دل چاہنے لگا تھا کہ مبشر حسن اس سے اظہار کرے۔ اپنی محبت کا اپنی چاہت کا تو شاید
دل کے سارے خلا بھر جائیں۔ لیکن وہ اس سے دنیا جہان کی باتیں کرنے کے باوجود
اس موضوع پر بات نہیں کرتا تھا۔ ہاں۔ کبھی کبھی کوئی ذو معنی جملہ کہہ کر اسے مالا مال
کر دیتا۔ وہ ہفتوں مہینوں اس جملے کو سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہتی تھی لیکن وہ بات کر

کے بالکل انجان بن جاتا تھا۔ اس نے خود ایسی ہی باوقار محبت کی خواہش کی تھی، پھر پتا نہیں کیوں اس کا دل ہر وقت بھرا رہتا، کچھ سننے کو دل کرتا۔ پتا نہیں، وہ کیا سننا چاہتی تھی کیا چاہتی تھی۔ کرن نے ایک بار کہا تھا۔

"ندو! تو نے اپنے لئے کانٹوں بھری راہ چنی ہے۔"

یہ کانٹوں بھری راہ اسی کے حصے میں کیوں آئی تھی۔ لوگ تو آرام سے ساری زندگی پھولوں بھرے راستے پر چل کر گزار دیتے ہیں۔

بی۔اے کے امتحان کے بعد وہ اسلام آباد آگئی تھی۔ اور اس کے اسلام آباد آنے کے چند دن بعد ہی پاپا آگئے تھے۔ وہ اپنی تبلیغی جماعت کے ساتھ آئے تھے۔ اس نے ضد کی کہ وہ ان کے ساتھ جائے گی۔ وہ ان کے ساتھ ان کے پاس رہنا چاہتی تھی۔ کتنے سارے سال اس نے ہوسٹلوں میں گزار دیئے تھے وہ ماما کے ساتھ اپنے دکھ سکھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ ان سے بی جان کی طرح باتیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اب بڑی ہو گئی تھی اور اس عمر میں تو ماں بیٹی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی شریک ہو جاتی ہیں، سہیلیوں کی طرح۔

وہ ماما کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کرنا چاہتی تھی۔ تین چار ماہ تھے اس کے پاس اور وہ یہ سارا وقت ان کے پاس گزارے گی۔ ان کے ساتھ۔

رزلٹ کے بعد پھر اسے یہیں آجانا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جرنلزم میں ایم اے کرے گی۔

دو مزید طویل سال ابھی اُسے ہوسٹل میں گزارنے تھے اور اب ان لمحوں کو وہ ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر پاپا نے بتایا تھا کہ ماما کچھ بیمار ہیں۔ وہ انہیں آنٹی کی طرح کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ان کے پاس اتنی دیر سے نہیں پہنچنا چاہتی تھی کہ پھر سوائے پچھتاوؤں کے اور کچھ باقی نہ رہے۔

سی ماموں اس کے کاغذات وغیرہ او کے کروا رہے تھے اور پاپا اسے ساتھ لے کر پھوپھو کے پاس آگئے پھوپھو بڑی محبت سے ملیں، بار بار اس کی پیشانی کو چومتیں۔ ٹیپو کی پوسٹنگ سیالکوٹ ہو گئی تھی۔ شیر دل بھی آیا ہوا تھا۔ دونوں چھوٹے ابھی پڑھ رہے تھے۔ پھوپھو، شیر دل کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ اپنی مخصوص پیڑھی پر بیٹھ کر حقہ پیتے ہوئے انہوں نے پاپا سے کہا تھا۔

"بھائی، دل چاہتا ہے، اب شیر دل کی شادی کر دوں۔" پھر انہوں نے کچھ ایسی نظروں سے اسے دیکھا کہ وہ گھبرا کر وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ اور جاتے جاتے اس نے سنا تھا۔ پاپا کہہ رہے تھے۔

"ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے صرف اٹھارہ سال کی اور وہ ایم اے کرنا چاہتی ہے۔ اور آپ کو پتا ہے، ہمیشہ سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ میں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواؤں۔"

اور وہ تیزی سے صحن میں آگئی تھی۔ پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے وہ وہیں صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ پھوپھو کا گھر اب بہت صاف ستھرا ہو گیا تھا اور اب ہر طرف بے تکلفی سے گھومنے والی مرغیاں بھی نہیں تھیں اور صحن میں ہی ایک طرف دو نئے کمرے بن گئے تھے شیر دل اور ٹیپو کا کمرہ۔ اس نے صحن میں بیٹھے بیٹھے چور نظروں سے برآمدے کی طرف دیکھا۔ پاپا اور پھوپھو اس کی طرف پیٹھ کئے چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔

"نہیں۔"

وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ بھلا شیر دل اور میں۔

مبشر حسن گہری گہری نظروں سے اسے دیکھتا اس کے تصور میں چلا آیا۔

اور یہ تو زیادتی ہے کرن کے ساتھ۔ میں نے کرن کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں شیر دل سے اس کی سفارش کروں گی لیکن کیا کیا کہوں گی میں اس سے اور ادھر اگر پاپا

نے فیصلہ کر دیا تو۔ نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے اور وہ ایک دم اٹھ کر شیر دل کے کمرے میں چلی گئی۔ شیر دل نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں وہ جو کرسی پر نیم دراز کوئی اخبار دیکھ رہا تھا، سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"آؤ ندیا!" اس کے سرخ و سپید چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

لمحہ بھر وہ کچھ سوچتی رہی۔ پھر یکایک ہی اس کے اندر وہی اعتماد پیدا ہو گیا جس اعتماد کے سہارے اس نے بڑے بڑے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پرائز جیتے تھے۔

"شیر دل!" اس نے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ "تمہیں پتا ہے پاپا اور پھوپھو باہر کس موضوع پر بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں کچھ اندازہ تو ہے۔" اس کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی اور والہانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

بے چینی سے اسنے اپنے ہاتھوں کو مسلا۔

"شیر دل! تمہیں پتا ہے میری فرینڈ کرن تمہیں بہت پسند کرتی ہے۔"

"تو؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" شیر دل اٹھ کے اس کے قریب چلا آیا۔

"فرق پڑتا ہے۔ شیر دل! تم پھوپھو سے کہو کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"بے وقوف لڑکی۔" شیر دل کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ اس کی پلکیں جھک گئیں اور دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ اپنی پوری وجاہت اور دلکشی کے ساتھ، محبت سے اسے تکتا ہوا۔ کرن نے صحیح کہا تھا کہ وہ ایک وجیہہ مرد ہے۔ "کیا تم اپنی فرینڈ کے لئے قربانی دے رہی ہو۔"

"نہیں۔" وہ تھوڑی سی پیچھے ہٹ گئی۔ "دراصل میں نے تمہارے متعلق ایسا کبھی

نہیں سوچا اس طرح میرا خیال ہے۔ میں تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گی اور تمہیں شادی تو کرنا ہی ہے نا تو پھر کرن کے ساتھ ہی کیوں نہ کر لو جو تمہیں اتنا پسند کرتی ہے۔"

شیر دل کے مسکراتے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ اس کی آنکھیں ایک دم دھواں دھواں ہو گئی تھیں۔ وہ بغیر کچھ کہے واپس اپنی جگہ پر چلا گیا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

پھر جتنے دن وہ وہاں رہی، شیر دل سے اس کا سامنا نہ ہوا۔ جانے وہ کہاں رہتا تھا اور پھر تین ماہ انگلینڈ میں گزار کر جب وہ واپس آئی تو پھوپھو اس کی منتظر تھیں تاکہ اس کے ساتھ کرن کے گھر جا سکیں۔

"میرا دل تو تھا کہ تیرا اور شیر دل کا بیاہ کرتی۔" انہوں نے بڑی اداسی سے کہا تھا۔ پر......"

اور اس نے نگاہیں چرا لی تھیں پھر کرن بیاہ کر پھوپھو کے گھر آ گئی، سمیرا کی بھی شادی ہو گئی تھی اور اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ سمیرا اور کرن کے بغیر اس کا دل نہیں لگتا تھا وہ گھنٹوں یونہی بستر پر لیٹی لایعنی باتیں سوچتی رہتی تھی۔ انگلینڈ میں ماما کے پاس جا کر بھی وہ ان سے دور ہی رہی تھی۔ ماما صبح سویرے جاب پر نکل جاتی تھیں پھر گھر آتیں تو اتنی تھکی ہوتی تھیں کہ بمشکل ڈنر تیار کر پاتیں اور لیٹ جاتیں اور وہ سوچتی ہی رہ جاتی کہ ان کے پاس بیٹھے ان سے باتیں کرے۔ انہیں بی جان آنٹی، کرن اور سمیرا کے متعلق بتائے۔

اور انہیں مبشر حسن کے متعلق بتائے۔

کہ وہ ایک شخص اسے اچھا لگنے لگا ہے۔

مگر شاید ان کے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے تھے۔

دوریوں نے انہیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

ہاں، پاپا سے اس کی کچھ دوستی ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی رات کو وہ دیر تک ان کی اسٹڈی میں بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہتی۔ وہ اس کی کامیابیوں پر بہت خوش ہوتے تھے۔ پاپا کی قربت سے اس کے اعتماد میں اضافہ ہوا تھا۔ اور اسے محسوس ہوا تھا جیسے پاپا کا بخشا ہوا یہ اعتماد آئندہ زندگی میں اس کے بہت کام آئے گا۔

وہاں انگلینڈ میں ہی ایک روز اسے ہنی بابا بھی ملا تھا۔ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور سے کچھ خریدتا ہوا۔

وہ دلکش آنکھوں والا مسز فیروز کا ہنی بابا۔ جس کی آنکھوں میں اس روز ایک آنسو منجمد ہو گیا تھا۔

اور اس نے چاہا تھا کہ وہ اس آنسو کو اپنی انگلی کی پوروں سے پونچھ ڈالے۔ اب اسے ڈپارٹمنٹل اسٹور میں شاپنگ کرتے دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

نیلی جینز پہنے اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ اسے اس دن والے لڑکے سے مختلف لگا لیکن اس کی دلکش آنکھوں میں کسی نامعلوم محرومی کا دھواں اسی طرح پھیلا ہوا تھا۔

اور اس ایک منجمد آنسو نے اس کی آنکھوں کی جھیلوں کو ڈھانپ رکھا تھا یوں جیسے سطح پر دھند چھائی ہو اور دھند کے پیچھے پانی کا شور۔

تو وہ ایک منجمد آنسو پگھلا نہیں تھا بلکہ اسکی آنکھوں میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔

"ہنی بابا۔" بالکل قریب جا کر اس نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اس نے حیران نظروں سے اس اجنبی لڑکی کو دیکھا تھا جو آنکھوں میں محبتوں کے خزانے چھپائے اسے تک رہی تھی۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے آیا ہوا تھا۔ اس نے اس بکھرے بکھرے لڑکے کو اپنی محبت کے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لائی تھی

اور پاپا اور ماما سے ملایا تھا۔

"سنو! پیارے لڑکے! میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میرے بھائی بن جاؤ۔"

اور اس لڑکے نے اس کا پرخلوص ہاتھ تھام لیا تھا اور یوں جب وہ انگلینڈ سے آئی تھی تو اس کے ساتھ ایک بھائی کی محبت بھی تھی۔ وہ بہت سادہ دل لڑکا تھا، چند ہی دنوں میں وہ اس سے بے تکلف ہو گیا تھا اور اس نے اس سے اپنے دل کی ساری باتیں کی تھیں۔ جس روز وہ واپس امریکا جا رہا تھا وہ اسے ایئرپورٹ پر چھوڑنے گئی تھی۔

"بجو!" اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس روز میں ماما کی بے اعتنائی کا جو دکھ لے کر لوٹ رہا ہوں، اس دکھ کو کسی اور نے بھی محسوس کیا ہے۔ بجو پلیز! اب...... ہمیشہ میرے ساتھ ایسی ہی محبت کرنا۔"

اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے خط لکھا کرے گی اور وہ بھی جب پاکستان آئے گا تو اس سے ملنے آیا کرے گا اور یوں انگلینڈ سے جب وہ لوٹی تو اس کے ساتھ ایک بھائی کی محبت بھی تھی۔

یہ محبت بڑی پیاری تھی، بڑی دلکش، یوں جیسے تیز کڑکتی دھوپ میں سیاہ گھنیرے بادل۔

وہ بڑی باقاعدگی سے اسے خط لکھتا تھا۔

اور ہوسٹل میں اس کے خط پا کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے بعد ایک دن اچانک سر راہ مبشر اسے مل گیا تھا وہ کچھ ضروری کتابیں لینے اردو بازار جا رہی تھی۔

"کیسی ہو نادرہ؟" اس کے بالکل قریب گاڑی روکتے ہوئے اس نے یوں بات کی تھی جیسے چند دنوں بعد ملا ہو۔ حالانکہ وہ پورے آٹھ ماہ بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک دم نم ہو گئی تھیں۔ اور اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکنے کی

کوشش کی تھی۔

"کیا کر رہی ہو آج کل؟" اس کے لئے نیچے اتر کر دروازہ کھولتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

اور خاموشی سے بغیر کچھ کہے وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

اس کے نمبروں کی تفصیل سن کر اس نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اور پھر اسے اردو بازار سے خود شاپنگ کروا کے ہوسٹل چھوڑ گیا تھا پھر اس کے بعد بھی کئی بار وہ اُس سے ملا تھا وہ بھی کبھی کبھار اس کی طرف چلی جاتی تھی۔ خود بخود ہی بغیر کہے، بغیر اظہار کے ان کے درمیان ایک نامعلوم سی دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ وہ ملتے، باتیں کرتے اور جدا ہو جاتے۔ کبھی وہ بہت اپ سیٹ ہوتا اور یونہی اسے ساتھ لے کر لمبی ڈرائیو پر نکل جاتا۔ اس نے کبھی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔

کبھی کبھی وہ یوں وارفتگی سے اسے تکتا کہ اسے اس کے قریب کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا۔ خود نادرہ نے کبھی اس طرح کی کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی تھی کہ اسکی کسی بات سے اس بات کا اظہار ہو کہ وہ اس کے دل پر کس طرح قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔ لیکن کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے اندر محبت کی آگ جل رہی ہے۔

اور کیا اسے اس کی تپش محسوس نہیں ہوتی۔

اس نے اکثر سوچا تھا اور اس کے دل نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہ تپش ضرور اس کے دل تک پہنچ چکی ہے اور محبت کرنے کا لطف تو اسی طرح ہے۔

یونہی چپکے چپکے کسی سے محبت کرنا۔

❀

آج وہ بہت دنوں بعد اس کے دفتر میں آئی تھی۔ اس کا فائنل امتحان ہونے والا تھا...... اور پھوپھو، ٹیپو کے لئے اسے مانگ رہی تھیں۔ پاپا نے اسے خط لکھا تھا۔ وہ اس کی

رائے جاننا چاہتے تھے اور انہوں نے اسے اس بات کا اختیار دیا تھا کہ اگر ٹیپو سلطان اسے پسند نہیں ہے تو وہ بلا جھجک بتا دے لیکن اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونا۔ وہ پاپا کو کیا لکھے کہ اسے ٹیپو سلطان کا ساتھ کیوں پسند نہیں ہے۔ کیا وہ پاپا کو لکھ دے کہ وہ مبشر حسن......

مگر مبشر نے تو آج تک اس طرح کی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس سے آشنائی کے ان طویل برسوں میں سوائے چند ذو معنی جملوں کے اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کوئی دلیل نہیں تھی...... اور کیا خبر وہ یک طرفہ محبت کی آگ میں جل رہی ہو اور تب وہ پریشان سی یونیورسٹی سے سیدھی اس کے آفس چلی آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ آج اس سے بات کرے گی اور اب اتنی دیر سے بیٹھی اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔

کرو جو بات کرنی ہے۔

کرو جو بات کرنی ہے۔

مگر کیا بات کرے ویسے بھی وہ آج اپ سیٹ تھا۔ کبھی کبھی اس پر یہ موڈ طاری ہو جاتا تھا وہ یونہی اپنے نجی کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ اپنے آپ میں گم اور بے خبر سا۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ گہری والہانہ نظروں سے۔

"سنو نادرہ! تم بہت خوبصورت ہو بہت۔" اس نے سرگوشی سی کی اور نادرہ کا دل جیسے سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے لگا۔ رخسار دہکنے لگے۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور پھر پیچھے ہٹ کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا اور پردا ہٹا دیا۔

"بہت...... بہت گھٹن ہے چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔"

وہ کھڑی ہو گئی۔ بہت دیر تک خاموشی رہی، وہ اپنا مخصوص شعر گنگناتا رہا۔

کس سے کہوں کہ آج مرے ساتھ آ کے پی۔

اور گاڑی تپتی دوپہر میں ایک سڑک سے دوسری سڑک پر مڑتی رہی۔

''آپ کبھی کبھی بڑے پریشان ہو جاتے ہیں۔'' کافی دیر بعد نادرہ نے پوچھا۔ وہ اس کے جملے کے سحر سے باہر نکل آئی تھی۔

''ہاں، کبھی کبھی لگامیں چھوٹ جاتی ہیں۔''

''مگر کیوں؟''

''کیوں؟'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم نہیں جانتیں کہ میں نے......

پھر بات ادھوری چھوڑ کر وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگا۔

''پلیز آپ مجھے بتائیں، مجھے اپنی پریشانیوں میں شریک کریں۔ کیا آپ مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے۔ ایک بار آپ نے کہا تھا کہ ہم اچھے دوست ہیں۔''

''ہاں، وہ تو ہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

''پھر کیا بات ہے؟'' اس نے اصرار کیا۔

''تمہیں پتا ہے نادرہ! میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں عوام کو بتاؤں گا کہ صحیح ڈراما کیا ہے۔ لیکن جب میری ساری تگ و دو ساری کوششیں رائیگاں جاتی ہیں تو بس اسی وجہ سے......اور تمہیں پتا ہے۔''

اس نے یکدم موضوع بدل دیا۔ ''ابھی جب تم نہیں آئی تھیں تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم کہیں سے آجاؤ اور تم آگئیں۔ ہے نا عجیب بات۔'' وہ ہنس دیا۔

''میں یونیورسٹی سے سیدھی ادھر آئی تھی، بس یکدم دل چاہا تھا آپ سے ملنے کو۔''

''اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میں نے تمہیں یاد کیا اور تم......ارے پھر تو تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ چلو کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرتے ہیں۔''

اور پھر فیملی کیبن میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے نادرہ نے پاپا کا خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

خط پڑھ کر اس نے خاموشی سے نادرہ کو واپس کر دیا اور پوچھا۔ ''ٹیپو سلطان کیسا ہے؟''

''اچھا ہے۔''

''پھر تم پریشان کیوں ہو؟''

''میں۔'' نادرہ نے نگاہیں اٹھائیں۔ لمحہ بھر اسے دیکھتی رہی۔ ''میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''کیوں؟''

کس قدر انجان بن رہا ہے۔ نادرہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''کیا وہ اس کے احساسات کو نہیں سمجھتا اور کرن کہتی ہے کہ محبت کا ادراک تو خود بہ خود ہو جاتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمہارے احساسات سے بے خبر ہو، بنتا ہے بس۔''

''مجھے شادی نہیں کرنا۔'' اس نے نظریں جھکا لیں کہ کہیں وہ اس کی آنکھوں میں پھیلتی نمی کو نہ دیکھ لے۔

''ننانوے فیصد لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''لیکن شادی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔''

''مگر مجھے شادی نہیں کرنا۔'' اس کے لہجے میں سختی آگئی تھی۔

''اچھا بھئی نہ کرنا۔ دراصل تم اندر سے ابھی وہی سولہ سترہ سالہ بچی ہو۔''

''جی نہیں۔'' وہ چڑ گئی۔ ''میں بچی نہیں ہوں۔'' پھر اس نے ٹشو پیپر کو بیدردی سے کھینچا اور ہاتھ صاف کر کے کھڑی ہو گئی۔ ''چلیں، مجھے ہوسٹل ڈراپ کر دیں۔''

''آل رائیٹ۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

اور ہوسٹل آکر اپنے بستر پر گر کر وہ خوب روئی۔ کیا چاہتی تھی وہ آخر کس لئے وہ اس کے پاس گئی تھی۔ کیا وہ یہ سننا چاہتی تھی کہ نادرہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم ٹیپو سلطان سے شادی مت کرو۔

''میں۔ ہاں شاید یہی سننا چاہتی تھی۔'' اس کے احساس کے آئینے پر شدید ضرب

لگی تھی۔ کرچی کرچی ہو رہی تھی وہ مسلسل رونے کے بعد وہ اٹھی اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ وہ کتنی بے تحاشا خوبصورت تھی۔

اس کی سیاہ لانبی پلکوں والی بادامی آنکھیں، اس کی خوبصورت سی چھوٹی سی ناک۔ اس کے قاتل ہونٹ۔

اس کا دلکش سراپا۔

لانبے گھنے ریشمی بال۔

کیا کسی ایک چیز نے بھی اسے متاثر نہیں کیا تھا۔ اور وہ جو کبھی کبھی کا کہا ہوا ذو معنی جملہ اور وہ اس کا یونہی بے مقصد اس سے ملنے آنا اور گھنٹوں ادھر ادھر کی لایعنی باتیں کرنا۔

"تو کیا یہ محبت نہیں تھی۔"

تو کیا محبت کچھ اور ہوتی ہے۔

اس کے رنگ ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں۔

اور کیا مجھے محبت کی پہچان نہیں ہوئی۔

لیکن میرے دل میں تو اس کی محبت کی آگ جل رہی تھی اور کیا اس آگ سے صرف میرا ہی دل خاک سیاہ ہو تا رہا تھا اور اس تک اس کی تپش نہیں پہنچی تھی۔

وہ آئینے کے پاس سے ہٹ آئی۔ وہ بے حد مضطرب تھی، بہت بے چین، بار بار آنسوؤں سے اس کی پلکیں بھیگ جاتیں۔

"شاید محبت اس طرح نہیں ہوتی۔"

اس طرح نہیں کی جاتی۔

میں شاید خوابوں کی دنیا میں رہتی ہوں۔ اس نے کبھی عمر بھر ساتھ نباہنے کی بات نہیں کی تھی پھر...... پھر میں نے کیوں محل تعمیر کر ڈالے اور اب۔ اب پاپا کو کیا لکھوں۔"

وہ ساری رات جاگتی رہی۔ روتی رہی۔ صبح صبح آمنہ حیدر نے اس کے کمرے میں

جھانکا۔

"ندو! تمہیں کوئی ملنے آیا ہے۔"

"شاید سنی ماموں ملنے آئے ہیں، اس نے سوچا اور یونہی دوپٹا کندھے پر ڈال کر باہر نکل آئی۔ گیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے مبشر حسن کھڑا تھا۔

"آپ!" وہ ششدر رہ گئی۔

"ہاں۔" وہ کچھ نادم سا لگ رہا تھا۔ "نادرہ! تم اپنے پاپا کو لکھ دو کہ تم ٹیپو سلطان کے ساتھ شادی نہیں کر سکتیں۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں؟" مبشر حسن نے اضطراب سے اپنے ہاتھوں کو مسلا۔ "اس لئے کہ میں کہہ رہا ہوں۔"

اس کے ارد گرد چاروں اور جیسے پھول کھل اٹھے۔

"اور سنو، یہ تم رات بھر جاگتی اور روتی کیوں رہی ہو؟" ہمیشہ کی طرح اس نے بات بدل دی تھی۔

"نہیں تو۔" وہ اس کے سامنے بے وقعت نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ یہ ظاہر نہیں کرتی چاہتی تھی کہ اس کی بے اعتنائی سے اسے رنج پہنچا تھا۔ وہ وقار سے اُس کے سامنے سر اٹھا کر کھڑا ہونا چاہتی تھی۔

"اچھی بچیاں جھوٹ نہیں بولتیں۔" وہ مسکرا دیا۔ "مجھے پتا ہے۔ تم روئی تھیں۔"

"ریئلی، میں روئی نہیں بلکہ مجھے فلو ہے۔"

"اچھا۔" اس نے سر ہلایا۔ "ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟"

"نہیں۔" اس نے چہرہ جھکا کر اپنی بے اختیار مسکراہٹ کو چھپالیا۔"

"اچھا۔" "خدا حافظ، میں چلتا ہوں پاپا کو خط لکھ دینا۔"

"لیکن کیوں؟" وہ شوخ ہونے لگی۔

"اس لئے کہ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ "سنو نادرہ، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیا تم بھی۔"

اور اس کا چہرہ جھکتا چلا گیا۔

"تھینک یو۔" اس نے تھوڑا سا خم کر کے شکریہ ادا کیا اور واپس پلٹ گیا۔

اس روز وہ یونیورسٹی نہیں گئی، وہ اس خوشی کو بھرپور طور پر اکیلے انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ تو اس کی ریاضت رائیگاں نہیں گئی تھی۔

اس آگ کی تپش اس کے دل تک ضرور پہنچی تھی جبھی تو...... جبھی تو۔

وہ کتنا سوبر اور باوقار تھا۔

اور اس کی محبت بھی اسی کی طرح تھی۔

باوقار اور میچور محبت۔

جو لفظوں اور جملوں کی محتاج نہ تھی۔

لفظوں سے بے پروا۔

بڑے بڑے ڈائیلاگز اور فضول باتوں سے پاک۔

شاید وہ بھی ساری رات نہیں سویا تھا۔

اس کی محبت میں بھی تڑپ تھی، شدت تھی۔ جب ہی تو وہ صبح ہوتے ہی بھاگتا چلا آیا تھا۔

وہ تیتری کی طرح سارا دن ہوسٹل میں چکراتی پھری، خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ اس نے پاپا کو خط لکھ دیا تھا اور ہنی بابا کو بھی جو اس کا پیارا سا چھوٹا سا بھائی تھا۔

وہ جو کرن اور سمیرا کو اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتی تھی، پتا نہیں کیوں وہ ہر

بات اسے بتاتی تھیں پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنی خوشی میں انہیں شریک نہ کرتی۔

پاپا نے اس کا خط ملتے ہی شاید سنی ماموں کو فون کیا تھا کہ وہ ایک شام اچانک آ گئے۔ بے حد سنجیدہ اور پریشان سے۔

"ندو! یہ کیا بات ہے؟"

"کون سی بات؟" وہ حیران سی ہوئی۔

"بھائی جان نے فون کیا تھا اور مبشر کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"جی۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"مگر ندو! تمہیں پتا ہے موبی کی اور تمہاری عمروں میں کتنا فرق ہے اور پھر وہ شادی شدہ تھا اور شاید آج بھی ہما سے محبت کرتا ہے ہما کے ساتھ اس کی شادی......"

"میں جانتی ہوں سنی ماموں مگر میں......"

"کیا وہ بھی۔؟" سنی ماموں نے پوچھا۔

"جی۔"

"کیا وہ تم سے ملتا رہا ہے؟"

"جی۔"

"ہم تو دوست تھے گڑیا! پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں شاید تمہیں روک لیتا۔ سمجھا لیتا۔ وہ......"

"آپ کو میں کیا بتاتی سنی ماموں! آپ جو میرے دوست تھے، آپ تو آنٹی کے بعد کھو گئے تھے۔"

"مگر ندیا! یہ صحیح نہیں ہے وہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔" وہ اسے سمجھاتے رہے مگر اس کا فیصلہ اٹل تھا۔

سنی ماموں نے جانے پاپا سے کیا کہا تھا کہ پاپا اور ماما خود چلے آئے تھے۔ ماما نے زندگی

میں پہلی بار اسے اتنا وقت دیا تھا کہ کئی کئی گھنٹے اس کے پاس بیٹھ کر اسے سمجھایا تھا لیکن سب بے سود تھا۔ تب پاپا اس سے ملے۔ انہیں وہ اچھا ہی لگا اور انہوں نے اس کا فیصلہ تسلیم کر لیا لیکن سنی ماموں بدستور پریشان تھے اور اسے قائل کرنے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے۔

"میں تجھے کیسے بتاؤں ندیا کہ تیرے جیسی آئیڈیلسٹک لڑکی کے لئے موبی صحیح نہیں ہے۔ وہ اچھا ہے۔ بہت اچھا لیکن ندو......"

مگر وہ تو کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔

پاپا نے اس کی بات مان لی تھی۔

ماما نے اس کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔

حالانکہ انہیں ٹیپو سلطان بہت پسند تھا۔

آرمی کی وردی میں نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگتا تھا۔

کرن نے صرف ایک بات کہی تھی۔

"سوچتی ہوں ندو! تو جو محبت کے بارے میں اتنے نازک احساسات رکھتی ہے۔ کہیں دھوکا نہ کھا بیٹھی ہو۔ وہ اپنی ساری محبتیں لٹا چکا ہو۔ اس کے پاس تیرے لئے اتنے شدید جذبے نہ ہوں جن کی تجھے چاہ ہے۔"

"نہیں کرن!" اس نے بڑے یقین سے کہا۔ "آدمی کے دل میں محبتوں کے لئے گنجائش ہوتی ہے اور مجھے یقین ہے، اس کے دل میں بھی میرے لئے اتنی ہی شدید چاہت ہے جتنی میرے دل میں اس کے لئے ہے۔ بس وہ ینگ لڑکوں کی طرح چھچھورا نہیں ہے۔ وہ باوقار طریقے سے محبت کرنا جانتا ہے۔"

بابا نے جانے سے پہلے مبشر حسن کو بلا کر کہا تھا کہ نادرہ کے امتحان کے بعد وہ پاکستان آئیں گے اور اسے رخصت کر دیں گے۔ پھر پاپا چلے گئے، وہ پڑھائی میں

مصروف ہو گئی۔ مبشر حسن دو تین بار اس سے ملنے آیا لیکن اس کے رویئے سے کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ خوش ہے یا نہیں۔ ہمیشہ کی طرح لمبی ڈرائیو پر جانا کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ یا ڈنر پھر ادھر ادھر کی باتیں اور بس۔ اس کے امتحانات سے کچھ دن پہلے وہ باہر چلا گیا۔ وہ اسے 'خدا حافظ' کہنے چند منٹ کے لئے آیا تھا او وِش کر کے چلا گیا تھا۔

اور اس نے خود کو پڑھائی میں گم کر دیا کیونکہ وہ اپنا آخری امتحان بھی شاندار نمبروں سے پاس کرنا چاہتی تھی۔

❀

کس سے کہوں کہ آج میرے ساتھ آ کے پی۔

اتریں گے کس کے حلق سے یہ دلخراش گھونٹ۔

کس سے کہوں کہ آج......

وہ بڑی دیر سے لان میں آرام کرسی پر نیم دراز تھی اور اس کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے پلکیں نم تھیں۔

"ندو!" سنی ماموں نے اس کے قریب آ کر آہستگی سے پکارا۔ "اتنی ٹھنڈ میں باہر بیٹھی کیا کر رہی ہو......!"

"کچھ نہیں۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "آپ کب آئے؟"

"بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ ندیا، میری جان، میری زندگی! اب بھی پلٹ آؤ۔ وہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے۔"

"سنی ماموں پلیز، آپ نے اس روز مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ آئندہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔"

"کیسے...... کیسے نہ کروں بات۔" انہوں نے پریشانی اور اضطراب سے ہاتھ ملے "مجھ سے تمہاری یہ بربادی نہیں دیکھی جاتی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں تم نے یہ کیا روگ لگا

لیا ہے خود کو۔"

"کوئی روگ نہیں سنی ماموں، آپ سے میں نے جاب کے لئے کہا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟" اس نے بات بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"جاب! لیکن بھائی جان تمہیں انگلینڈ بلا رہے ہیں۔"

"نہیں سنی ماموں، میں وہاں نہیں جاؤں گی، وہاں میرا دم گھٹتا ہے۔ میں یہاں رہوں گی آپ کے پاس۔ پلیز سنی ماموں۔ مجھے خود سے جدا نہ کریں۔"

"اچھا، اچھا بات کروں گا میں بھائی جان سے۔" انہوں نے اسے تھپکی دی پھر بولے۔ "چلو واک کر آئیں۔ یہ سامنے بڑی سڑک تک جا کر مڑ آئیں گے۔"

"چلیں۔" وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

❁

مبشر حسن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ وہ امتحان سے فارغ ہو کر اسلام آباد آ گئی تھی لیکن اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ پاپا کئی بار پوچھ چکے تھے۔ پھر اس کا رزلٹ آیا تو اس نے پہلی پوزیشن لی تھی۔ ایک چھوٹا سا وِش کارڈ ایک دن پوسٹ مین اسے دے گیا۔ اس نے کتنے اشتیاق سے لفافہ کھولا تھا مگر کچھ نہیں، نہ کوئی القاب نہ کوئی پیام۔ کونے میں اس کے دستخط تھے اور اوپر کانگریچولیشن لکھا تھا۔ کارڈ لاہور سے آیا تھا وہ لاہور جانے کو بے تاب ہو گئی اور سنی ماموں کے ساتھ لاہور چلی آئی لیکن وہ تو بالکل اجنبی لگ رہا تھا۔ یونہی سرسری سا اس نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر سنی ماموں سے باتیں کرنے لگا تھا سنی ماموں نے اسے بتایا تھا کہ بھائی جان اس کے متعلق کئی بار پوچھ چکے ہیں لیکن اس نے سنی ماموں کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اپنے اس طرح نظر انداز کئے جانے پر اس کا دل کٹ رہا تھا لیکن وہ چپ بیٹھی رہی۔ اور کچھ ہی دیر بعد یونیورسٹی جانے کا بہانہ کر کے وہ سنی ماموں کو وہیں چھوڑ کر چلی آئیں۔

اور اگلی صبح وہ واپس اسلام آباد آ گئی تھی اور چھ ماہ ہو گئے تھے۔ مبشر حسن نہ تو اسلام آباد آیا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا، نہ خط لکھا اس نے جیسے وہ ایک بات کر کے بھول گیا تھا۔ سنی ماموں اکیلے دو تین بار لاہور گئے تھے لیکن انہوں نے ندیا سے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی۔ پتا نہیں، وہ کیسا تھا اور کہاں تھا اور اس نے نادرہ کو ایک دم فراموش کیوں کر دیا تھا۔ کئی بار اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اسے خط لکھے، اس سے پوچھے کہ وہ اس کے دل میں محبت کی آگ جلا کر انجان کیوں بن گیا ہے لیکن پھر اس نے دل کی بات کو رد کر دیا۔

نہیں وہ اس طرح نہیں کر سکتی۔ اس نے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی---اور نہ ہی مبشر نے اس سے کبھی اس طرح بات کی تھی۔

اپنی محبت کے دعوے۔

عمر بھر ساتھ نباہنے کی قسمیں۔

کچھ بھی تو نہیں--کچھ بھی تو نہیں تھا، اس کے پاس، سوائے چند ذو معنی جملوں کے اور اس کی اس خواہش کے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور بس۔

مگر وہ انہی کے سہارے عمر بتا دے گی۔

یہی چند جملے تو اس کی کائنات تھے۔

اس کا سرمایہ تھے۔

وہ بار بار دل ہی دل میں ان گنے چنے جملوں کو دہراتی اور ان سے نئے نئے معنی نکالتی۔

یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ کسی دن اچانک ہی چلا آئے گا مسکراتا ہوا اور پھر رخصتی کا تقاضا کرے گا۔ یقیناً وہ اپنے کسی ڈرامے میں الجھا ہوا ہو گا۔"

"یقیناً کوئی نیا اور منفرد خیال اسے الجھائے ہوئے ہو گا اور جب تک وہ اس خیال کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنا لے گا، یونہی اپ سیٹ رہے گا۔ اور پھر جب سب کچھ اس کی

مرضی کے مطابق ہو جائے گا تو وہ اس کی طرف دوڑا چلا آئے گا۔

بڑی سڑک کا موڑ مڑتے ہوئے سنی ماموں نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا سوچ رہی ہو ندو!"

"کچھ نہیں۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرادی۔

"ندیا!" سنی ماموں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "جو کشتیاں اپنی نہ ہوں ان پر چلنا بہت مشکل ہوتا ہے گڑیا۔ موبی کبھی بھی تمہارا نہیں ہو سکتا۔ وہ آج بھی ہما سے محبت کرتا ہے۔ اتنی ہی شدید جتنی آج سے دس سال پہلے کرتا تھا۔ میں نہیں جانتا اس نے کس جذبے کے تحت تم سے شادی کا فیصلہ کیا ہے لیکن میں جتنی بار بھی اس سے ملا ہوں، اسے اپنی محبت میں روز اول کی طرح پختہ پایا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور دوبارہ بولے۔ "ندو! میں اس مہینے میں کوئی تین بار اس کے پاس گیا ہوں اور اسے خوبصورت لڑکیوں میں گھرا پایا ہے۔ وہ......"

"سنی ماموں پلیز!" اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "آپ پلیز، مجھے یہ سب نہ بتائیں۔ میں کچھ نہیں جانتی، سوائے اس کے کہ مجھے شادی نہیں کرنا ہے۔ کسی سے بھی نہیں۔"

"آل رائیٹ ندیا۔ پھر کبھی جب تم کچھ سنبھل جاؤ گی تو ہم اس موضوع پر بات کریں گے علی حیدر اچھا لڑکا ہے۔ اور مسٹر حیدر تمہارے لئے خواہش مند ہیں۔ مگر میں ان سے کہہ دوں گا کہ ابھی نہیں۔ ابھی تم سوچ لو۔ سمجھ لو۔"

اس رات وہ بہت اپ سیٹ رہی۔ اس نے اپنے آپ کو اسی طرح اکیلا اور تنہا محسوس کیا جس طرح بی جان کی موت کی خبر سن کر کیا تھا۔ دیواریں اسے اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوتی رہیں۔ عجیب طرح کا خوف اس پر مسلط ہونے لگا۔ ایک بار اس کا جی چاہا، وہ سنی ماموں کو بلائے لیکن وہ اپنے بستر پر بیٹھی لرزتی کانپتی رہی اور پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"کیا تھا جو اگر مبشر اسے اس طرح نظر انداز نہ کرتا۔

اس طرح خواب دکھا کر۔

امید دلا کر۔

کیا پتا سنی ماموں کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

وہ ایسا نہ ہو جیسا سنی ماموں سمجھ رہے ہیں۔

جب وہ بہت رو چکی تو اس نے قلم اٹھایا۔ کتنے سارے دن ہو گئے تھے۔ اپنی پریشانی میں اس نے ہنی بابا کو خط بھی نہیں لکھا تھا۔ وہ یقیناً اس کے خط کا انتظار کرتا ہوگا اور جب اس کا خط نہیں ملتا ہوگا تو کتنا پریشان ہو جاتا ہوگا وہ ایسا ہی تھا چھوٹے سے دل والا۔

"ہنی بابا۔" اس نے اسے لکھا۔ "مجھے حوصلہ دو، مجھے تسلی دو ورنہ میرا دل غم سے پھٹ جائے گا۔ تم میرے پیارے سے چھوٹے سے منے سے بھائی ہو۔ ہنی بابا اور تم میرے سب سے گہرے دوست بھی ہو۔ میں اپنا دکھ کس سے کہوں۔ علی حیدر یقیناً بہت اچھا ہوگا لیکن وہ مبشر حسن نہیں ہو سکتا اور میں۔۔ میں تمہیں کس طرح بتاؤں کہ میں......"

اور ہنی بابا جو اسے اپنی سگی بہنوں، سے بڑھ کر چاہتا تھا اور جس نے صرف اس کی محبت پا کر محسوس کیا تھا کہ اس کی ساری محرومیوں کا ازالہ ہو گیا ہے۔ اس کا خط پا کر فوراً ہی پاکستان چلا آیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"خوشی اور مسرت سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔"

ہنی نے بالکل بڑے بھائیوں کی طرح اس کا سر سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

"اتنا۔ اتنا چھوٹا دل ہے آپ کا۔ ارے میں تو آپ کو بڑا باحوصلہ سمجھتا تھا۔ آپ تو مجھے سمجھاتی تھیں اور یہ لمبے لمبے خط لکھتی تھیں۔"

"تم کتنے بڑے بڑے لگنے لگے ہو ہنی۔ کتنے لمبے ہو گئے ہو اور تم کیسے آ گئے

اچانک؟" اس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ کا خط ملا اور میں آ گیا۔ آپ پریشان ہوں اور میں وہاں بیٹھا رہوں۔"

"مگر تمہاری پڑھائی۔؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"چھٹیاں تھیں میں نے دادا کو فون کیا، میں ان کے لئے اداس ہوں اور میں اگر ان سے نہ ملا تو پھر پڑھ نہ سکوں گا۔" بیمار ہو جاؤں گا۔ دادا نے کہا، بیٹے چند دن کے لئے آ جاؤ۔"

"بڑے چالاک ہو۔" وہ ہنس دی۔

"اچھا، اب آپ مجھے سارا مسئلہ بتائیں پھر میں دیکھوں گا، مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تم کیا کرو گے ہنی!" وہ حیران تھی۔

"یہ آپ دیکھنا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم...... تم مبشر سے ملو گے؟"

"ظاہر ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"تم کیا کہو گے اس سے؟" وہ پریشان سی تھی۔

"یہ تو ان سے مل کر ہی پتا چلے گا۔"

"دیکھو ہنی! مجھے بھیک میں ملی ہوئی محبت نہیں چاہیے۔ میں اس طرح...... پلیز تم سمجھو نا۔"

"میں آپ کا ہی بھائی ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کی نظریں کبھی ان کے سامنے جھکنے نہیں دوں گا اور بھیک میں ملی ہوئی محبتیں میں نے بھی کبھی نہیں چاہیں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں بجو کہ میں نے تو کبھی اپنی ماں......" اس کی خوبصورت آنکھوں میں درد کروٹیں لینے لگا تھا۔

نادرہ نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔ پھر بولی۔ "بی ایزی ہنی! آئی لو یو اور مجھے اس بات پر کتنا فخر ہے کہ تم میرے بھائی ہو۔"

"اور مجھے بھی۔" وہ ہنس دیا۔ "پتا ہے بجو، میں کل ہی آیا ہوں اور صبح کی فلائٹ سے ادھر چلا آیا۔ دادا شور ہی مچاتے رہے کہ ابھی تو انہوں نے جی بھر کے مجھے دیکھا بھی نہیں اور میں بھاگ رہا ہوں مگر مجھے آپ کی فکر تھی اور میں نے دادا سے وعدہ کیا تھا کہ شام کی فلائٹ سے واپس چلا آؤں گا۔"

اور پھر وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اور اس کی اس درجہ بے تحاشا محبت پر اس کا دل بھر بھر آتا...... کون تھا وہ اس کا کیا لگتا تھا۔ محض ایک لفظی رشتہ اور وہ اس لفظی رشتے کی خاطر سات سمندر پار سے چلا آیا تھا۔ کون کہتا ہے کہ لفظی رشتے جھوٹے ہوتے ہیں۔ ناپائیدار اور کچے۔ کوئی دیکھتا کہ وہ جو اس کا کوئی نہیں تھا اس کا درد بٹانے اتنی دور سے چلا آیا تھا۔ وہ سنی ماموں سے گھنٹوں اس کی باتیں کرتے نہ تھکتی۔ وہ تقریباً ہر روز ہی اسے فون کرتا تھا۔ اسے تسلیاں دیتا اور سمجھاتا۔ جیسے وہ اس سے چھوٹا نہیں بڑا ہو۔

پتا نہیں، وہ کیا کرتا پھر رہا تھا، اس نے بتایا نہیں مگر ایک روز اس نے اسے فون کیا کہ وہ تیار رہے۔ وہ اسے لینے آ رہا ہے۔

"مگر ہنی! آج میرا انٹرویو ہے۔"

"کوئی انٹرویو نہیں۔ دادا آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور میری چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔ آپ کو جاب چاہئے نا تو وہ مل جائے گی۔"

اور وہ سچ مچ اگلے ہی دن اسے لینے آ گیا۔

اس کے دادا بڑی محبت و شفقت سے اسے ملے۔

"میرے ہنی بابا کا کوئی دوست نہیں تھا۔ مجھے خوشی ہے بیٹا کہ اسے دوستوں جیسی بہن مل گئی ہے۔"

اس روز کتنی بار اس کا جی چاہا وہ دادا سے مسز فیروز کے بارے میں سنی ہوئی کہانی کی تصدیق کرے کہ کیا یہ سچ ہے کہ مسز فیروز نے اپنا ہنی بابا بہت سارے پیسوں، بہت

ساری جائیداد کے عوض انہیں دے دیا تھا۔

"مگر نہیں۔ اس نے سوچا۔ اگر یہ سچ ہوا تو اس کا دل اس انکشاف سے پھٹ جائے گا۔ وہ کچھ نہیں پوچھے گی کچھ نہیں نہ جاننا جان لینے سے ہزار درجے اچھا ہوتا ہے۔"

ہنی اسے اپنے گھر میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور پھر شام کو وہ لمبی ڈرائیو پر چلے گئے۔

"بجو!" راستے میں ہنی نے کہا۔ "آپ نے پوچھا نہیں، میں اتنے سارے دن کیا کرتا رہا؟"

"کیا پوچھوں؟" اس نے اداسی سے کہا۔ "اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو تم خود ہی بتا دیتے۔"

"بجو! میں نے ان چند دنوں میں مبشر حسن کے بارے صرف کچھ معلومات اکٹھی کی ہیں اور......"

"اور کیا؟" اس نے بیتابی سے پوچھا۔

"آپ کے ان مبشر حسن نے مایوس کیا ہے مجھے۔ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتیں۔"

"ہنی۔" اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ "تم اتنے چھوٹے ہو، شاید تم نہ سمجھ سکو لیکن بہت سے فیصلے ایسے ہوتے ہیں جن پر نظر ثانی نہیں کی جا سکتی۔"

"ہوں۔" اس نے پر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"یہ تم کہاں جا رہے ہو ہنی؟" مبشر کے آفس کی طرف مڑتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"آج ذرا ان سے ملاقات نہ کر لی جائے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا ہنی کہ مجھے بھیک میں ملی ہوئی محبت نہیں......"

"میں نے کہیں پڑھا تھا، بجو کہ محبتوں کا انا سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔" اس نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

"مگر ہنی! میں ایسی نہیں ہوں۔ اس طرح تو میں خود اپنی نظروں میں گر جاؤں گی۔"

"بھئی کچھ نہیں ہوگا، ہم صرف مل کے آجائیں گے۔"

وہ چپ ہو گئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اتنے سارے دنوں بعد اسے دیکھنا کیسے لگے گا بھلا۔ وہ کس طرح بات کرے گی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔ دھڑکتے دل کو سنبھالے وہ ہولے ہولے چلتی اس کے ساتھ موبی کے آفس میں داخل ہوئی۔

"ارے مس مومن آپ!" جہاں زیب نے ریسپشن روم میں گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ "ہم پچھلے دو دنوں سے آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ موبی نے ایک نیا ڈراما لکھا ہے۔ اس کے لئے کرداروں کا چناؤ کرتے ہوئے کئی بار آپ کا ذکر آیا۔ کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرادی۔

"جہاں زیب، تم ابھی تک گئے نہیں۔" مبشر تولئے سے ہاتھ صاف کرتا ہوا دروازے پر نمودار ہوا پھر اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ لمحہ بھر یونہی اسے دیکھتا رہا۔ گہری والہانہ نظروں سے۔

نادرہ کی نظریں جھک گئیں۔ رخسار تپ اٹھے۔

مبشر نے چونک کر اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور جہاں زیب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یار، تم جاؤ۔ کہیں وہ گھر سے نکل ہی نہ جائے۔ آج کسی فلائٹ سے وہ کراچی جا رہا ہے۔ تم اسے فوراً بک کر لو۔" پھر وہ نادرہ کی طرف مڑا۔ "آؤ اندر چل کر بیٹھیں۔"

وہی پرانا انداز جیسے وہ ابھی کل پرسوں ہی ملے تھے اور درمیان میں کہیں کوئی فاصلہ نہ تھا۔

"کیسی ہو؟" اندر اپنے نجی کمرے میں بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"فائن!" وہ مسکرا دی اور ہنی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مبشر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ اسد ہے۔" نادرہ نے جان بوجھ کر پورا تعارف نہیں کرایا۔

"لاہور کب آئی ہو؟"

"آج ہی ہنی لینے گیا تھا مجھے۔"

"کچھ دن ٹھہرو گی۔"

"شاید نہیں، کل چلی جاؤں گی۔"

"واہ، کل کیسے جائیں گی آپ۔ میں آپ کو اتنی جلدی نہیں جانے دوں گا۔ اب آپ یہاں ہی رہیں گی میرے پاس، جتنے دن میری چھٹیاں ہیں۔" ہنی نے لاڈ سے کہا۔

"اچھا بابا، دیکھیں گے۔"

مبشر نے ان کے لئے کولڈ ڈرنکس منگوائی اور پھر اپنے ڈرامے پر بات کرتا رہا۔ وہ اپنے ڈرامے کے سلسلے میں بے حد جذباتی تھا۔

"تم دیکھنا نادرہ! میرا یہ ڈراما بہت نام کمائے گا۔"

"آئی وش یو گڈ لک سر! نادرہ نے کھڑے ہو کر کہا۔ پتا نہیں، کیوں اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ پھر وہ ہنی سے مخاطب ہوئی۔ "چلو ہنی، دادا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"بیٹھو نا۔" بے اختیار اس نے کہا اور وارفتگی سے اسے دیکھا۔

"نہیں، بس اب چلتے ہیں۔" وہ سنجیدہ تھی۔

"نادرہ!" اس نے بڑی آہستگی سے اسے پکارا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے پلٹ کر نادرہ نے اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہی والہانہ نظریں۔

"نادرہ!" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔ اس کی شخصیت کا سحر اسے جکڑنے لگا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تم...... تم بہت خوبصورت ہو اور میں تمہیں مس کرتا ہوں۔"

"بجو! ہنی نے آواز دی تو وہ تیزی سے باہر نکل آئی، دل کی دھڑکنیں ایک دم ہی تیز ہو گئی تھیں۔

وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

اسے چاہتا ہے۔

اور سنی ماموں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

بس وہ مصروف ہے اس لئے۔

اسے یقین ہو گیا۔ ہنی نے اس کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"لگتا ہے، موبی صاحب نے کوئی بہت ہی خوبصورت بات کہہ دی ہے۔"

"ہنی۔" اس نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ "ہنی! ابھی تم بچے ہو، جب تم کسی سے محبت کرو گے اور تمہارے دل میں کسی کی محبت کی طلب جاگے گی تو پھر تم سمجھ سکو گے کہ محبت کرنے والے کتنے خوش گمان ہوتے ہیں اور کتنے نازک دل۔"

"آل رائیٹ میڈم! اب کیا پروگرام ہے، گھر چلیں۔"

"ہاں۔"

اور پھر دو دن بعد وہ دل میں نئی امیدوں کے چراغ جلائے ہنی کے ساتھ واپس اسلام آباد آ گئی۔ ہنی کے پاس صرف پانچ دن تھے اور وہ چاہتی تھی کہ ہنی یہ سارے دن اس کے پاس رہے۔

"اتنی خود غرض نہ بنیں، دادا کا بھی کچھ خیال کر لیں۔"

"میں خود غرض ہوں۔" اس نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

"مجھے کیا پتا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہنی، میں تمہیں ماروں گی۔"

"یہ حسرت بھی پوری کرلیں۔ سنا ہے آپ کو بڑی حسرت تھی کہ کوئی چھوٹا بھائی ہوتا تو آپ اس کے کان کھینچتیں۔"

"میں سچ مچ۔" اس نے ہنی کے کان پکڑ لئے۔

"ارے ارے۔" ہنی نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور پھر گیٹ سے اندر آتے مبشر حسن کو دیکھا۔

"ارے بجو! ادھر دیکھیں۔"

مبشر حسن نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔

"آپ!" نادرہ کو حیرت ہوئی۔

"ہاں۔" وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔ "اسلام آباد آیا تھا، سوچا سنی سے ملتا چلوں۔"

"بیٹھیں آپ، سنی ماموں کہیں باہر گئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔" نادرہ کو ہمیشہ کی طرح گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

ہنی کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا اور کرسی کھینچ لایا تھا۔

"پلیز!" اس نے مبشر حسن کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

مبشر حسن بیٹھ گئے، انہوں نے ہنی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہنی نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر نادرہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں دیکھتا ہوں سنی ماموں کو۔ کیا خبر چپکے سے اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گئے ہوں۔"

"ہاں، سنی ماموں کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔" نادرہ نے آہستگی سے کہا اور جاتے ہوئے ہنی کو دیکھا۔ جو مسکراتا ہوا اسے اشارے کررہا تھا۔

"لاہور سے کب آئی ہو؟"

"دو تین دن ہوئے۔"

"نادرہ!" اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ "بہت دن پہلے میں نے تم سے ایک بات کہی تھی کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم...... میرا مطلب ہے، کیا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں، میں اسی سلسلے میں سنی سے بات کرنے آیا ہوں۔"

"نہیں۔" اس کی پلکیں جھک گئیں اور رخسار تمتما اٹھے۔

"میرا خیال تھا کہ شاید تم۔ میرا مطلب ہے، ہنی تمہارا ہم عمر ہے۔"

"وہ...... وہ۔" شدید کرب سے الفاظ اس کے اندر ہی پھنس گئے۔ "مجھ سے بہت چھوٹا ہے اور میرے لئے سگے بھائیوں کی طرح ہے۔"

اس کی پلکیں نم ہو گئیں۔

"سوری نادرہ! تم ہرٹ ہوئی ہو لیکن دیکھو نا، مجھے کیا پتا۔ تم نے کبھی بتایا مجھے۔"

"اور آپ نے کبھی پوچھا۔ کبھی خبر لی ان چھ سات ماہ میں۔"

"میں بہت مصروف تھا لیکن یقین کرو، میں نے اکثر تمہیں سوچا۔ جب کبھی میں اکیلا ہوتا۔ جب کبھی......"

"ارے موبی۔" سنی ماموں نے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بہت مطمئن تھی، اس کا انتظار رائیگاں نہیں گیا تھا۔ سنی ماموں نے پاپا سے بات کر کے اس کی رخصتی کی تاریخ طے کردی تھی ہنی کو افسوس تھا کہ وہ اس کی رخصتی تک رک نہیں سکتا۔ تین روز بعد اس کی فلائٹ تھی اور لاہور سے دادا کے فون پر فون آ رہے تھے۔ وہ اس کے کمرے میں ہی بیٹھا بیگ میں کپڑے ٹھونس رہا تھا۔

"یہ کیا کررہے ہو ہنی! ایسے کپڑے رکھتے ہیں لاؤ مجھے دو؟" اس نے بیگ اس سے چھین لیا۔ "بہنوں کی موجودگی میں بھائی کام کرتے اچھے نہیں لگتے۔"

تب ہی مبشر حسن نے دروازے پر دستک دی۔

"سنی ماموں آجائیں۔" لیکن ان کے بجائے مبشر کو دیکھ کر اس کے رخساروں پر شفق دوڑنے لگی۔

"میں واپس جارہا تھا، سوچا خدا حافظ کہہ دوں۔"

"ہنی بھی جارہا ہے۔ دو گھنٹے بعد اس کی فلائٹ ہے۔" نادرہ نے بتایا۔

"اچھا، پھر تو ساتھ رہے گا۔ مجھے بھی دو گھنٹے بعد جانا ہے۔"

"پھر تو سفر اچھا کٹے گا۔" ہنی ایک دم سے خوش ہو گیا اور نادرہ سے بیگ لے کر جلدی جلدی کپڑے اس میں رکھنے لگا۔

"آپ بیٹھیں نا۔"

"نہیں، مجھے ابھی ایک کام ہے۔ خدا حافظ!" وہ وہیں سے واپس پلٹ گیا۔

"آپ کے ان صاحب بہادر کے موڈ کی سمجھ نہیں آتی کبھی ایک دم بہت اچھا اور کبھی ایک دم بہت خراب۔" بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے جب ہنی نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

❀

ایئرپورٹ پر مبشر ملا مگر وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا اور سارا وقت سنی ماموں سے اپنے ڈرامے کی باتیں کرتا رہا۔ جاتے ہوئے وہ ایک لمحہ اس کے پاس رکا تھا اور سر کو جھکا کر ہولے سے خدا حافظ کہا تھا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک بار بھی اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا البتہ ہنی جہاز کی آخری سیڑھی تک مڑ مڑ کر اسے دیکھتا اور ہاتھ ہلاتا رہا۔

ہنی نے وہاں جا کر اسے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اس نے کتنی تاکید کی تھی کہ سیٹ اگر او کے ہو جائے تو وہ اسے انفارم کرے۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے ضرور سی آف کرنے جائے گی۔ وہ جو اتنی دور سے صرف اس کی خاطر آیا۔ اس کی پریشانی اور اداسی کا خیال کر کے حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی پریشانی دور کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہو گی پھر بھی۔ اور اب پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ کیا وہ واپس چلا گیا تھا، یونہی بغیر اسے

اطلاع دیئے، بغیر اسے خدا حافظ کہے۔ اس نے خود کئی بار ٹرائی کیا تھا لیکن ادھر بیل ہوتی رہتی کوئی اٹھاتا ہی نہیں تھا۔ کیا دادا بھی اس کے ساتھ چلے گئے تھے اور سارے نوکر کہاں گئے تھے؟

وہ بہت پریشان تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ہنی کے متعلق آخر کہاں سے پتا کرے کہ اچانک اسے مبشر کا خیال آگیا ہاں ٹھیک ہے۔ میں انہیں ہی فون کر کے کہہ دیتی ہوں کہ ذرا ہنی کا پتا کر دیں۔ مبشر کو فون کرنے کے خیال سے وہ اٹھی ہی تھی کہ بیل بج اٹھی۔ دوسری طرف ہنی تھا۔

"ہنی کے بچے کہاں تھے تم؟" اس کی آواز سنتے ہی وہ چیخ پڑی۔ "فون کرتے کرتے میرے ہاتھ تھک گئے مگر......"

"فون خراب تھا۔" ہنی نے آہستگی سے کہا۔

"تم کہیں اور سے، باہر سے فون نہیں کر سکتے تھے۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم اب تک امریکا پہنچ گئے ہو گے۔ اگر تم چلے جاتے نا مجھے خدا حافظ کہے بغیر تو میں سمجھتی تم سے، بتاؤ نا کیوں نہیں فون کیا تم نے......"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"کیا ہوا تھا تمہیں؟"

"پتا نہیں۔"

ہنی کے بچے، یہ تم اتنے سنجیدہ کیوں بنے ہوئے ہو۔ صحیح طرح سے بات کرو نا مجھ سے۔"

"کیا بات کروں۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔ چند لمحوں تک خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"صبح میری فلائٹ ہے میں نے سوچا آخری بار آپ کو خدا حافظ کہہ دوں۔"

وہ چیخ اٹھی۔ "ہنی یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں، مجھے پریشان کیوں کر رہے ہو؟"

"آپ کو کیا خبر کہ ان بیتے ہوئے چند دنوں میں، میں نے نے کتنی اذیت اٹھائی ہے اور میں کتنا پریشان رہا ہوں۔"

"ہنی پلیز۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "پلیز بتاؤنا کیا ہوا ہے تمہیں۔ کیا دادا بیمار ہیں؟"

"نہیں، دادا تو ٹھیک ہیں۔"

"پھر؟"

"کچھ نہیں۔ اچھی سی کوئی بات کریں، آخری بار میں آپ سے اچھی اچھی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"آخری بار! آخری بار ایسی بات کیوں کر رہے ہو، میں رو پڑوں گی۔"

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے رونے کو مگر۔" وہ لمحہ بھر کو چپ ہو کر بولا۔ "کچھ لوگ کتنے بدنصیب ہوتے ہیں بجو میری طرح محبتیں پا کر کھو دیتے ہیں۔"

"ہنی مجھ سے صاف صاف بات کرو۔" وہ رو پڑی۔

"بجو آپ کی محبت پا کر میں سمجھتا تھا کہ میری عمر بھر کی محرومیوں کی تلافی ہو گئی ہے۔ میں کتنا زیادہ خوش ہوتا تھا اور وہاں نیو جرسی میں اپنے کلاس فیلوز کو بھی بتایا کرتا تھا کہ میری ایک بہن ہے، بہت ہی پیاری اور محبت کرنے والی۔"

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے ہنی۔ مجھ سے خفا ہو؟"

"نہیں۔" اس نے اداسی سے کہا۔ "آپ کی آئندہ زندگی کی خوشیوں کی خاطر بجو میں نے -- میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی زندگی سے نکل جاؤں۔"

"ہنی!" وہ ساکت سی ہو گئی۔ "کیا موبی نے تم سے کچھ کہا؟"

"کچھ نہیں، بہت کچھ۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا سفر بہت اچھا کٹا ان کی معیت میں۔'

"میں بات کروں گی موبی سے شاید کوئی غلط فہمی......"

"نہیں، کوئی غلط فہمی نہیں مگر وہ ایسا ہی ہے۔" ہنی نے اسی طرح اداسی سے کہا۔ "خدا کرے، آپ خوش رہیں۔ وہ آپ کو خوش رکھے۔ میرے لئے یہی بہت ہے۔ میں یہی سوچ سوچ کر خوش ہوتا رہوں گا کہ اس بھری دنیا میں کہیں کسی جگہ میری ایک بہن ہے جو میرے لئے دعائیں کرتی ہو گی اور۔" اس نے بات مکمل کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"نہیں، ہنی نہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔

"وہ ہنی کو نہیں چھوڑ سکتی تھی -- اور موبی کو بھی نہیں، یکایک وہ بیچ دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، مبشر سے بات کرے، اس سے پوچھے تو۔ مگر آخر کیا کہے گی وہ اس سے، تب پریشان ہو کر اس نے پھر ہنی کو فون کیا۔

"ہنی بابا، یہ میں تھی جس نے تمہیں خود لندن میں بلایا تھا، تم تو مجھے جانتے تک نہ تھے -اور اب- نہیں ہنی بابا میں مبشر سے کہہ دوں گی کہ میں اس رشتے کو جسے میں نے خود قائم کیا تھا نہیں توڑ سکتی۔ وہ چاہے تو......"

"نہیں پلیز، بجو آپ کو میری قسم آپ کچھ نہیں کہیں گی ان سے، مجھے یقین ہے، بہت جلد آپ مجھے بھول جائیں گی۔ خدا آپ کو بہت بہت خوش رکھے۔ میں آپ کا بھائی ہوں نا اور بھائی تو بہنوں کو اپنے گھروں میں آباد دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں۔"

وہ بہت دیر تک اسے سمجھاتا رہا لیکن اس کے دل پر اداسی کا کہر سا گرتا رہا۔ وہ ساری رات جاگتی رہی۔ ہنی کی فلائٹ اسلام آباد سے ہی جانا تھی، وہ اسے سی آف کرنے پہنچ گئی۔ بہت دیر تک اس کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں سے لگائے وہ روتی رہی۔

وہ ساکت کھڑا رہا اور جب وہ جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا وہ اسے مسز فیروز کا وہی ہنی بابا لگا جو پلٹ پلٹ کر مسز فیروز کو دیکھ رہا تھا اور جس کی اداس

آنکھوں کی جھیلوں میں کہیں ایک آنسو منجمد ہو گیا تھا مگر پگھلا نہیں تھا۔

پاپا اور ماما آ گئے تھے لیکن وہ بہت اداس تھی اور اس بے نام اداسی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ اتنی خوش نہیں تھی جتنا اسے ہونا چاہئے تھا اس کی رخصتی سے دو تین دن قبل کرن اور سمیرا بھی آ گئی تھیں وہ دونوں کتنی خوش تھیں اور کتنی مطمئن کیا وہ بھی ان کی طرح خوش ہو سکے گی۔ کیا مبشر حسن کی محبت ان ساری محبتوں کی کمی پوری کر دے گی جو اسے زندگی میں مل مل کے بچھڑتی رہی تھیں۔

بی جان کی محبت۔

آنٹی کی محبت۔

اور......اور ہنی بابا کی محبت۔

"شاید......شاید سارے خلا پر ہو جائیں، سارے زخم بھر جائیں۔ صرف ایک اس کی محبت ساری محرومیوں کی تلافی کر دے۔

ہاں، ایسا ہی ہو گا۔

سارے خلا پر ہو جائیں گے وہ اسے چاہے گا اتنا ٹوٹ کر کہ پھر کوئی بچھڑی محبت یاد نہیں آئے گی۔

ایک امید بھری مسکراہٹ اس کے پورے چہرے کو روشن کر دیتی تو کرن اسے چھیڑتی۔

"سچی ندو! تو کتنی بے تحاشا خوبصورت ہو گئی ہے، مجھے تو ڈر ہے کہیں مبشر حسن غش کھا کر گر ہی نہ پڑے۔"

مبشر حسن غش کھا کر تو نہ گرا لیکن وہ بہت دیر تک اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے اسے دیکھتا رہا۔ پھر یکدم یوں پیچھے ہٹ گیا جیسے اس نے آگ کو چھو لیا ہو۔ اس کی طرف پیٹھ کئے وہ کھڑکی کے پاس بہت دیر تک جانے کیا سوچتا رہا اور نادرہ

حیران سی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"نادرہ!" یکایک وہ اس کی طرف پلٹا۔ "تمہیں پتا ہے، تم ہما سے کتنی بے تحاشا ملتی ہو۔ تمہاری یہ خوبصورت آنکھیں، یہ دلکش ہونٹ ہو بہو ہما کی طرح ہیں۔"

نادرہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ دلہن تھی اور سب کے بقول قیامت ڈھا رہی تھی لیکن وہ اس سے کتنا بے نیاز اور بے پروا اس سے اتنی دور کھڑا ہما کو یاد کر رہا تھا اور اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے آج ان کی شادی نہیں ہوئی تھی بلکہ ہمیشہ کی طرح وہ یونہی اس سے ملنے چلی آئی ہو اور......

"اور تم جانتی ہو، میں نے اس کے عشق میں ہفت خواں منزلیں طے کیں۔ ہر منزل پر سینکڑوں بلائیں اور عفریت میرے منتظر تھے۔ میرا سفر بڑا کٹھن اور طویل تھا اور جب میں ان طویل کٹھن مسافتوں کے بعد منزل پر پہنچا تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں تو اس آخری منزل پر بالکل اکیلا اور تنہا ہوں۔"

وہ اپنی بڑی بڑی کشادہ آنکھیں کھولے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا بھاری دوپٹا اس کے سر سے پھسل گیا تھا لیکن وہ بے خبر سی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور وہ نہیں تھی۔ میں نے اسے بھلانے کی کوشش کی لیکن نہیں بھلا سکا۔ وہ تو آج بھی میرے دل میں روز اول کی طرح ہے اور اس کی محبت میری رگوں میں میرے لہو کے ساتھ دوڑ رہی ہے۔"

اس کے اندر کچھ ٹوٹنے اور پگھلنے لگا۔

"تم کہو گی نادرہ کہ پھر میں نے تم سے شادی کیوں کی؟ شاید میں کچھ عجیب ہوں۔ جب وہ مجھے بہت بے تحاشا یاد آتی تو بے اختیار میں تمہاری طرف آ جاتا۔ اور دل چاہتا کہ تمہیں دیکھتا رہوں۔۔۔ تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے ہونٹوں کو، تمہاری موجودگی

سے میں خود کو بہلاتا تھا۔ تمہارے نقوش میں اسے ڈھونڈتا۔ پھر جب تم نے بتایا کہ تمہارے پپا تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے لگا جیسے میں ہما کا دکھ برداشت نہیں کرپاؤں گا۔ مجھے اعتراف کرلینے دو کہ تم نے ہما کی جدائی کا دکھ سہارنے میں غیر ارادی طور پر میری مدد کی۔ میں تھوڑا سا خود غرض ہو گیا تھا، میں چاہتا تھا تم میرے سامنے رہو ہمیشہ۔ جب کبھی ہما کی یاد بہت شدت سے آئے تو تم مجھے سہارا دو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کسی دوسرے کی دسترس میں چلی جاؤ۔ تم جو ہما سے اتنی ملتی جلتی ہو۔ تم جو اسی کی طرح خوبصورت اور دلکش ہو۔ میں ہمیشہ تمہیں اپنے پاس اپنے قریب دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے شاید یہ وفا نہیں تھی، ہما کے ساتھ -- وفا نہیں ہے۔ ہما یہی سوچے گی لیکن یہ بات اسے کون بتائے کہ میں تم سے محبت نہیں کرسکتا۔ پھر بھی میں تمہارے معاملے میں خود غرض ہوں میں نہیں چاہتا کہ کوئی جہاں زیب کوئی ہنی تمہاری طرف دیکھے بھی۔"

اسے لگا جیسے اس کا وجود کرچی کرچی ہو رہا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہارے سارے حقوق ادا کرسکوں لیکن مجھ سے محبت کی طلب مت کرنا۔"

وہ خدا جانے کیا کیا کہہ رہا تھا مگر آوازیں جیسے اس کے اردگرد مر گئی تھیں، وہ کچھ نہیں سن رہی تھی -- اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے، طوفان اٹھ رہے تھے اور اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی یوں جیسے زلزلہ آگیا ہو اور عمارتیں دھڑا دھڑ گر رہی ہوں اور ملبے کے نیچے دبنے والوں کی چیخوں اور شور سے کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔

وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بیڈ پر ٹیکے تھوڑا سا آگے جھک گئی۔

"کرن سنو! میں محبت کرنا چاہتی ہوں، بڑی میچور قسم کی محبت اور وہ مجھ سے یوں

محبت کرے گا۔ اس طرح اس دنیا میں کسی نہ کسی کو نہیں چاہا ہو گا۔" اس نے سرگوشی سی کی۔

"اور دیکھو تم مجھ سے ڈر گئے۔ حالانکہ میں تو -- میں تو۔" اس کے لب ہل رہے تھے لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔

مبشر حسن اس کی کیفیت سے بے نیاز اس کی طرف پیٹھ کئے کھڑکی سے باہر جانے تاریکی میں کیا دیکھ رہا تھا۔

"اور تم محبت سے ڈر گئے۔"

اس کے ہونٹ ہنسی کے انداز میں پھیل گئے۔

"اور ہنی بابا تم کہاں ہو؟"

آؤ میں تمہارے کندھے پر سر رکھ کر رو لوں۔

بی جان۔

مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

میرے اندر خلا ہی خلا ہیں، گہرائیاں ہی گہرائیاں۔"

یکایک اس نے اپنے ہاتھ اٹھالئے اور کھڑی ہو گئی۔ اس کا دوپٹا نیچے گر گیا تھا۔

"سنو سمو۔ تمہیں پتا ہے میرا نام نادرہ ہے۔

اور انار کلی بھی نادرہ تھی۔

ہم دونوں محروم محبت ہیں۔"

پھر وہ تیتری کی طرح گھومی۔

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

بس ایک بار۔

اس نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی کھولا، بند کیا۔

بس ایک بار مجھے ٹوٹ کر ملے کوئی۔

پھر ---

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، اس نے ایک نظر مبشر حسن کی طرف دیکھا جو اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں کے کونوں میں آنسو اکٹھے ہونے لگے۔

وہ مڑ کر یونہی پاؤں لٹکائے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

مبشر حسن نے اچانک مڑ کر اسے دیکھا۔

اجنبی نظریں۔

اس کی پلکیں جھک گئیں وہ مڑا اور الماری سے اس نے اپنا وہی پسندیدہ مشروب نکالا۔

"سوری نادرہ! آج کی رات میں بہت اپ سیٹ ہوں، تم آرام کرو۔"

وہ گلاس اور بوتل اٹھائے باہر نکل گیا۔

کونوں میں اٹکے ہوئے آنسو رخساروں پر پھسل آئے اور اس کے اندر جیسے سب کچھ ڈھے گیا، ختم ہو گیا۔

اب وہاں صرف ملبہ تھا اور اس سے اڑنے والی دھول، اسے لگا، جیسے وہ مر رہی ہے۔ انسان جسمانی طور پر ہی نہیں، کبھی کبھی روحانی طور پر بھی مر جاتا ہے۔

"ہنی بابا!"

کیا میری موت پر نہیں آؤ گے۔

کیا مجھے کندھا نہیں دو گے۔ آؤ میں تمہاری آنکھوں میں جمے ہوئے آنسو کو اپنی انگلیوں سے پونچھ دوں۔

کرن! تم سچ کہتی تھیں۔ میں دھوکا کھا گئی۔

"شیر دل سنو۔"

وہ ایک دم پھر کھڑی ہو گئی۔ اسے لگا جیسے دیواریں ہولے ہولے اپنی جگہ سے کھسک رہی ہوں۔ وہ کانپنے لگی۔ لہرانے لگی۔

"بس ایک بار۔" اس کے لب ہلے۔

"پھر اس کے بعد بکھر جاؤں۔" وہ ایک طرف کو جھک گئی۔

"بس ایک بار۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی لیکن اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ گری جارہی تھی۔